تحقیقی مقالہ برائے ایم۔ایس۔اُردو

محمد حامد سراج کے افسانوی کرداروں کا نفسیاتی مطالعہ

[کارل گستاژونگ کے نظریۂ تحلیل نفسی کے مطابق]

محقق

مہرینہ مریم

228-FLL/MSURDU/F17

نگران

ڈاکٹر سائرہ بتول

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو

شعبۂ اُردو

بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

ISLAMAB

Accession No. FH 23964

MS
891.4393
م ح م

اردو ادب - افسانہ
" - افسانوی مواد

AG132944

100 Rupees

۱۰۰ روپیہ

NIC - 38303-8304217-8

786

بیان حلفی

[illegible]

Scanned with CamScanner

الجامعة الإسلامية العالمية

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

شعبۂ اردو

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ مہرینہ مریم رجسٹریشن نمبر 228-FLL/MSURDU/F17 نے ایم۔ ایس۔ اُردو کی ڈگری کی تکمیل کے لیے تحقیقی مقالہ بعنوان "محمد حامد سراج کے افسانوی کرداروں کا نفسیاتی مطالعہ (کارل گستاؤ ژونگ کے نظریۂ تحلیل نفسی کے مطابق)" میری نگرانی میں رقم کیا ہے۔ میں تصدیق کرتی ہوں کہ اس موضوع پر اس سے پہلے کہیں کام نہیں ہوا اور یہ کام سرقے سے پاک ہے۔

نگران: ڈاکٹر سائرہ بتول

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو

Scanned with CamScanner

ACCEPTANCE BY THE VIVA VOCE COMMITTEE

Name of the Student: **Mahreena mariam**

Title of the Thesis: محمد حامد سراج کے افسانوی کرداروں کا نفسیاتی مطالعہ (کارل گستاژونگ کے نظریہ تحلیل نفسی کے مطابق

Registration No: 288-FLL/MSURDU/F17

Accepted by the Department of Urdu, Faculty of Languages & Literature, International Islamic University, Islamabad, in partial fulfillment of the requirements for the Master of Philosophy degree in Urdu.

VIVA VOCE COMMITTEE

Chairperson Viva Committee:

Dr. Humaira Ishfaq
Chairperson Department Of Urdu Female IIUI

External Examiner:

Dr. Shafique Anjum
Assistant Professor
NUML University, Islamabad

Internal Examiner:

Dr. Humaira Ishfaq
Assistant Professor,
Department Of Urdu, IIUI,
Islamabad

Supervisor:

Dr. Saira Batool
Assistant Professor,Department Of Urdu
Female IIUI

Scanned with CamScanner

بسم الله الرحمن الرحيم

انتساب

پیارے بھائیوں فیصل حمید اور خالد حمید کے نام

پیش لفظ

تحقیق کا لفظ ذہن میں آتے ہی دھیان ان دقیقوں کی طرف منتقل ہوتا ہے جو اس فن کی راہ میں کانٹوں کی طرح بچھے ہوئے ہیں۔ معلوم سے نامعلوم اور یقین سے موہوم تک کے سفر میں زندگی کو اس مروجہ ضابطوں سے ہٹ کر برتنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تحقیق کسی نوع کی ہو، اس کا سفر جاری رہتا ہے۔ تحقیق میں کبھی ایک رائے قائم نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی فیصلہ صادر کیا جا سکتا ہے۔ وہ بات جس کو ہم آج اپنی دانست میں درست اور مکمل سمجھ کر حرف آخر ثابت کرنے پر تلے بیٹھے ہیں آئندہ زمانے میں محض حرف آغاز بھی ہو سکتی ہے۔

محمد حامد سراج میرے آبائی وطن میانوالی کے نامور افسانہ نگار تھے۔ مقالہ لکھنے سے پہلے آپ کا نام سنا ہوا تھا اور ان کے تین سے چار افسانے پڑھے ہوئے تھے۔ جب ایم۔ ایس میں مقالے کے عنوان کی بات آئی تو ایم۔ اے کے استاد محترم ڈاکٹر شفیق آصف نے محمد حامد سراج پر تحقیقی کام کرنے کا مشورہ دیا۔ میں نے اپنی محترم اور نہایت شفیق استاد ڈاکٹر سائرہ بتول سے بات کی تو آپ نے خوش دلی سے محمد حامد سراج پر مقالہ لکھنے کی اجازت دے دی۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ محمد حامد سراج کے افسانوں پر کس موضوع پر تحقیقی مقالہ تحریر کیا جائے۔ محمد حامد سراج کا فون نمبر لے کر ان سے بات کی اور آپ سے پوچھا کہ آپ کے افسانوں پر کون سے موضوعات پر کام ہو چکا ہے؟ اور مزید کون سے موضوع پر ہو سکتا ہے؟ آپ نے بہت خوش اخلاقی سے بات کی اور بتایا کہ کردار نگاری پر کام نہیں ہوا۔ میری نگران ڈاکٹر سائرہ بتول نے کردار نگاری کے موضوع کو مزید خوب صورتی عطا کی اور کہا کہ آپ حامد سراج کے افسانوی کرداروں کا نفسیاتی مطالعہ کے عنوان سے مقالہ تحریر کریں۔

اس موضوع کے متعلق خاکہ تیار کیا گیا۔ اس مقالے میں چار ابواب شامل ہیں۔ باب اول: محمد حامد سراج اور کارل گستاژنگ کا تجزیاتی نظریہ تحلیل نفسی کا تعارف میں محمد حامد سراج کی سوانح، علمی و ادبی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔ نیز آپ کے ادبی مقام مرتبے کا تعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

باب دوم: اردو افسانہ نگاروں کے کرداروں کی نفسیات کا جائزہ میں اردو ادب اور نفسیات کے آپس میں تعلق کو بتایا گیا ہے اور اردو افسانوی ادب، داستان اور ناول کا نفسیاتی تجزیہ مختصر طور پر تحریر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اردو ادب نامور افسانہ نگاروں کے افسانوں کی نفسیات کا جائزہ لیا گیا ہے اور ہر افسانہ نگار کے منفرد موضوعات پر سے بھی پردہ اٹھایا گیا ہے۔

باب سوم: نسائی کرداروں کا تحلیل نفسی میں محمد حامد سراج کے افسانوی نسائی کرداروں کا نفسیاتی تجزیہ کارل گستاژونگ کے نظریہ تحلیل نفسی کے مطابق کیا گیا ہے۔ اس میں کارل گستاژونگ کے بیان کردہ عناصر کو آپ کے نسائی کرداروں پر ان کا اطلاق کیا گیا ہے۔ ہر نسائی کردار کی نفسیات ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

باب چہارم: مرد کرداروں کا تحلیل نفسی میں محمد حامد سراج کے افسانوی مرد کرداروں کا نفسیاتی تجزیہ کارل

گستاژونگ کے نظریہ تحلیل نفسی کے مطابق کیا گیا ہے۔اس میں کارل گستاژونگ کے بیان کردا عناصر کو آپ کے مرد کرداروں پر ان کا اطلاق کیا گیا ہے۔ ہر مرد کردار کی نفسیات ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

ممکنہ کوشش کی گئی ہے کہ تحقیقی زاویوں کو مد نظر رکھ کر موضوع سے انصاف کیا جائے۔ جب مقالہ لکھنا شروع کیا تو محمد حامد سراج حیات تھے۔ آپ کی زندگی میں آپ سے دو دفعہ ملاقات ہو چکی ہے۔ آپ نے مقالے کے لیے بہت سا مواد اپنی ذاتی لائبریری میں سے مجھے فراہم کیا۔ آپ کی وفات کے بعد محمد حامد سراج کے بیٹے قدامہ احمد نے میری ہر ممکنہ مدد کی ہے۔ نگران کی بھرپور معاونت اور راہنمائی کی بدولت تحقیقی کام بروقت مکمل ہو سکا ہے۔ مقالے کی تحقیق میں مشکل مرحلہ ماخذات تک رسائی حاصل کرنا ہے۔ جن دوستوں نے اس مرحلے کو میرے لیے آسان بنایا ان کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کروں گی۔

میں سب سے زیادہ شکر گزار اپنے شریک حیات یاسر رضا کی ہوں جنہوں نے مقالے کو مکمل کرنے میں میرا بھرپور ساتھ دیا۔ اتنی مصروفیات کے باوجود مجھے مقالہ کمپوز کر کے دیا۔ ایم۔اے کے اساتذہ کی بھی ممنون ہوں جنہوں نے میری حوصلہ افزائی کی۔ ایم۔ایس کے اساتذہ ڈاکٹر حمیرا اشفاق، ڈاکٹر سائرہ بتول، ڈاکٹر صباحت مشتاق، ڈاکٹر شیراز، ڈاکٹر انعام الحق غازی اور ڈاکٹر گوہر نوشاہی، ان سب کی ممنون ہوں ان تمام شخصیات سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ ان سے پڑھنا میرے لیے باعث اعزاز ہے۔

والدین کی شفقت اور محبت کا قرض کوئی ادا نہیں کر سکتا۔ اپنی والدہ کی شکر گزار ہوں جنہوں نے زندگی کے ہر مرحلے میں میرا حوصلہ بڑھایا اور میری ڈھال بن کر میرے ساتھ کھڑی رہی ہیں۔ اپنے والد عبدالحمید اور دونوں بھائیوں، فیصل حمید اور خالد حمید کی بہت شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے علیٰ تعلیم سے آراستہ کیا۔ ایم۔ایس کے دوران آنے والی ہر مشکل میں میرا ساتھ دیا۔ اپنی بہترین دوست مریم نشاط کندی کا دل کی گہرائیوں کا شکریہ جس نے مقالے کی مواد کی فراہمی اور ترتیب میں بھرپور مدد کی۔ اپنی دوست مدیحہ سرور کی نہایت مشکور ہوں جو ایم۔ایس۔سی سیکالوجی ہیں۔ انہوں نے میری کارل گستاژونگ کی تھیوری کو سمجھنے اور اس کے اطلاق پر مدد کی۔ رب تعالیٰ سے دعا ہے جن لوگوں نے میرے ساتھ تعاون کیا، راہنمائی کی، ان سب کو ڈھیروں خوشیوں سے نواز دے۔ (آمین)

مہرینہ مریم

۲۶جولائی ۲۰۲۰ء

فہرست موضوعات

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
	پیش لفظ	
	باب اوّل:	ا۔
۱	محمد حامد سراج اور کارل گستاژنگ کے تجزیاتی نظریہ تحلیل نفسی کا تعارف	
	باب دوم:	۲۔
۲۹	اردو کے معروف افسانہ نگاروں کے کرداروں کی نفسیات کا جائزہ	
	باب سوم:	۳۔
٦۵	نسائی کرداروں کی تحلیل نفسی	
	باب چہارم:	۴۔
۹۵	مرد کرداروں کی تحلیل نفسی	
۱۳۸	**ماحصل**	
۱۴۳	**کتابیات**	

بابِ اوّل:

محمد حامد سراج اور کارل گستاژنگ کے تجزیاتی نظریہ تحلیل نفسی کا تعارف

باب اوّل:

محمد حامد سراج اور کارل گستاؤ ینگ کے تجزیاتی نظریہ تحلیل نفسی کا تعارف

محمد حامد سراج کی سوانح و تصانیف کا تعارف:

تعارف، خاندانی پس منظر:

محمد حامد سراج بستی خانقاہ سراجیہ ضلع میانوالی میں ۲۱ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ العالی نے کے سگے بھتیجے ہیں۔ آپ امیر مرکز عالمی مجلس نبوت بھی تھے۔ محمد حامد سراج اپنے والدین کا سب سے بڑے بیٹے تھے اور ان کی دو بہنیں ہیں۔ آپ کی دو بہنیں میمونہ اور اسما آپ سے عمر میں چھوٹی ہیں۔ آپ نے سادہ سی بستی میں آنکھ کھولی جہاں ان کا بچپن بڑے رووح پرور ماحول میں گزرا آپ نے بچپن کا ماحول اور یادوں کا منظر یوں بیان کیا ہے۔

> ہمارے آنگن میں بیری کا درخت تھا۔ گھر کی بڑی بوڑھی بزرگ عورتوں کی مانند وہ بیری درخت اپنا آنچل پھیلائے ہر موسم میں بیروں سے لدا پھدا بچوں کو بہلاتا۔ وہ درخت کتنا زندہ اور جان دار تھا۔ بچپن میں ہم مدرسے سے لوٹ کر سیدھا بیری کی طرف لپکتے۔ لال پیلے نیچے گرے ہوئے بیروں کو چن لیتے پھر سنگ باری کا مرحلہ آتا۔ بیر چنتے ہوئے ہمیں اپنی سدھ بدھ نہ رہتی۔ بھاگنا، شور کرنا، پاؤں میں چبھتے کانٹوں سے بے پرواہ بیر چنتے رہنا۔ [۲]

انسان کی شخصیت میں کوئی نہ کوئی صلاحیت چھپی ہوتی ہے۔ انسان اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو جانے بغیر زندگی میں کوئی بڑا کام سرانجام نہیں دے سکتا لیکن اگر کوئی شخص اپنے اندر صلاحیتوں کو پہچان لے تو وہ زندگی میں بہت سی کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے۔ ایسی ہی شخصیت محمد حامد سراج کی ہے۔ آپ کے قلم سے دلوں کو چھو جانے والی تحریروں نے آج تک قارئین کو اپنے سحر میں جکڑا ہوا ہے۔ جیسے آپ کی شخصیت سادہ ہے ویسی سادگی ان کی تحریروں میں بھی جھلکتی ہے۔ آپ نے صرف افسانے میں ہی طبع آزمائی نہیں کی بلکہ ناولٹ سوانح اور خاکے کے موضوعات کو بھی چھوا ہے۔

ادب چاہے شاعری کی صورت میں تخلیق ہو چاہے نثر کی شکل میں اس کی تخلیق کرنے والا نہ صرف اپنے خیالات اور تجربات کو پیش کرتا ہے بلکہ انسانی نفسیات کو بھی بیان کرتا ہے۔ ادیب کے شعور یا لاشعور میں جس چیز نے

بے چینی پیدا کی ہو وہ اس تخلیق کی صورت میں اپنا کتھارسس کر لیتا ہے کیوں کہ خیالات انسان کے ذہن میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ محمد حامد سراج کی تحریروں میں مختلف کرداروں کی نفسیات کو دیکھا جا سکتا ہے۔

محمد حامد سراج کے آباواجداد نے ضلع میانوالی(پنجاب) کے معروف قصبہ کندیاں کے قریب اور دریائے سندھ کے مشرقی کنارے موضع ''بکھڑا'' کو آباد کیا۔ دریا کے کنارے واقع بستیاں ہمیشہ سیلابی ریلے کی زد میں رہتی ہیں۔ موضع بکھڑا بھی کئی بار دریائے سندھ کے سیلابی ریلے کا شکار رہا۔ ایک دفعہ بڑا سیلاب آیا جس سے پورا موضع بکھڑا تباہ ہو گیا۔ مکینوں نے نقل مکانی کر کے قریبی آبادی "کھولہ" میں رہائش اختیار کی چند برسوں بعد کھولہ بھی دریا برد ہو گیا۔ محمد حامد سراج کے پڑدادا احمد خان نے ایک نئی بستی کا قیام کے لیے اپنے بھائیوں سے مشاورت کی اور دریائے سندھ ہی کے مشرقی سمت قطعہ اراضی کا انتخاب کیا۔ انہوں نے بستی کی تعمیر ۱۳۳۸ ہجری بمطابق ۱۹۲۰ء میں شروع کی۔ یہاں پانی کے حصول کے لیے کنویں کھودے جاتے تھے۔ سرائیکی زبان میں کنویں کو ''کھوہ'' کہتے ہیں۔ اس نسبت سے سرائیکی اضلاع میں چھوٹی چھوٹی بستیاں کھوہ کے نام سے موسوم ہیں۔ یہ بستی ۱۹۲۲ء میں مکمل ہوئی تو مولوی احمد خان دا کھوہ (مولوی احمد خان کی بستی) کے نام سے مشہور ہوئی۔ محمد حامد سراج کے مطابق ان کے پڑدادا نے اس بستی کو شیخ حضرت سراج الدین کے نام سے موسوم کیا۔[۱]

۱۵۴۱ء میں ایک درویش بزرگ میاں علی نے جس علاقے کو آباد کیا اور اپنے روحانی فیض کو عام کیا۔ میاں علی کی نسبت سے یہ سرزمین ''میانوالی'' کے نام سے پہچان رکھتی ہے۔ میانوالی شہر کے جنوب میں ۳۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر بنام بستی خانقاہ سراجیہ ہے۔ اس کے قریب واپڈا اور اٹامک انرجی کے اہم منصوبہ جاتی دفاتر اور رہائش کی کالونیاں آباد ہیں۔ محمد حامد سراج کے پڑدادا مولانا ابوالسعد احمد خان خانقاہ سراجیہ کے بانی اور سرخیل اولیا میں سے تھے۔ آپ کا نام احمد خان اور کنیت ابوالسعد تھی۔ آپ جامع علوم ظاہر و باطن تھے اور فیضان ولایت و عرفان سے مالا مال تھے۔ آپ نے خانقاہ موسیٰ زئی شریف (ڈیرہ اسماعیل خان) کے کاملین اولیاء خواجہ عثمان دامانی اور ان کے فرزند ''خواجہ سراج الدین سے فیض پایا۔ ڈیرہ اسماعیل خان کی تحصیل کلاچی کے ان مشائخ عظام کو حاجی دوست محمد قندھاری جیسے کامل ولی کے طریقہ مجددیہ اور صحبت سے کمالات اور نسبتیں حاصل تھیں۔

محمد حامد سراج کے والد محمد عارف دین بلند پایہ عالم دین تھے۔ ان کی تاریخ پیدائش ۴ فروری ۱۹۳۵ء ہے۔ صلہ رحمی اور دردمندی ان کے مزاج کا جزو لاینفک تھا۔ آپ جوہرہ آباد سے جا رہے تھے تو قائدہ آباد کے مخالف سمت سے آنے والی ویگن ان کی کار سے ٹکرا گئی۔ اس ایکسیڈنٹ میں آپ کی وفات ہوئی۔ اس المناک حادثہ نے مارچ ۱۹۹۱ء میں حامد سراج کو شفقت پدری سے محروم کر دیا۔ محمد حامد سراج کی والدہ رضیہ بی بی بھی انتہائی نیک خدا

ترس اور تہجد گزار خاتون تھیں۔ آپ چھ (٦) ماہ کے عرصے تک لبلبہ کے کینسر میں مبتلا رہنے کے بعد ١٩ اکتوبر ١٩٩٨ء میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔

تعلیم:

محمد حامد سراج نے اپنے گھر سے متصل مدرسہ خانقاہ سراجیہ میں قاری غلام ربانی سے قرآن مجید ناظرہ پڑھا۔ آپ نے خانقاہ نور محمد کھنجیرہ کے پرائمری اسکول ١٩٦٥ء میں داخلہ لیا۔ اس اسکول سے پہلی جماعت سے لے کر جماعت چہارم تک تعلیم حاصل کی۔ پانچویں جماعت میں وہ میانوالی میں اپنے نانا مرحوم ملک محمد اسلم کے ہاں رہائش پذیر رہے۔ آپ کے نانا محکمہ پولیس سے بطور انسپکٹر ریٹائر ہوئے تھے۔ آپ نے ١٩٦٩ء میں گئو شالہ پرائمری اسکول میں داخلہ لیا۔ یہاں نویں جماعت تک پڑھتے رہے۔ ان کے نانا جب میانوالی سے اٹھ کر قصبہ کندیاں میں آباد ہوئے تو حامد سراج بھی ان کے ہمراہ آگئے اور یہاں واپڈا ہائی اسکول چشمہ میں داخلہ لے کر اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھا۔ آپ نے میٹرک کے امتحان میں ١٩٧٥ء کو فرسٹ ڈویژن سے کامیابی حاصل کی۔

آپ نے گورنمنٹ کالج میانوالی میں داخلہ لیا مگر سال ١٩٧٦ء میں ایف اے کی تعلیم کو چھوڑ کر اسی برس گورنمنٹ ٹیکنکل کالج راولپنڈی میں داخلہ لے لیا۔ یہاں سے انہوں نے الیکٹریکل ٹیکنالوجی میں ڈپلومہ کی سند سکینڈ ڈویژن میں حاصل کی۔ اپنی فنی تعلیم سال ٨٠-١٩٧٠ء میں مکمل کر لینے کے بعد عملی زندگی کا آغاز کیا۔ محمد حامد سراج کو تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ اپنی ملامت کے دوران سال ١٩٩١ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ جب کہ اردو ادب سے بہت لگاؤ تھا۔ بچپن ہی سے مطالعہ بینی کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ١٩٩٢ء میں ایم۔اے اردو کی ڈگری حاصل کی۔ بعد ازاں ١٩٩٨ء میں انہوں نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے بی ایڈ کی ڈگری حاصل کی۔

ملازمت:

محمد حامد سراج نے الیکٹریکل ٹیکنالوجی میں ڈپلومہ کی بنیاد پر اٹک آئل فیلڈ کے محکمہ میں سال ١٩٨١ء سے اپنی ملامت کا آغاز کیا۔ آپ کو پنڈی گھیپ کے قریب گاوں ''گھڑیہ'' میں تعینات کیا گیا۔ جہاں تیل نکالنے سے متعلق معاملات میں فرائض منصبی ادا کرتے رہے۔ انہوں نے یہاں بہت مشکل دن گزارے ١٩٨٢ء کے آخر میں بیمار ہو گئے تو ملازمت چھوڑ دی۔ جب صحت یاب ہوئے تو دیار غیر کی طرف رخ کیا۔ آپ دو سال (١٩٨٣-٨٤) تک عرب کے ملک کویت میں مقیم رہے۔ یہاں انہوں نے مختلف نجی اداروں میں ملازمتیں کیں۔ آپ نے روزی کمانے کے لیے بڑی محنت ومشقت کرنی پڑی۔ آپ ١٤ اگست ١٩٨٤ء کو پاکستان واپس لوٹ آئے۔ اپنے وطن واپس آکر آپ

نے ۱۹۸۵ء کے آغاز میں اٹامک انرجی کے محکمہ میں ملازمت اختیار کر لی۔ آپ ضلع میانوالی میں ہی خانقاہ سراجیہ کے ساتھ چشمہ بیراج کے پلاٹ پر ملازمت کرتے رہے اور اٹامک انرجی کے محکمے سے ہی ۱۶ اکتوبر ۲۰۱۸ کو ریٹائر ہوئے۔

شادی اور بچے:

محمد حامد سراج نے شادی اپنی پسند سے کی۔ آپ کی شریک حیات کا نام شگفتہ ہے جن کا تعلق ضلع خانیوال کے گاوں باگڑ سرگانہ ہے ان کا خاندان سیال راجپوت ہے۔ یہ دونوں ۲ جنوری ۱۹۸۵ء کو رشتہ ازواج میں منسلک ہوئے۔ آپ کی اہلیہ ایک دین دار خاتون ہیں اور اپنی گھریلو ذمہ داریاں بڑے احسن طریقے سے نبھا رہی ہیں۔ آپ کے چار بچے ہیں دو بٹیاں اور دو بیٹے ہیں۔ بیٹیوں کے نام امامہ ملک اور حفصہ ملک، جب کہ بیٹوں کا نام اسامہ احمد اور قدامہ احمد ہیں۔ آپ کی بڑی بیٹی امامہ ملک نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے بی۔ اے کے امتحان میں نمایاں کامیابی پر سلور میڈل حاصل کیا۔ آپ کے چاروں بچوں کی شادی ہو گئی ہے اور اپنی عملی زندگی بڑے احسن طریقے سے گزار رہے ہیں۔ محمد حامد سراج نے اپنے تیسرے افسانوی مجموعہ کا انتساب اپنی بیوی اور بچوں کے نام کیا ہے جو آپ کو بہت عزیز ہیں۔

آپ کی زوجہ کا آپ کے بارے میں خیال ہے کہ محمد حامد سراج دھیمے مزاج کے انسان ہیں اور آپ کو غصہ بہت کم آتا ہے بچوں اور مجھے مکمل وقت دیتے ہیں۔ وہ ایک اچھے افسانہ نگار ہیں میں سال میں آپ کے ایک دو افسانے پڑھ لیتی ہوں۔ آپ کے بچوں کا آپ کے بارے میں خیال ہے۔ کہ گھر کے وہ واحد شخص تھے جو سب کا ساتھ دیتے تھے۔ ماں سے زیادہ بچے والد کے قریب ہیں۔ وہ کوئی بھی فیصلہ اپنے بچوں پر مسلط نہیں کرتے اور آپ ایک پرفیکٹ انسان تھے۔ آپ کے بیٹے قدامہ احمد کا آپ کے بارے میں خیال ہے۔ کہ آپ بہت اچھے افسانہ نگار تھے۔ ان کو اپنے والد کے افسانوں میں سے سب سے زیادہ افسانہ ''نماز قصر'' پسند ہے۔ آپ بہن بھائیوں میں سے کوئی بھی ادبی دنیا میں نہیں اترا اور نہ ہی کسی نے کوئی تخلیقی کام کیا ہے۔[۳]

میری ملاقات محمد حامد سراج سے خانقاہ سراجیہ میں ہوئی میں ان کی زندگی میں دو دفعہ مل چکی ہوں۔ ان کی روشن اور متحرک آنکھیں مگر عینک کے شیشوں میں ڈھکی ہوئیں تھی۔ ان کی قدی رنگت اور خوب صورت سفید داڑھی سے چہرہ پر رونق تھی۔ ان سے پہلی دفعہ مل کر باپ جیسی شفقت اور اپنائیت کو محسوس کیا۔ اس سے پہلے موبائل پر رابطہ رہا انہوں نے مقالہ لکھنے کے دوران میری بہت مدد کی۔ آپ نے اپنی وسیع و عریض لائبیری سے بہت سی کتابیں بھی مقالے کے لیے پیش کی۔ ان افسانوں پر چار مقالے لکھے جا چکے ہیں لیکن ان کے اپنے علاقے میانوالی سے پہلی طلبہ میں ہوں۔ جب آپ کو کال کی اور کہا کہ میرا تعلق میانوالی سے ہے اور میں آپ پر مقالہ لکھنا چاہتی ہوں تو وہ بہت خوش ہوئے تھے کہ میرے آبائی وطن کی بیٹی حامد سراج پر مقالہ لکھنا چاہتی ہے۔ جب بھی فون پر بات ہوتی تو کہتے تھے بیٹے

جلدی مکمل کرو مجھے آپ کے مقالے کا انتظار ہے لیکن میں ان کی یہ خواہش پوری نہ کر سکی آپ میرا مقالہ مکمل ہونے سے پہلے خالق حقیقی سے جا ملے۔

مطالعے کا رجحان و کتب خانہ:

محمد حامد سراج کا سب سے اہم مشغلہ کتب بینی تھا۔ جب آپ پانچویں جماعت میں تھے تو آپ نے سب سے پہلے محمود کی آپ بیتی اور بچوں کا رسالہ "کھلونا" پڑھا۔ ان دنوں محمد حامد سراج اپنے نانا کے گھر قیام پذیر تھے۔ ان ہی دنوں آپ نے کتابوں کی مقامی دکان ریلوے بک سٹال میانوالی سے سلسلہ وار داستان امیر حمزہ کی دس جلدیں اور داستان الف لیلہ کے دس حصے خرید کر پڑھ ڈالیں۔ یہ وہ کتابیں تھیں جس نے حامد سراج کو عمر کے ابتدائی دور میں مطالعہ کی عادت ڈالی اس کے بعد انھوں نے مختلف رسالوں کو پڑھنا شروع کیا۔ آپ کو کتابوں سے عشق تھا۔ آپ بتاتے ہیں جب چھٹی جماعت میں تھے تو وہ اپنے ماموں اکرم سے ملنے ملتان گئے۔ ماموں نے محمد حامد سراج کو مشہور ادبی رسالہ نقوش پڑھنے کو دیا۔ ان دنوں میں میانوالی کے مقامی کتاب گھروں میں ادبی جرائد بھی دستیاب ہوا کرتے تھے۔ جن میں فنون ،اور اق اور نقوش قابل ذکر ہیں۔ آپ ڈائجسٹ بھی پڑھتے تھے۔ جب آپ اپنے نانا کے گھر رہائش پذیر تھے تو ان دنوں آداب عرض ڈائجسٹ کا بڑا چرچا تھا آپ کے نانا بھی یہ ڈائجسٹ پڑھتے تھے۔ آپ اس ڈائجسٹ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> آداب عرض اور عوامی ڈائجسٹ کا بڑا چرچا تھا نانا جان بھی ان کے قاری تھے۔ ان دنوں جرائد میں محمد عاصی کی کہانیاں چھپا کرتی تھیں ان کی رہائش گرڈ سٹیشن کی کالونی میں تھی۔ وہ واپڈا میں لائین سپر نٹنڈنٹ تھے ان کے ساتھ اس دور میں ادبی تعلق استوار ہوا۔۔۔۔ میں چھٹی کا دن اکثر ان کے ہاں گزارتا۔ کیا وضع دار اور خوب صورت آدمی تھے۔[۲]

آپ نے بڑے عرصے تک ماہنامہ حکایت لاہور میں احمد یار خان کی جاسوسی کہانیاں، صابر حسین راجپوت کی شکاریات اور عنایت اللہ کی التمس کے نام سے داستان ایمان فروشوں کی پڑھتے رہے۔ آپ جب ٹیکنکل کالج راولپنڈی میں پڑھ رہے تھے تو آپ نے افسانوی ادب کا مطالعہ بہت روز و شور سے کیا۔ جن میں حیات اللہ انصاری، سعادت حسن منٹو راجندر سنگھ بیدی غلام عباس، آغا بابر، کرشن چندر، قرۃ العین حیدر، امرتا پریتم، بانو قدسیہ اور اشفاق احمد شامل ہیں۔ اس کے علاوہ محمد حامد سراج نے نامور شاعروں کا کلام بھی پڑھا جن میں میر تقی میر، میر درد، ناسخ، حیدر علی آتش، مرزا غالب، علامہ اقبال فیض احمد فیض، ن۔ م راشد، مجید امجد، ناصر کاظمی اور احمد فراز کے نام نمایاں ہیں۔

محمد حامد سراج کی پاکستان کے تمام ادبی جرائد پر گہری نظر رہی ہے۔ آپ کی ذاتی لائبریری میں موجود پرانے

رسالوں سے لے کر عہد حاضر میں چھپنے والے جرائد کا مطالعہ کرتے رہے۔ آپ نے نقوش، فنون، اوراق، ادب لطیف ، شب خون، آسیب، شاعر، آج، بادبان، شعر و سخن، ادب ساز، الزبیر، حریم ادب، الحمرا، عطا، انگارے، نیا ورق، روشنائی، سمبل، ساحل، آفاق، شعر و حکمت، الکلام، استعارہ، مکالمہ، مخزن خیال، تشکیل، دبستان، ادراک، اور میانوالی کا معروف ادبی رسالہ آبشار کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ آپ کتابوں اور جرائد کو پڑھنے کے علاوہ محفوظ بھی کرتے رہے اور یوں آپ کے گھر میں ایک کمرا کتب خانہ میں تبدیل ہو گیا۔ محمد حامد سراج کے ایک قریبی دوست ڈاکٹر عفور شاہ قاسم آپ کے کتب خانہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> صاحب خانہ کا کتب خانہ ادبیات عالیہ اور دیگر متنوع موضوعات کی کتب سے مزین ہے۔ کتب خانے کی ہر دیوار کے ساتھ ایستادہ (book shelf) میں آراستہ کتابیں صاحب خانہ کے حسن انتخاب اور ذوق ثبوت ہیں۔ کتب خانے میں داخل ہو جائیں تو کتابوں کیف آور مصیت میں وقت گزرنے کا احساس تک نہیں ہوتا۔ صاحب خانہ کا شوق مطالعہ اور کتب اندوزی کا جنون اس کتب خانے کی سرعت انگیز وسعت پذیری کا سب سے بڑا محرک ہے۔ [۵]

محمد حامد سراج کا لگاؤ صرف ادب ہی سے نہیں بلکہ تفسیر، حدیث، فقہ اور فلسفے سے بھی تھا۔ آپ کی ذاتی لابیریری میں مذہبی کتابیں بھی موجود ہیں، دینی کتب میں مولانا الحسینی علی ندوی اور مولانا عبدالماجد سید ابوالحسن کی نثری کتابیں موجود ہیں۔ آپ مذہبی منافقت کے قائل نہیں تھے۔

آپ کلاسیکی موسیقی سنتے رہتے تھے۔ آپ کو اردو غزلیں بہت پسند تھی۔ آپ استاد امانت علی خان، مہدی حسن، غلام عباس جگجیت سنگھ، اور چترا سنگھ کی غزلوں کے علاوہ عابدہ پروین اور پٹھانے خان کی کافیاں بڑے شوق سے سنتے تھے۔ آپ نے کتابوں کی طرح موسیقی کی کیسٹیں بھی بڑی تعداد میں جمع کیں۔ جن میں ناہید اختر، اخلاق احمد ،عنایت حسین بھٹی، مہناز، طلعت محمود، کشور کمار محمد رفیع، لتا منگیشکر اور ملکہ ترنم نور جہاں کے گانے بطور خاص شامل ہیں۔

تخلیقی دنیا میں قدم و تصانیف:

محمد حامد سراج (۷۶تا۱۹۷۵ء) میں کالج سے تعلیم حاصل کر رہے تھے تو تب آپ نے ابتدا میں صرف نثر ہی نہیں لکھی بلکہ شاعری کے لیے بھی قلم اٹھایا۔ آپ نے پہلے اپنا تخلص راحت اور پھر تہامی رکھا۔ کالج کے زمانے میں آپ نے دو غزلیں لکھی۔ جس میں ایک غزل کے درجہ ذیل اشعار ان کے پاس محفوظ ہیں۔

در اصل ہم کو ستانے آئے
کر کے یادوں کے بہانے آئے

ایک تنہائی تھی ساتھی لیکن
ساتھ کئی لوگ پرانے آئے
ہر طرف رنگ بھریں پھول کھلیں
میرا ساقی جو پلانے آئے

(محمد حامد سراج)[۵]

اس کے علاوہ آپ نے افسانہ نگاری کا آغاز بھی کالج کے زمانے سے کیا۔ سب سے پہلے افسانے کا عنوان انسان اور کتا تھا جو ان کے پاس محفوظ نہیں رہا۔ اسی دور میں ان کے چند افسانے بعنوان دابی اور خیرا اور فوٹو سے شادی لاہور سے شائع ہونے والے جریدہ "شمع" میں شائع ہوئے۔ یہ افسانے بھی آپ کے پاس محفوظ نہیں رہے۔ آپ پہلے اپنے نام کے ساتھ سراج نہیں لکھتے تھے۔ کراچی سے ایک دینی ڈائجسٹ "اقرار " شائع ہوتا تھا۔ اس ڈائجسٹ کے مدیر مولانا مفتی جمیل احمد خان تھے۔ آپ نے ۱۹۸۰ یہاں مضمون نماز کے موضوع پر اور دوسرا مضمون سید عطاءاللہ شاہ بخاری کی شخصیت پر تحریر کیا تھا۔ ان دنوں مفتیؒ جمیل احمد خان نے ان کے نام محمد حامد کے ساتھ سراج تخلص باندھا جو ان کے نام کا حصہ بن گیا۔ آپ کے افسانے کو مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان کے افسانوں کو آج بھی قائین بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ آپ کے افسانے روشنائی، تجدیدنو، سمبل، آئندہ، بادبان، ادبیات، جدیدادب، حریم ادب، تسیطر، فنون، مدیر شائع ہوتے رہے ہیں۔ آپ اعلیٰ پائے کے افسانہ نگار تھے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں۔

> میں نے محمد حامد سراج کے افسانوں کے کرداروں میں ایک قسم کی روحانیت اور انسانی تقدس کے زاویے دیکھے تو ان کی تخلیق کو ان کی خاندانی روایت کا حصہ قرار دیا جو داخل کا زنگ اتارتی اور انسان کی خارجی طور پر پاکیزہ کرتی ہے۔[۶]

معاصر افسانوی ادب کے تقابلی جائزے اور مطالعے میں جو عنصر نمایاں ہیں وہ حقیقت نگاری کا شعور ہیں۔ حامد سراج کے فن میں زندگی کی بہت اہمیت ہے۔ اسی وجہ سے عصری تناظر میں ان کے افسانے زندگی کی گہری حقیقتوں، ٹھوس مسائل اور سماجی صورتحال کو حقیقی انداز میں بخوبی پیش کرتے ہیں احتشام حسین اپنے ایک مضمون "حقیقت وافسانہ" میں یہ رائے دیتے ہیں:

> حقیقت کا مفہوم اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ افسانہ نگار جن گتھیوں کو اپنے افسانوں میں اصل حقیقت کے طور پر پیش کرتا ہے۔ ان سے پیدا ہونے والی نئی حقیقتوں کو تصور بھی کرے، جو منطقی نتائج نکلتے ہوں ان سے آنکھیں نہ چرائے، زندگی کے اہم ترین مسائل کی مصوری صرف ایک مشاہدہ کے شیدائی کی طرح نہ

کرے بلکہ ایک انسان اور ذمہ دار انسان کی حیثیت سے ان مسائل کے متعلق یہ بھی طے کرے کہ ان کا حل کیا ہے۔ اندھیرا اجالے سے کس طرح دست و گریباں ہے، سچائی میں جھوٹ کی آمیزش کس طرح ہو گئی ہے۔ اُجالے اور سچائی کو کس طرح اندھیرے اور جھوٹ سے الگ کیا جائے۔[8]

حامد سراج کے افسانوں میں حقیقت نگاری اس کے قاری میں یہ احساس اُجاگر کرتی ہے کہ سچائی اور اُجالے کو کس طرح اندھیرے اور جھوٹ سے الگ کیا جائے۔ اور ایک بہتر معاشرے کو کس طرح وجود میں لایا جائے۔ ان کے اس رویے اور تصور زندگی کو ہر پڑھنے والا فوراً اپنا لیتا ہے۔ کیونکہ حقیقت نگاری کے حقیقت کا خوبصورت اظہار ہوتے ہیں۔

محمد حامد سراج کی درجہ ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

وقت کی فصیل :

اس کتاب میں انیس افسانے شامل ہیں یہ کتاب پہلا افسانوی مجموعہ ہے وقت کی فصیلیں مجموعے کے افسانے مجموعی طور پر انقلابی تاثیر کے حامل ہیں۔ اس مجموعے کا خالق محض زمین کے دکھ کی بات ہی نہیں کرتا بلکہ زمین کے باسیوں کو مجموعی دکھوں اور مصائب کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر افتخار مغل (مرحوم) محمد حامد سراج کے افسانوں کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں۔

محمد حامد سراج کی کہانیاں کی کئی جہتیں ہیں۔ مثلاً جنگ، محبت، ناسٹلجیا، مذہب، نفسیات، لاشعور اور سائنس وغیرہ، لیکن تمام جہتوں میں طاقت ور جہت زماں و مکاں کی جہت ہے۔[9]

میا:

ماں کے موضوع پر لکھا ہوا شان دار خاکہ ہے۔ اس خاکے میں زندگی کے بے شمار رنگ موجود ہیں اس میں زندگی کا جبر اور رعنائیاں بھی موجود ہیں ساتھ ہی موت کا فلسفہ بھی ہے اور دونوں کے درمیان تڑپتا ہوا انسانی وجود بھی موجود نظر آتا ہے۔ اس تحریر کی پوری فضا پر نم ہے لیکن مختلف زاویے سے کھینچی گئی ماں کی تصویر دلوں کو شاداب کرتی ہے۔ یہ افسانہ ہے نہ ناول، نہ داستاں، نہ ڈرامہ، نہ انشائیہ، نہ خاکہ خالص جذبات و احساسات کا ایک خوب صورت بیان ہے۔ ایک بیٹے کی بے پناہ محبت کا اظہار ہے جو کسی بھی رائج مصنف کی محتاج نہیں بلکہ کہنا یوں چاہتے کہ یہ ایک نئی صنف کی آمد ہے حقیقت نگاری کی بنیاد ہے کہیں انداز افسانوی ہے۔ سمیرا نقوی میا کے بارے میں لکھتی ہیں:

میا پڑھتے ہوئے قاری جہاں درد کی کئی مسافتوں سے گزرتا ہے وہیں پر اسلوب کے نت نئے رنگ اسے اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں کسی پل عبارت پر نظم کا گماں گزرتا ہے۔۔۔۔ کہیں متن افسانے کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے۔۔۔۔ کچھ سطروں میں گیتا کے اشلوک ڈھکے چھپے نظر آتے ہیں۔۔۔ کبھی خیال داستانوی

ادب سے جا ٹکراتا ہے۔۔۔۔ کوئی صفحہ کسی مقدس صحیفے کا گم شدہ ورق لگتا ہے۔ کبھی کتاب صوفیانہ ادب کا حصہ لگتی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ کب نظم نثر کے پیرائے میں ڈھل گئی؟ کب افسانہ مکالمہ بنا۔۔۔۔ ادب کی ساری حد بندیاں میاں میں زیر وزبر ہوتی نظر آتی ہیں اور یہ ہی کلاسک ادب کا معیار ہے۔[۱۱]

برائے فروخت:

اس افسانوی مجموعے میں (۲۱) اکیس افسانے موجود ہیں یہ محمد حامد سراج کا دوسرا افسانوی مجموعہ ہے۔ "وقت کی فصیل" کے مقابل میں "برائے فروخت" کا کینوس زیادہ وسیع ہے۔ واقعاتی اور موضوعاتی تنوع اسلوبیاتی ارتقاء کے ساتھ جلوہ گر ہوتا۔ اس میں انفرادی دور کو اجماعیت میں بڑی خوبی سے ضم کیا گیا ہے۔

چوب دار:

یہ محمد حامد سراج کا تیسرا افسانوی مجموعہ ہے اور اس میں (۱۹) انیس افسانے شامل ہیں۔ اس افسانوی مجموعے میں بھی ارتقا کے مدارج نظر آتے ہیں۔ اس میں افسانہ نگار مختلف النوع مشاہدات اور تجربات سے اپنے دامن کو مالا مال کرتے رہے ہیں اس مجموعے میں علامت نگاری کے ساتھ سیاسی جبر کو بھی بامعنی اور پر لطف بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

آشوب گاہ:

یہ ایک ناولٹ ہے اس کا موضوع محبت اور رومان ہے تہذیبوں میں جہاں دیگر واقعات جنم لیتے ہیں وہیں رومانی داستانیں بھی وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ "آشوب گاہ" میں ایک زمانی فلیش بیک کی تکنیک کثرت سے برتی گئی ہے۔ اگرچہ ناول کا زمانہ عرصہ ایک ریلوے پلیٹ فارم پر گزرتا ہے مگر مقامات کبھی کبھی بدلتے ہیں۔ اس ناولٹ کی مجموعی فضا درد، دکھ غم، افسردگی، نراجیت اور پھیلی مسکراہٹیں جابجا بکھری ہوئی نظر آتی ہیں اس میں مختلف کردار ہیں جو اپنی اپنی داستان لیے ہوئے ہیں۔

بخیہ گری:

اس افسانوی مجموعے میں (۱۳) تیرہ افسانے شائع ہوئے ہیں۔ محمد حامد سراج نے بخیہ گری کے تمام افسانوں میں تبدیلی، تجسم، نوبیست قلبی و جسمانی کا اظہار نو، کایا کلپ، ندرت تنوع غیر بدرجہ اتم موجود ہے۔

ہمارے باباجی خان محمد:

آپ کی اہم تصنیف ہے جو انھوں نے اپنے بزرگ کے سوانح پر لکھی ہے۔ خان محمد نیک بزرگ تھے اور انھوں

نے اسلام کی تبلیغ کو عام کیا اور مدرسے میں بچوں کو درس دیتے تھے آج بھی وہ مدرسہ قائم ہے اور بچے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

عالمی سب رنگ افسانے:

نامور ادیبوں کی بتیاں:

اس کتاب میں محمد حامد سراج نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے ماضی اور حال کے ادیبوں اور شاعروں کی آپ بیتیوں کو مختصر طور پر ایک کتاب میں سمو دیا ہے جن میں میر تقی میر، مرزا غالب، منشی پریم چند، جگر مراد آبادی، فراق گورکھپوری، دیوان سنگھ مفتون، جوش ملیح آبادی ممتاز مفتی شاہد احمد دہلوی کنور مہندر سنگھ بیدی، فیض احمد فیض، قتیل شفائی، ہاجرہ مسرور اور امرتا پریتم سمیت چوسٹھ (۶۴) ادباوشعرا کی آپ بیتیاں قاری کو ایک ہی کتاب میں مل جاتی ہیں۔

براده:

اس افسانوی مجموعہ میں ٹوٹل بیس (۲۰) افسانے شائع ہوئے ہیں ان میں سے چار افسانے پہلے بھی بخیہ گری میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس کا انتساب حامد سراج نے سلمی اعوان کو کیا ہے۔ جنہوں نے "تنہا" کے عنوان سے ناول تحریر کیا ہے۔

مشاہیر علم ودانش:

اس کتاب میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ابو لماعلی مودو اور جاوید احمد غامری جیسے مشاہیر کی زندگی اور کارناموں پر روشنی ڈالی ہے۔

بادشاہوں کی آپ بیتیاں :

اس کتاب میں چھ (۶) مغل فاتحین امیر تیمور، گورگانی، ظہیرالدین بابر، نورالدین، محمد جہانگیر، اورنگ زیب عالمگیر دو مغل شہزادیاں گلدان بیگم اور جہاں آرا بیگم کی آپ بیتیاں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ افغانستان کے امیر عبدالرحمن خان اور آخری بادشاہ رضا شاہ پہلوی کی آپ بیتیاں بھی شامل ہیں۔ یہ کتاب بنیادی طور پر مغل بادشاہوں کا احاطہ کرتی ہے۔

پسندیدہ کتابیں اور ادباء:

محمد حامد سراج کے دوست تو بہت تھے وہ ان کو یاران چمن کے نام سے پکارتے تھے۔ لیکن سب سے بہترین دوست کتابیں تھیں۔ میانوالی کے ایک مقامی اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے آپ نے کہا:

کتاب زندگی کا ایسا ساتھی ہے جو وفا کی علامت ہے۔ مطالعہ انسان کو تنہا نہیں ہونے دیتا یہ ایک ایسی مثبت معروفیت ہے۔ جو ذہن کو روشنی بخشتی ہے۔[۱۱]

آپ ادبی اور دینی کتابیں بہت شوق سے پڑھتے تھے۔ آپ نے زمانہ طالب علمی میں بہت سی کتابیں پڑھ لی تھیں۔ کرشن چندر کی کتاب ایک چادر میلی سی، احسان دانش کی آپ بیتی جہان دانش، دیوان سنگھ مفتون کی کتاب نا قابل فراموش، محمد طفیل کی صحبتی، مخدومی، آپ اور جناب جیسی کتابوں نے اوائل میں محمد حامد سراج کے ذہن کی ادبی پرورش کی۔ آپ نے بانو قدسیہ کا ناول راجا گدھا اور جمیلہ ہاشمی کے ناول دشت سوس کو کئی بار پڑھا ہے۔ آپ کو خالدہ حسین کا ناول کاغذی گھاٹ اور سمیرا نقوی کا افسانوی مجموعہ نقش رائیگاں بہت پسند تھے۔

محمد حامد سراج ایک سادہ انسان تھے۔ آپ اپنی مادری زبان سرائیکی بہت روانی سے بولتے تھے۔ اور اردو جب بولتے تو یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ آپ نے کبھی سرائیکی بھی بولی ہوگی۔ آپ متحمل انسان تھے۔ آپ کو اپنے والدین سے بہت عقیدت تھی۔ آپ کے مطابق آپ کی ذاتی زندگی میں اور افسانوی ادب کی دنیا میں کامیابی و کامرانی ان کی ماں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ آپ کی ماں نے آپ کی فرمائش پر حجتہ اسلام شیخ مولانا محمد دالحسن کے ترجم شدہ اور مولانا شبیر احمد عثمانی کی تفسیر کے ایک نسخے پر یہ دعا اپنے ہاتھوں سے لکھی۔

> ۷۸۶۔۔۔ پیارے بیٹے حامد سراج کے لیے خداوند کریم میرے بچوں کو کلام پاک پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق اور شوق عطا فرمائے۔ والدہ محمد حامد ۲۴ رمضان المبارک ۲۳ جنوری ۱۹۹۸ء جمعۃ المبارک۔[۱۲]

محمد حامد سراج اپنی آخری عمر کے حصے میں کینسر جیسی ملحق بیماری میں مبتلا ہو گے۔ آپ ۱۳ نومبر ۲۰۱۹ء خالق حقیقی کو جا ملے۔ آپ کی موت پر آپ کے احباب بہت پریشان ہیں۔ آپ کی وفات پر کئی شاعروں نے نظمیں بھی تحریر کی ہیں۔

نجمہ منصور کی نظم کے چند اشعار درجہ ذیل ہیں۔

اور تم حامد سراج
جو ہمیں ہر روز
اپنی ذات کی غار حرا سے
صبح بخیر، دوپہر بخیر
شام بخیر اور رات بخیر کے

پیغام بھیجتے ہو
آو، خانقاہ سراجیہ کی
اس اونچی سند پر بیٹھو
ثمر بار دعاوں کی نئی فصل کاشت کرو
اپنے ہاتھوں سے
ایک نیا کتبہ بناو
اور میرے اچھے بخیہ گر پھر
اس پر لکھو
زندگی بخیر آگہی بخیر
روشنی بخیر!!!

کارل گستاژونگ ایک تعارف:

کارل گستاژونگ ۲۶ جولائی ۱۸۷۵ء کو سوئٹزر لینڈ کے متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والے مذہبی والدین کے ہاں پیدا ہوئے آپ کے باپ کا نام پال ژونگ تھا۔ جب کارل گستاژونگ چار(۴) برس کا تھا تو اس کا باپ باصل کے گرجا میں پادری بنادیا گیا۔ اس لیے ان کا خاندان باصل میں رہائش پذیر رہے۔ ژونگ کو بچپن ہی سے مذہبی ماحول میسر تھا۔ آپ کے نانا دنیات کے ایک معروف عالم اور عربی زبان کے محقق تھے۔ ان کا نام خاص عزت سے لیا جاتا تھا۔ آپ کے دادا بھی ایک پروفیسر تھے گویا آپ کو ورثہ میں ذہانت اور دماغی قابلیت ملی تھی۔

> ایک غیر مصدقہ خاندانی روایات کی رو سے ان کا دادا گوئٹے کا ناجائز بیٹا تھا۔[۱۳]

ژونگ کا تعلق اپنی ماں کی نسبت والد سے زیادہ گہرا تھا۔ وہ اپنی ماں کی بجائے باپ سے زیادہ مانوس تھا۔ بقول ژونگ:

> میری والدہ تو بعض اوقات میرے لیے ایک مسئلہ بن جاتی تھی میں اپنی والدہ سے ڈرا بھی کرتا تھا مگر دن کے وقت نہیں دن کے وقت تو مجھے ان پر بھروسا رہتا، رات کے وقت ان سے ڈر لگتا کہ نہ جانے وہ اب کیا روپ اختیار کر لیں۔[۱۴]

ژونگ کا بچپن عام بچوں جیسا گزرا، آپ نے بے فکر زندگی گزاری۔ آپ کو ایک کھیل بہت پسند تھا، آپ کا گھر سرحد کے قریب تھا اور ژونگ اور اس کے دوست سرحد پر جا کر دوسرے ملک کے خلاف نعرے لگا کر بھاگ آتے تھے۔ اس کے علاوہ زیادہ تر ژونگ اکیلا کھیلتا تھا۔ وہ اپنے کھیلوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> میں اکیلا کھیلا کرتا تھا اور اپنے کھیلوں کا خود ہی خالق تھا۔ میں کسی قسم کی مداخلت بے جا پسند نہ کرتا تھا۔[۱۵]

ژونگ نے ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے گھر سے کیا۔ آپ کے والد نے آپ کو لاطینی زبان سیکھنے کے لیے ایک مکتب میں داخل کر دیا جہاں اس کی طبیعت میں قدیم زبانوں کو سیکھنے اور ان کے ادب کا مطالعہ کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔ آپ بہت ذہین تھے کیونکہ چھ (۶) سال کی عمر میں لاطینی زبان بہت روانی سے بول اور پڑھ لیتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کو انگریزی، جرمنی، فرانسیسی، لاطینی سنسکرت اور یونانی زبان پر مجبور حاصل تھا۔ اس وجہ سے ان کی تحریروں میں ان زبانوں کے الفاظ، محاورات، ضرب الشال اور مقامی روایات کے اساطیر جابجا نظر آتے ہیں۔ کارل گستاژونگ کو اس مکتب سے نکل کر ہیسل میں ایک بورڈنگ اسکول میں ڈال دیا گیا۔ اس اسکول میں داخلہ کے دوران آپ میں تنہائی پسندی کا رجحان پیدا ہو گیا اور آپ زیادہ اپنے آپ کو الگ رتھلگ رکھتے تھے۔ آپ نے تعلیم کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتے

تھے۔خاص طور پر آپ تعلیمی مقابلوں سے بہت گھبراتے تھے اوران سے پیچھا چھڑانے کے لیے بیماری کا بہانہ کر کے الگ ہو جاتے تھے۔آپ خوداس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ بورڈ نگ اسکول کی زندگی میں وہ اپنے آپ کو ایک نفسیاتی مریض سمجھنے لگا تھا، کیونکہ جب اس پر ذہنی تناؤ کی زیادتی ہوتی تو آپ بے ہوش ہو جاتے تھے۔

آپ کے باپ مذہبی فرائض کے علاوہ باصل کے پاگل خانہ کے مریضوں کا علاج بھی شامل تھا۔اسی وجہ سے کارل گستاژونگ کے باپ پال ژونگ کی خواہش تھی کہ آپ ڈاکٹر بنےاس لیے ابتدائی تعلیم باصل یونیورسٹی میں داخلا لیا۔ ۱۹۰۰ ء میں باصل یونیورسٹی سے ڈاکٹر آف میڈیسن کی ڈگری حاصل کی۔یونیورسٹی کے زمانے میں آپ اپنی جماعت میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔آپ اساتذہ کی نگاہ میں قابل عزت طالب علم تھے۔آپ نے آثار قدیمہ کا ماہر بننا چاہتے تھے اس لیے آپ نے قدیم تہذیبوں کا مطالعہ کیا لہذاوہ آثار قدیمہ کو بطور پیشہ اختیار نہیں کر سکے لیکن اس فائدہ یہ ہوا کہ ان کی تحریروں میں وسیع معلومات کا ذکر جابجاملتا ہے۔ابتدامیں آپ کو نفسیات میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔دوران تعلیم ان کی زندگی میں ایک ایساواقعہ رونماہوا جس وجہ سے ژونگ نفسیات کی طرف راغب ہوئے۔

ایک دفعہ ژونگ پارٹی میں گئے وہاں بڑی رونق، کھاناپیناورقہقہے لگائے جارہے تھے۔پارٹی میں پندرہ(۱۵) سال کی لڑکی آئی ہوئی تھی۔وہ دیکھنے میں عام لڑکیوں کی طرح تھی۔اس نے سولینڈ میں عام مروج جرمنی زبان کی بجائے قدیم کلاسیکی زبان بولنی شروع کی اور سب کو حیرت میں ڈال دیا۔جب کھیل کا آغاز ہوا تو اس کو جو کام بھی سونپا تھا۔وہ اس نے خوش اسلوبی سے سب کام سرانجام دیئے سب لوگوں نے بہت داد دی۔کارگستاژونگ کو اس وقعہ نے بہت متاثر کیا آپ سوچتے رہے کہ وہ لڑکی باقی لڑکیوں سے اتنی مختلف کیوں ہے۔اس لڑکی کے بارے میں جو سوالات ابھرتے تھے۔ان کے جواب کے لیے فلسفے کی کتابوں سے مدد لی۔

> کرافت ہینگ کی کتاب اس کے ہاتھ لگی۔یہ کتاب ذہنی انتشار کے بارے میں تھی اور گویا اس کے ذہن سے پردہ ہٹ گیااور یوں اس کو پہلی مرتبہ یہ احساس ہوا کہ ذہن تو ایک پر اسرار جزیرہ کی مانند ہے۔[۱۶]

ژونگ نے ڈاکٹر آف میڈیسن کی ڈگری کے لیے تحقیقی مقالہ کے لیے ایک اسی عورت کے کیس کو لیا جو رووحانی قوتیں رکھنے کا دعوہ کرتی تھی۔ژونگ کو تحقیق کرنے سے پتا چلا کہ وہ عورت دراصل ''انتقال نوی ''(ذہنی بیماری)کی مریضہ تھی۔آپ نے ۱۰دسمبر ۱۹۰۰ءمیں زیوچ میں برغوضلی کے ذہنی ہسپتال اور زیورچ یونیورسٹی کے نفسی مالجاتی شفاخانے میں بطور اسسٹنٹ ملازمت اختیار کی۔اس نے اپنی تحقیقات میں نفسیات اور عضویات دونوں ہی سے کام لیا۔

پہلی کتاب *The Psychology of Dementia Preacex* ۱۹۰۶ءمیں شائع ہوئی۔

دوسری کتاب *The Psychology of Unconscious* ہے جو ۱۹۱۲ءمیں شائع ہوئی۔

کارل گستاژونگ کو آٹھ (۸) یونیورسٹیوں نے اعزازی ڈگریاں دی ہیں۔آپ پہلے نفسیات دان ہیں جن کو انگلینڈ کی یونیورسٹی نے ڈگری دی اسی طرح ۱۹۴۵ء میں جنیویونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ کی عزازی ڈگری دی۔ ۱۹۳۸ء میں ہندوستان میں کلکتہ بنارس اورالہ آباد کی یونیورسٹی نے بھی ڈگریاں دیں۔

کارل گستاژونگ نے ۱۹۰۳ء میں ایمارو سخن بش سے شادی کی۔وہ صرف ژونگ کی بیوی نہیں تھی بلکہ دوست محبوبہ اور سیکرٹری بھی تھی۔آپ کو بھی نفسیات میں دلچپسی تھی وہ ژونگ انسٹی ٹیوٹ میں نفسیات کی لیکچرار بھی رہی تھی۔آپ کی چار بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ژونگ کی ازدواجی زندگی بہت پُر سکون تھی ان کی بیوی کا ۱۹۵۵ء میں انتقال ہو گیا۔کارل گستاژونگ نے خود ۶ جون ۱۹۶۱ء کو وفات پائی۔

تحلیل نفسی، کارل گستاژونگ (Carl Gustav Young) کا تجرباتی نظریہ:

نفسیات (Psychology) یونانی زبان کے دو لفظ Psyche اور Logos کا مرکب ہے۔لفظ Psyche ایک یونانی لفظ Psuk سے نکلا ہے۔جس کا مطلب سانس اور یا روح ہے۔Logos کا مطلب منطق کہا جاتا تھا۔نفسیات (Psychology) سے مراد "روح کا علم ہے۔" نفسیات کے علم کا باقاعدہ ذکر پہلی مرتبہ ارسطو کی کتاب De.Anima میں ملتا ہے۔لفظ (Psychology) انگریزی زبان میں پہلی دفعہ (۱۶۹۳ء) میں استعمال ہوا۔

ابتدا میں نفسیات سے مراد علم روح تھا۔لیکن یورپ کے جاگیردارنہ ماحول میں روح کے تصور نے ایک مذہبی رنگ اختیار کر لیا جو کہ علمی تقاضوں پر پورا نہیں اترتا تھا اس لیے روح کی جگہ ذہن نے لے لی اور نفسیات کا علم ذہن قرار دیا گیا پھر جب سائنس نے دن بدن ترقی کی تو ذہن کے تصور کو غیر سائنسی قرار دیا گیا کیونکہ روح کی طرح ذہن کا مطالعہ نہیں کیا جا سکتا انسان ذہنی اعمال کا سائنسی طریقوں سے مطالعہ کیا جانے لگا اور اسے علم شعور قرار دیا گیا۔ نفسیات عضویہ کے مکمل مطالعے کا نام ہے اس میں داخلی اور خارجی دونوں کردار شامل ہیں۔لہٰذا یوں کہا جا سکتا ہے کہ عضویہ کے ذہنی اعمال اور کردار کے سائنسی مطالعے کا نام نفسیات کہا جاتا ہے۔دو امریکی ماہرین نفسیات دان کاگان (Kagan) اور ہیومین (Havenman) نے نفسیات کی یوں تعریف کی ہے۔

> نفسیات وہ سائنس ہے جو قابل مشاہدہ کردار اور اس کردار کے عضویہ کے باطنی ذہنی عوامل اور ماحول کے بیرونی واقعات کے ساتھ باقاعدہ مطالعہ کرتی ہے اور اس کی تشریح کرتی ہے۔ [۱۷]

نفسیات میں انسان کے کردار یا شخصیت کا گہرا مطالعہ کیا جاتا ہے شخصیت یا کردار کسی فرد کی چال چلن، مزاج

فہم و دانش اور جسمانی خصوصیات کی کم و بیش تنظیم کا نام ہے جس کے بدولت ماحول سے مطابقت اختیار کرنااور زندگی گزارتا ہے۔

شخصیت کے موضوع سے انسانی دلچسپی اتنی پرانی ہے جتنا انسان خود۔ اس لیے شخصیت پر قدیم نظریات بھی ملتے ہیں جیسے جیسے انسان نے ترقی کی نظریات میں تبدیلی آتی گئی۔ اگر جدید نظریات میں دیکھا جائے تو تحلیل نفسی کا نظریہ بہت مشہور ہوا اور بہت اہمیت کا حامل ہے، تحلیل نفسی کا مطلب نفسی (ذہن) کی تہہ میں چھپی ہوئی باتوں کا پتا لگانا یا اس مرادیوں بھی لی جاسکتی ہے کہ ذہن کی کیفیتوں کو ٹٹولنا اور ان شگافوں کو دریافت کرنا جو انسانی سوچ میں پڑ گئے ہوں نفسیات میں تحلیل نفسی کا سب سے پہلے باقاعدہ نظریہ سگمنڈ فرائڈ نے پیش کیا۔ آپ پہلے ڈاکٹر تھے لیکن بعد میں نفسیات خصوصاً غیر نارمل نفسیات ان کی دلچسپی کا مرکز بن گئی۔

> سگمنڈ فرائڈ کے باضابطہ نظریے کا بنیادی مفروضہ یہ ہے کہ انسان کا کردار لاشعوری یا پیدائش جنسی اور جارحانہ محرکات کا تابع ہوتا ہے اور بچے کی شخصیت کی تعمیر میں یہ محرکات بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔[۱۸]

فرائڈ کے علاوہ اور بھی نفسیات دانوں نے بھی تحلیل نفسی کے نظریات بیان کئے ہیں ژونگ (۱۸۷۶ء-۱۹۶۱ء) نے ڈاکٹر آف میڈیسن کی ڈگری حاصل کی۔ ژونگ پہلے فرائڈ کا شاگرد تھا لیکن کچھ عرصے بعد ژونگ نے فرائڈ کے نظریہ تحلیل نفسی میں ترمیم کی اور اپنا نظریہ پیش کیا۔ ژونگ کے نظریہ کے مطابق فرائڈ نے شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں جنسی محرکات پر حد سے زیادہ زور دیا ہے اور فرد کے منفی رخ پر توجہ مرکوز کی ہے فرد کے اندر روحانی اور مثبت قوتوں کو نظر انداز کیا ہے۔ ژونگ نے فرائڈ کے اور بھی نظریہ لاشعور میں بھی ترمیم کی اور فرد کے ذاتی لاشعور کے ساتھ اجتماعی لاشعور (Collective unconscious) بھی موجود ہوتا ہے۔ ژونگ کا نظریہ نفس حرکی کو لبینڈا کا نام دیا ہے۔ لبینڈا (Dynamic) کا محرک، موثر، قوی، قوت عمل رکھنے والا محرک ہے۔[۱۹]

لبینڈا ایک مستقل حرکت ہے۔ لبینڈا سے مراد چھپی ہوئی طاقت ہے لیکن ژونگ نے بینڈا کا معنی وہ لیا جو طبعیات میں استعمال ہوتا ہے یعنی طاقت (Force)۔ ژونگ کے نظریہ کے مطابق لبینڈا دو مخالف قطبین (pols) کے درمیان بہتا ہے۔ آپ اس کو عام طور متضاد قطبین کے اضداد (Oposites) کہتے ہیں۔

> لبیڈو دو مخالف قطبین کے درمیان بہتا ہے۔ اس کا موازنہ دل کے انبساط قلب (Diastole) اور انقباض قلب (Systole) سے کیا جاسکتا ہے، یا پھر بجلی کے منفی اور مثبت پول کے برقی سرکٹ سے۔[۲۰]

ان کے درمیان جتنا زیادہ کھچاؤ ہوگا اس قدر توانائی بھی زیادہ ہوگی۔ تقاد کے بغیر توانائی نہیں ہو

گی(Poles)لینبڈاکے دونوں قطبین کی کئی اقسام ہیں مثال کے طور پر رجعت شعور لاشعور اندرون بین بیرون بین وغیرہ۔پنڈ ودو مخالف قطبین پر مشتمل ہے یعنی توانائی کی ایک حرکت آگے کی طرف ہوتی ہے دوسری حرکت پیچھے کی طرف ہوتی ہے جو حرکت آگے کی طرف ہو اسے ترقی اور جو حرکت پیچھے کی طرف ہو اسے رجعت کہتے ہیں۔

ترقی شعوری تقاضوں کی تکمیل کرتی ہے اور رجعت لاشعوری حرکات کی مرہون منت ہوتی ہے۔ترقی مطلب ہے کہ فرد اپنے ماحول معاشرہ اور گردوپیش کی رجعت کی صورت میں فرد سے کٹ کر رہ۔[۲۱]

شخصیت کی قوت کے بعد شخصیت کی ساخت کے درجہ ذیل عناصر ہیں۔

۱۔ ذاتی لاشعور

۲۔ الجھاؤ

۳۔ اجتماعی لاشعور

ذاتی لاشعور:

ذاتی لاشعور فرد کے شعور سے جنم لیتا ہے۔یہ شعوری انا سے ملحق ہے۔ذاتی لاشعور فرد کے ایسے تجربات پر مشتمل ہوتا ہے۔جو کبھی فرد کے شعور کا حصہ ہوتے ہیں لیکن فرد کسی وجہ سے نظرانداز کر دیتا یاد باد یتا ہے۔اس لیے ایسے تجربات انتے کمزور یا غیر اہم ہوتے ہیں۔ان کو شعور میں نہیں رکھا جاسکتا۔ہر فرد کا ذاتی لاشعور مختلف ہوتا ہے۔

ژونگ کا ذاتی لاشعور کا تصور فرائڈ کے تصور لاشعور سے ملتا ہے۔دونوں کے خیال میں یہ تلخ ناکام اور ناگوار یادوں کا مسکن ہے۔ سیگمنڈ فرائڈ نے لاشعوری تجربات کو دوبارہ شعور میں لانے پر خاصہ زور دیا ہے جبکہ ژونگ اس بارے میں زیادہ توجہ نہیں دی۔ ژونگ کے مطابق ذاتی لاشعور فرد کی ذاتی اور نجی تجربات سے متعلق ہوتا ہے۔ ہر فرد مختلف حالات سے گزرتا ہے اس لیے ہر فرد کا ذاتی لاشعور دوسرے سے جدا اور مختلف ہوتا ہے۔اگرچہ معاشرتی اقدار،والدین کی ترتیب تعلیم اور تہذیب وغیرہ کا بھی کردار بہت اہم ہے۔

ژونگ کے نزدیک لاشعور۔شعور کی کوکھ ہے۔کیونکہ یہیں سے حیات کے امکاناتِ نو جنم لیتے ہیں یا اسے یوں سمجھیے کہ سمندر میں ایک جزیرہ ہے۔[۲۲]

کارل گستاژونگ (۱۸۷۶-۱۹۶۱) کے نظریہ کے مطابق فرد کے ایسے تمام تجربات شامل ہوتے ہیں۔جس سے انسان فوری طور پر آگاہ نہیں ہوتا اور یہ ضروری نہیں لاشعور کا تعلق انسان کے بچپن کی خواہشات اور تحریکات سے ہوتا ہے۔وہ اپنے اندر دبا لیتا ہے یا ظاہر نہیں کرتا اور اس میں ظاہری ادراکات اور لاتعداد بھولے ہوئے تجربات شامل ہوتے ہیں اور ان سب کا تعلق ذاتی لاشعور سے ہوتا ہے۔ذاتی لاشعور کی یاداشتوں پر انسان کا اختیار نہیں لیکن ان یاداشتوں کو دوبارہ یاداشت میں واپس لایا جاسکتا ہے۔ مگر کبھی وہ خود اپنی مرضی سے بھی شعور میں آجاتی ہیں۔

اجتماعی لاشعور:

کارل گستا ژونگ کا نظریہ اجتماعی لاشعور تحلیل نفسی میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ ژونگ کے پیش نظر جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس وقت بچے کو جسمانی خصوصیات کے ساتھ نفسیاتی خصوصیات بھی ورثہ میں ملتی ہیں۔ یہ خصوصیات انسان کے ان تجربات پر مشتمل ہیں جو انسان لاکھوں سالوں سے کرتا آرہا ہے۔ اجتماعی لاشعور ذاتی لاشعور کا متضاد ہے۔ ذاتی لاشعور ہر انسان کا الگ ہوتا ہے۔ اجتماعی لاشعور کی خصوصیات انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہوتی ہیں یعنی ہر انسان میں ایک اجتماعی لاشعور پایا جاتا ہے۔ اجتماعی لاشعور کی حیثیت آفاقی ہے۔ یہ پورے خاندان نسل اور مذہب پر محیط ہوتا ہے۔ اجتماعی لاشعور غیر جانب دار ہوتا ہے۔ مختلف نسلوں، قوموں، تہذیبوں اور مذہب کے اوصاف خامیاں میلانات اور رجحانات جوں کے توں میں اساسی نقوش منتقل ہوتے ہیں۔ اجتماعی لاشعور انسان ہزاروں سال کے تجربات کا نچوڑ ہے۔ اس نچوڑ کو نختمثال کہتے ہیں۔ نختمثال کو اساسی نقوش بھی کہتے ہیں۔ بقول ژونگ (ARCHETPET) کو ژونگ نے نختمثال کا نام دیا ہے۔

> گو ہمارا ورثہ نفسیاتی نوعیت کا ہوتا ہے لیکن پھر بھی قدیم آباو اجداد کے اعمال ہمارے ذہن مین تھے۔ جنھوں نے ان کو جنم دیا جو ہمیں ورثہ میں ملتے ہیں اور اگر یہ دوبارہ فرد کے شعور میں آتے ہیں۔ گویا اعمال فرد کے ذاتی تجربات کے بنا پر اسے ذاتی تجربات ہی معلوم ہوتے ہیں۔ حقیقت میں یہ انہی قدیم تجربات کے سانچے ہیں۔ اور یوں فرد کے ذاتی تجربات ان سانچوں کو بھرنے کا کام کرتے ہیں۔[۲۳]

ژونگ کے نظریہ اجتماعی لاشعور میں ایک اساسی نقش "نقاب" ہے۔ نقاب نقان سے نکلا ہے، نقان سے مراد وہ ظاہری روپ ہے جو انسان دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ ژنگ کے خیال میں انسان دوسروں کے سامنے اپنے اصل روپ پیش نہیں کرتا بلکہ وہ روپ پیش کرتا ہے۔ جس روپ کی توقع کی جاتی ہے ہر انسان کا روپ یا برتاو ہر ایک کے ساتھ ایک جیسا نہیں ہوتا بلکہ مختلف نوعیت کا ہوتا ہے۔ مثلاً اپنے گھر میں ہم کچھ اور دوستوں میں کچھ اور لپنے دفتر میں کچھ اور ہوتے ہیں۔ ہم مختلف حالات میں مختلف روپ دھار کر فریب نہیں کرتے بلکہ وہ کرتے ہیں جو ہمارے خیال میں ہمیں ان حالات مین کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب ہے نقاب کا اساسی نقش ہماری معاشرتی زندگی اور شخصی تعلقات میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور ساجی مطابقت میں سہولت پیدا کرتا ہے۔

> انسان کے تبدیلی عمل میں انسان کو اپنی ذات اور معاشرت میں ایسی مطابقت پیدا کرنی ہوتی ہے کہ وہ کیسا دکھائی دے رہا ہے اس کے لیے ہو مختلف ماسک بناتا ہے اس نقاب کو ژونگ نقع یا پرسونا کا نام دیتا ہے۔[۲۴]

کارل گستاژونگ (۱۸۷۶ء-۱۹۶۱ء) کے نظریہ اجتماعی لاشعور کا دوسرا اساسی نقش یا نخست سایہ ہے۔ جو نقاب کی ضد ہے۔ سایہ ہماری ذات کا دوسرا رخ ہے جو ہمارے ذاتی لاشعور میں بروئے کار آتا ہے۔ سایہ ہمارے اندر کے کمتر اور منفی پہلوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جو ہم چھپانا چاہتے ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ جب بہت غصے میں ہوتے ہیں تو غصہ ٹھنڈا ہونے کے بعد ہم کہتے ہیں پتا نہیں چلا میں اپنے آپ میں نہیں رہا یا مجھے تو پتا بھی نہیں چلا کہ مجھے کیا ہو گیا تھا۔

سایہ انسان کا ذاتی لاشعور ہے سایہ میں ایسی خدمات و خواہشات موجود ہوتی ہیں جو معاشرے معیار سے مطابقت نہیں رکھتی ہیں۔ جس قدر انسان تنگ نظر معاشرے میں ہمارا قیام ہو گا اور پابندیوں میں جکڑی ہوئی زندگی گزارے گا۔ اس کا سایہ اتنا ہی بڑا ہو گا۔ بچپن سے لے کر آخری دم تک سایہ کم و پیش تبدیل ہوتا ہے۔ بچپن کے زمانے پھر بچے کے ذہن پر پہلا قدم اٹھانے سے آخری سانس تک وہی صورتِ حال رہتی ہے۔

> سایہ فرد کی شخصیت کے نا منفی پہلوؤں پر مشتمل ہوتا ہے جنہیں وہ باعث ندامت اور کمتر سمجھتے ہوئے دوسروں سے چھپانا چاہتا ہے۔ [۲۵]

اساسی نقش کی ایک مثال تصویر زن (Amina) اور تصویر مرد (Animus) ہے۔ ہر انسان میں دونوں جنس یعنی مرد اور عورت خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ ہر مرد میں کچھ نسوائی خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں اسے ژونگ تصویر زن کا نام دیتا ہے۔ اسی طرح ہر عورت میں مردانہ اوصاف موجود ہوتے ہیں اسے تصویر نر یا تصویر مرد کا نام دیا ہے۔ بعض خواتین میں مردانہ صفات نمایاں ہوتی ہیں۔ مردانہ لباس واطوار اور مشاغل کا اپنانا تصویر مرد (Animus) کی بہترین مثال ہے۔

> ہر مرد کے اندر ایک تکمیل (Complemenntry) عورت ہوتی ہے۔ اور عورت کے اندر تکمیل مرد کا عنصر موجود ہوتا ہے۔ مرد میں مردانہ اور زنانہ خواص صاف دیکھ سکتے ہیں مرد بچوں کے ساتھ شفقت کا اظہار کرتا ہے اور اگر کسی کمزور یا مریض کے ساتھ مضبوط مرد اکیلے میں جزباتی ہو جائے گا یا کبھی بہادر مرد چھوٹی سی غیر نقصان دہ چیز سے ڈر جاتا ہے یہ تمام عورت کی خوبیاں ہیں یہ ایک وراثتی اجتماعی تمثیل ہے۔ [۲۶]

دیومالا:

دیومالا کے معنی ''دیوتاوں کے قصے'' ہیں۔ علم الاساطیر، کسی معاشرے میں موجود اسطورات یا افسانوی داستانوں کے مطالعہ کو کہا جاتا ہے۔ ژونگ بھی دیومالا سے متاثر نظر آتے ہیں۔ ان کے مطابق قوموں کی زندگی میں دیومالا کی وہی حیثیت ہے جو افراد کی زندگی میں خواب کی ہے۔ خواب تکمیل خواہشات کا ذریعہ ہیں اور دیومالا قصے کہانیوں

اور داستانوں کے ذریعہ اجتماعی طور پر انسان کی خواہشوں کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ دیومالا میں انسان کائنات کو انسانی رشتوں میں پیش کرتا ہے۔ اس کا تعلق مافوق الفطرت دنیا کے اسرار و رموز سے وابستہ ہوتا ہے۔ دیومالا میں ہم ذہن کی تشکلات تواریخ کے کسی ایک لمحے میں حاصل تجربہ کار کا فوری اظہار خارم اور زندگی کے اصولوں کا ایک پر اثر امتزاج ہوتا دیکھتے ہیں۔ اجتماعی لاشعور شعور کا براہ راست اظہار ہے اس لئے وہ تمام نوع انسانی میں ہر دور میں یکساں ملتا ہے اور جب انسان دیومالا کی تخلیق کی ماحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ تو اس کا تعلق اپنے انا کی تخلیقی قوت سے ٹوٹ جاتا ہے۔ مذہب، شاعری، لوک گیت اور پریوں کی کہانیاں بھی اسی قوت پر مبنی ہیں۔

الجھاؤ(Complex):

ذاتی لاشعور میں مختلف تجربات اور واقعات جمع ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں ایک جیسے تجربات اکھٹے ہو کر گرہوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں خیالات کے ان مجموعوں یا گرہوں کا ایک مرکز ہوتا ہے جو مقناطسی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ مرکزہ (مرکزی حصہ جس کے گرد اور چیزیں جمع ہوتی ہیں، نباتاتی اور حیواناتی حصہ) متعلقہ خیالات کو گروہ کی شکل دیتا ہے۔ مرکزہ جتنا طاقتور ہو گا اتنے تجربات کو اپنی طرف کھینچے گا۔ مشابہہ خصوصیات والے ان گرہوں کو کارل گستاژونگ الجھاؤ کا نام دیتا ہے۔ الجھاؤ مختلف نوعیت کے ہو سکتے ہیں۔ الجھاؤ دراصل اچانک اثر انداز ہوتے ہیں اور انسانی مستقبل پر، احساسات اور منصوبوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ الجھاؤ جذبات و کردار کو بھی خود بخود کنٹرول کرتا ہے۔ جب کہ یہ مدھم شدہ اور پوشیدہ مگر دماغ پر چھائی ہوئی نفسیاتی مادہ اور بکھر ہوئی صورت حال ہے۔ ژونگ کے مطابق الجھاؤ اپنی بناوٹ کے لحاظ سے نفسیاتی صورت حال میں کسی چیز کے بکھیرے ہوئے ٹکڑوں کی مانند ہے جو کہ جذباتی صورت حال اختیار کر سکتا ہے۔ یہ برتاؤ میں حد سے تجاوز کیا ہوا ہوتا ہے جو کہ شعور کے دائرے سے باہر ایک عجیب حیثیت ار و اہمیت رکھتا ہے۔ بعض طرح کے الجھاؤ میں نفسیاتی مشکلات دماغی بیماریوں کی وجہ سے ہوتے ہیں اور بعض انا کے بہت زیادہ شدت پسند ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ درحقیقت متحرک الجھاؤ تناؤ کے زیر اثر عمل میں آتے ہیں کارل گستاژونگ کے مطابق الجھاؤ کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ جن میں سے کچھ درجہ ذیل ہیں۔

مادری کلیت (Oedipus complex☆) الجھاؤ زیادہ تر مردوں میں پایا جاتا ہے۔ اس میں دو طرح کے الجھاؤ ہوتے ہیں۔ ایک مثبت اور دوسرا منفی، مثبت الجھاؤ فطری طور پر ہوتا ہے کہ بیٹا ماں کے ساتھ لگاؤ رکھتا ہے اور بیٹیاں باپ کے ساتھ لگاؤ رکھتی ہے۔ اسی طرح منفی میں اگر بیٹا باپ سے لگاؤ رکھے اور بیٹی ماں سے لگاؤ رکھے تو یہ منفی الجھاؤ میں آئے گا۔

☆مذہبی الجھاؤ:

اس میں انسان اپنے اندر خدا کی شکل بنالیتا ہے۔ جب انسان اپنی زندگی میں ناکام ہوتا ہے تو وہ خدا کو ہی قصوروار ٹھہراتا ہے کہ یہ ناکامی خدا کی وجہ سے ہے۔ جبکہ اس انسان کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اس کی اپنی غلطی ہے۔

☆پدرانہ، مادرانہ الجھاؤ:

یہ دراصل دونوں والدین کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ والدین میں کسی ایک کی طرف سے اس طرح کا الجھاؤ محسوس کیا جاسکتا ہے جو کہ انسان ماں یا باپ کو لاشعوری طور پر الجھاؤ کو کسی ایک سے منسلک کرتا ہے۔ یہ الجھاؤ مثبت اور منفی ہو سکتا ہے۔ مثبت الجھاؤ میں بچہ اپنے والدین میں سے کسی ایک سے زیادہ متاثر ہوتا ہے اور اس جیسا بننا چاہتا ہے۔ منفی الجھاؤ میں انسان، ماں یا باپ کسی ایک سے اتنی نفرت کرتا ہے کہ اس کو مرا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔

☆ہیرو الجھاؤ:

اس میں انسان خود کو ہیرو سمجھتا ہے۔ خود ہی گھر یا محفل میں فساد ڈال کر لڑائی کرواتا ہے۔ اور بعد میں مسئلے کو حل بھی وہی کرواتا ہے۔ اس طرح وہ سب کی نظر میں ہیرو بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر آدمی خود آگ لگاتا ہے اور جب سب کو پتا چل جاتا ہے کہ آگ لگ گئی ہے تو وہ خود آگ بجھانے والوں میں ہوتا ہے۔ احساس کمتری بھی الجھاؤ کی شکل ہے جس میں انساان کو اپنی کمزوریوں کا پتا ہوتا ہے پھر بھی وہ خود کو برتر سمجھتا ہے۔ احساس برتری میں انسان خود کو سب کچھ سمجھتا ہے۔

(Don-Juanism) جنون شیوت سے، کو متاثر سمجھتا ہے۔ اس میں مرد کسی ایک عورت پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ہر خوب صورت لڑکی کو متاثر سمجھتا ہے۔ اور اپنی بیوی میں خامیاں نظر آنے لگتی ہیں اور ہر خوب صورت لڑکی پر اپنا حق سمجھتا ہے۔

کارل گستاژونگ (۱۸۷۶-۱۹۶۱) کے نظریہ کے مطابق ہر انسان کی نفسیاتی خصوصیات ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ آپ ان شخصیت کے دو روپ متعارف کرواتے ہیں:

۱۔ اندرون بین (Introversion)

۲۔ بیرون بین (Extroversion)

یہ دونوں روپ یا اقسام ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اندرون بین رجحانات کا حامل انسان صرف اپنی ذات پر توجہ دیتا ہے اور بیرونی حالات اور لوگوں میں دلچسپی لینے کی بجائے اپنی سوچوں اور اندرونی کیفیات پر زیادہ توجہ دیتا ہے۔ اندرون بین کم بولنے والا اور تنہائی پسند ہوتا ہے۔ وہ غور و فکر میں مگن رہتا ہے۔ یہ فرد بیرونی دنیا کی بجائے اپنی دنیا

میں دلچسپی لیتا ہے۔ اس کے برعکس بیرون بین کے رجحانات رکھنے والا فرد اپنی ذات کی بجائے آس پاس ہونے والے واقعات اور حالات میں زیادہ اردگرد کے لوگوں کا واقعات اور چیزوں پر ہوتا ہے۔ ایسا فرد گہما گہمی، ہنس مکھ اور ملنسار ہوتا ہے۔

دور بین اپنی جذباتی قوت کو داخلی دنیا کی طرف موڑ دیتا ہے اور بیرون بین خارجی دنیا کی طرف ہوتا ہے۔[۲۷]

کوئی انسان مکمل طور پر نہ تو اندرون بین ہوتا ہے اور نہ ہی بیرون بین ہو سکتا ہے ایسے افراد بہت کم ہوتے ہیں جن کی شخصیت میں دونوں پہلو یکساں طور اثر انداز ہوں عموماً کوئی ایک پہلو زیادہ غالب ہوتا ہے۔ بیرون بین رجائیت پسند (Optimists) اور ذوق وشوق رکھنے والے ہوتے ہیں لیکن ان کا ذوق زیادہ دیر کے لیے نہیں ہوتا ہے۔ بیرون بین دوسروں کے ساتھ جلدی تعلقات بناتے بھی ہیں اور اسی انداز میں توڑ بھی دیتے ہیں۔ بیرون بینوں کی اس کمزوری کی وجہ یہ ہے کہ وہ سطحیت کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کا ذوق وشوق زیادہ دیر تک قائم رہنے والا نہیں ہوتا۔ یہ لوگوں کی موجودگی کو پسند کرتے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ وقت گزارنا بہت اچھا لگتا ہے۔ وہ تنہائی پسند بالکل نہیں ہوتے ہیں۔

بیرون بین فرد کی مطابقت معاشرے کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس لیے وہ اپنے معاشرتی اخلاقیات اور رواجوں کو قبول کر لیتے ہیں۔ اس کے برعکس اندرون بین انسان تنہائی پسند ہوتا ہے بڑے بڑے اجتماعات میں خود کو گم کردہ محسوس کرتا ہے۔ ایسے فرد معاشرتی صورت حال سے مطابقت محسوس نہیں کر سکتے۔ اندرون بین کے رویوں میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ کبھی گم شدہ نظم آتے ہیں اور کبھی بہت زیادہ منہ پھٹ ہو جاتے ہیں۔ اندرون بین اپنی ذات تک محدود ہوتے ہیں لہذا دوسرے انسان اندرون بین کے بارے میں غلط اندازہ لگاتے ہیں۔ اندرون بین اپنی بہترین خصوصیات کا اظہار ہمدردانہ ماحول میں کرتے ہیں۔ یہ اپنی توانائی دوسروں کو متاثر کرنے میں خرچ نہیں کرتے لہذا ایسا بھی ہو سکتا کہ اندروں بین کے پاس ایسا علم ہو جو غیر معمولی نوعیت کا ہو۔ انہوں نے کوئی ایسی خوبی خود میں پیدا کر لی ہو کہ عام معیار سے بہت بلند ہو۔[۲۸]

اندرون بین فرد اکیلے میں اپنی بہترین صلاحیتوں کا اظہار کرتے ہیں۔ کتابوں کے سلسلے میں اپنے خاص خیالات رکھتے ہیں۔ شور کرنے کی بجائے خاموشی سے کام کرنے کر ترجیح دیتے ہیں۔ اندرون بین اور بیرون بین ایک دوسرے کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں اور ایک دوسرے میں کمزوریاں تلاش کرتے ہیں۔ بیرون بین خود پرست اور اندرون بین سطحی اور غیر مخلص خیالات رکھتے ہیں۔

بیرون بین انسان کے لبیڈا کا رخ باہر کی طرف ہوتا ہے۔ اس لیے وہ ضرور واقعات میں دلچسپی لیتا ہے۔ ایسا انسان کو لوگوں اور چیزوں کے ساتھ تعلق بھی عزیز رکھتا ہے اور وہ ان پر انحصار کرتا ہے۔ یہ قسم بیرونی عناصر سے اثر قبول کرتی ہے اور اپنے ماحول سے بے حد متاثر ہوتی ہے۔ بیرون بین قسم معاشرتی یا شوشل ہوتی ہے اور غیر مانوس ماحول میں بھی اجنبیت محسوس نہیں کرتا ہے۔ اس کے برعکس اندرون بین کے بیڈو کا رخ اندر کی طرف ہوتا اس قسم کو دوسروں کے ساتھ رشتوں اور چیزوں پر اعتبار نہیں ہوتا اور غیر شوشل ہوتی ہیں اس قسم کے افراد دوسروں کو کم اہمیت دیتے ہیں اور اپنی مخالف اقسام میں مثبت قدروں کی بجائے منفی اقدار تلاش کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے بے شمار غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایک متوازن رویے میں اندرون بین اور بیروں بین کے رویے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ مگر اکثر اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک رویہ کو ترقی مل جاتی ہے مگر دوسرا لاشعور میں رہ جاتا ہیں مگر اکثر اوقات یہ ہوتا ہے۔ کہ لاشعوری رویہ کبھی نہ کبھی اپنا اظہار ضرور کرتا ہے اگرچہ یہ اظہار کم تر سطح کا ہوتا ہے۔

ان دونوں رویوں میں تفریق ابتدائی زندگی میں ہو جاتی ہے۔ ایک ہی خاندان کے اندروں اور بیرون بین بچے دیکھے جا سکتے ہیں۔ بیرون بین بچے کی پہچاننے کی یہ علامت ہے کہ وہ اپنے ماحول کے ساتھ اس کا مطابقت پیدا کرتے ہیں۔ مختلف چیزوں کو اہمیت دیتے ہیں۔ چیزوں کے سلسلے میں شرمیلا پن بہت کم ہوتا ہے۔ وہ بڑے اعتماد کے ساتھ چیزوں کے درمیان رہتے ہیں۔ ان کے ذہین تر سمجھا جاتا ہے خواہ وہ حقیقی طور پر اتنا ذہین نہ بھی ہوں۔ نشو و نما اور ترقی پذیری کے زمانے میں ایسے بچوں میں یہ اہلیت ہوتی ہے کہ وہ اپنے بارے میں بہتر تاثر قائم کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اندروں بین بچہ شرمیلا ہوتا ہے۔ ہچکچاہٹ کا شکار ہوتا ہے۔ وہ نئے ماحول میں اجنبیت محسوس کرتے ہیں۔ وہ نئی اشیا کا سامنا بھی بہت محتاط ہو کر تا ہے۔ بعض اوقات اس میں خوف بھی شامل ہوتا ہے۔ ایسا بچہ اکیلا کھیلنا زیادہ پسند کرتا ہے۔ دوست بھی کم بناتا ہے وہ تنہائی پسند بچہ ہوتا ہے۔

بیرون بین نوجوان ملنے جلنے والے ہوتے ہیں اور لوگوں کو آگے بڑھ کر ملتے ہیں۔ وہ ہر شے اور تمام چیزوں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ایسے گروہ کا نوجوان تنظیموں گروپوں اور معاشرتی اجتماعات کو پسند کرتا ہے۔ بیرون بین اپنی تعلیمات اور خیالات کو دوسرں تک پہنچاتے ہیں اور یہ ان کا پسندیدہ مشغلہ ہوتا ہے۔ بیرون بین رجائیت پسند اور ذوق و شوق رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کا ذوق و شوق زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتا۔ یہ تعلقات جلدی بناتے بھی ہیں اور اسی انداز سے توڑ بھی دیتے ہیں۔

اندروں بین نوجوان تنہائی پسند ہوتے ہیں۔ بڑے اجتماعات میں خود کو گم کر دیتے ہیں اور کھوئے کھوئے نظر آتے ہیں۔ وہ معاشرتی صورت حال سے مطابقت اختیار نہیں کرتے اور گم شدہ نظر آتے ہیں یا پھر منہ پھٹ ہو جاتے

ہیں۔ وہ خود کو بہت زیاد ضمیر زدہ قنوطیت پسند اور عیب جو ظاہر کرتے ہیں۔ اس لیے ان کے مطابق غلط اندازے لگائے جاتے ہیں۔ بیرون بین افراد سطحیت کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کا ذوق وشوق زیادہ دیر قائم نہیں رہتا۔ وہ اپنا بہتر تاثر قائم کرنے کے لیے ان کو لوگوں کے درمیان وقت گزارنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ وہ جلوت پسند ہوتے ہیں۔ بیرون بین زیادہ سوچتے نہیں ہیں۔ وہ اس عمل کو فریضانہ عمل خیال کرتے ہیں۔ ان کے قریبی دوست بھی ان کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کے اصل بہروپ کو بھی پہچانتے ہیں۔ کیونکہ ان کی مطابقت معاشرے کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس لیے وہ اپنے زمانے کی اخلاقیات اور رواجوں کو قبول کر لیتے ہیں۔۔ جبکہ اندرون اپنی بہترین خصوصیات کا اظہار ہمدردانہ ماحول میں کرتے ہیں۔ وہ معاشرتی تعلقات میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہیں لیتے۔ وہ جب اکیلے ہوتے ہیں تو اپنی بہترین صلاحیتوں کا اظہار کرتے ہیں۔ اندرون بین کتابوں کے سلسلے میں خاص خیالات رکھتے ہیں۔ یہ شور شرابا کرنے کی بجائے خاموشی سے کام کرتے ہیں۔ ایسے افراد اس چیز سے انکار کرتے ہیں جو زیادہ مقبول ہو گئی ہو۔ مثال کے طور پر ایسی کتاب کو پڑھنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ جو وسیع پیمانے پر مقبول ہو جاتی ہو۔ یہ انفرادیت اور روایت پسندی قبول نہ کرنے کا رویہ اس وقت قابل قبول ہو سکتا ہے۔ جب اس کی صحیح تفہیم کی جائے اور اس کو عملی استعمال میں لایا جائے۔ یہ ہمدردانہ ساتھی بنانے میں کامیاب ہوتے نظر آتے ہیں۔

> یہ دونوں اقسام ایک دوسرے کے بارے میں غلط فہمی کا شکار جلدی ہو جاتی ہیں۔ محض ایک دوسرے کی کمزوریاں ہی تلاش کرتے ہیں۔ اس لیے بیرون بین کے لیے اندرون بین خود پرست اور خشک مزاج جبکہ اندرون بین بیرون بین کو سطحی اور غیر مخلص خیال کرتا ہے۔[۲۹]

ژونگ کے نزدیک یہ دونوں اقسام اپنے ماحول کے ساتھ دیار تفاعل کے ذریعے تعلق پیدا کرتی ہیں۔ وہ چار تفاعل درجہ ذیل ہیں۔

۱۔ تجسس(SANSATION)

۲۔ وجدان (INTUTION)

۳۔ احساس(FEELING)

۴۔ تفکر(THINKING)

تجسس(Sansation) سے مراد حواس کے ذریعے ادراک ہے۔ وجدان(Intution) وہ خصوصیات ہے جس کے ذریعے ہم آنے والے واقعات کا غیر ارادی طور پر اندازہ لگاتے ہیں۔ جہاں تجسس احساس اور تفکر تغیںوں ناکام ہوتے ہیں۔ وہاں سے وجدان کی حد شروع ہوتی ہے۔ احساس کسی شے کو پسند یا ناپسند کرنے کا نام ہے اور تفکر سے

مراد سوچ اور فکر کا استعمال کرنا ہے۔ ژونگ کے خیال میں ان چاروں تفاعل کی بنیاد پر چار شخصیتیں اندروں بین اور چار شخصیتیں بیرون بین کی ہوتی ہیں۔

۱۔ تجسس دروں بین (Sensory Introvert)

۲۔ تجسس بیرون بین (Sensory Extrovert)

۳۔ وجدانی دروں بین (Intuitive Introvert)

۴۔ وجدانی بیرون بین (Intuitive Extrovert)

۵۔ احساسی دروں بین (Feeling Introvert)

۶۔ احساسی بیرون بین (Feeling Extrovert)

۷۔ تفکری دروں بین (Thinking Introvert)

۸۔ تفکری بیرون بین (Thinking Extrovert)

کارل گستا ژونگ (۱۸۷۶-۱۹۶۱) کے مطابق کسی فرد میں صرف ایک تفاعل نہیں ہوتا لیکن انسان ایک تفاعل کا زیادہ استعمال کرتا ہے۔ انسان کو اپنے اس تفاعل کی نشو نما کرنی چاہیے جو تفاعل کمزور ہو۔ تجسس وجدان کا متضاد ہے۔ تجسس سے مراد وہ شے جو حسیات کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے۔ یہ غیر عقلی ہوتی ہے۔ تجسس کے تجربات میں منطق بہت کم شامل ہوتی ہے۔ مگر اکثر اوقات انہیں عقلی اور منطقی سمجھ لیا جاتا ہے۔ اندرون بین اور بیرون بین دونوں میں تجسس پائی جاتی ہے۔ چونکہ تجسس اور وجدان ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ چنانچہ وجدان بھی تجسس کی طرح غیر منطقی تفاعل ہے۔

ژونگ کے نظریہ کے مطابق:

> وجدان ایسی حقیقتوں کا ادراک ہے جو شور کے علم میں تین ہیں اور یہ حقیقت ہیں جو لا شعور کا ذریعہ استعمال کرتی ہیں۔ [۳۰]

بیرون بین وجدانی قسم کا تعلق حقیقی دنیا سے ہوتا ہے۔ جبکہ اندروں بین کا وجدانی قسم کا تعلق اجتماعی لاشعور سے ہوتا ہے۔ جس طرح تجسس اور وجدان ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ اسی طرح احساس اور فکر بھی ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ احساس کا تعلق رشتوں سے ہوتا ہے۔ بیرون بین احساس قسم کا انسان دنیا کے ساتھ پوری مفاہمت رکھتا ہے اور مجموعی طور پر اس کی قدر و قیمت کا اندازہ کرتا ہے۔ جسے تمام طور پر قدرتی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اندرون بین احساسی قسم کے فرد پر باطنی عناصر چھائے رہتے ہیں پر گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کرتا لیکن ان کے جذبات میں

شدت پائی جاتی ہے۔اندرون بین احساسی قسم اپنا اظہار مذہب شاعری اور موسیقی میں کرتا ہے۔کسی بھی انسان کی زندگی فکر کے تحت عام طور پر اس کے اعمال دانشورانہ ہوتے ہیں۔اس کی خالص قسم عام طور پر مردوں میں پائی جاتی ہے۔عورتوں میں مرد کی نسبت کم پائی جاتی ہے۔بیرون بین کے برعکس اندرون بین فکری حقائق میں دلچسپی رکھتے ہیں یا پھر کم رکھتے ہیں۔اندروں بین فکری قسم کا فرد بیرونی حقیقت کی بجائے باطنی حقیقت کے ساتھ ہوتی ہے۔

ژونگ زندگی کے چار مراحل بتاتا ہے۔

۱۔ بچپن

۲۔ جوانی

۳۔ ادھیڑ عمر

۴۔ پیری

ژونگ کی تھیوری "تحلیل نفسی" اردو ادب میں بہت اہمیت کے حامل ہے اور ادب سے تعلق رکھنے والے لوگ ژونگ کی نظریہ تحلیل نفسی سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ مہرینہ مریم، محمد حامد سراج سے ذاتی انٹرویو خانقاہ سراجیہ میانوالی، ۲۰، اکتوبر ۲۰۱۸ء۔

۲۔ محمد حامد سراج، میا (فیصل آباد: مثال پبلشرز ۲۰۰۷ء)، ص ۷۰۔

۳۔ مہرینہ مریم، قدامہ احمد سے ذاتی انٹرویو خانقاہ سراجیہ میانوالی، ۲۰، اکتوبر ۲۰۱۸ء۔

۴۔ محمد حامد سراج، میا، ص ۵۹۔

۵۔ ایضاً، ص ۹

۶۔ محمد حامد سراج، مجموعہ محمد حامد سراج، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۱۴ء)، ص ۳۱۔

۷۔ احتشام حسین، روایت اور بغاوت، (لاہور: ادارہ فروغ اردو ۱۹۷۲ء) ص ۱۲۵۔

۸۔ محمد حامد سراج، مجموعہ محمد حامد سراج، ص ۱۹۔

۹۔ محمد حامد سراج، میا، ص ۱۶۔

۱۰۔ محمد حامد سراج، مجموعہ محمد حامد سراج، ص ۳۱۔

۱۱۔ ارم ہاشمی، محمد حامد سراج کے ساتھ گفتگو، ماہنامہ تمام (میانوالی: فروری ۲۰۰۹ء)، ص ۴۔

۱۲۔ محمد حامد سراج، میا، ص ۱۴۶۔

۱۳۔ سلیم اختر، تین بڑے نفسیات دان (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۴ء)، ص ۱۹۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۱۹۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۲۱۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۲۴۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۲۴۔

۱۸۔ شہزاد احمد، ژونگ نفسیات اور مخفی علوم (لاہور: سنگ میل پبلی ۱۹۹۷ء)، ص ۳۰۔

۱۹۔ حمیرا ہاشمی، رفیق جعفر، ناصرہ فاروق، عبدالحمید، نفسیات بنیادی موضوعات، اخلاقی موضوعات
(لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۱۳ء)، ص ۱۵۔

۲۰۔ ایضاً، ص ۱۶۔

۲۱۔ ایضاً، ص ۴۶۔

۲۲۔ شہزاد احمد، ژونگ نفسیات اور مخفی علوم، ص ۲۲۔

۲۳۔ سلیم اختر تین بڑے نفسیات دان، ص ۱۲۰۔

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۳۹۔

۲۵۔ ایضاً،ص ۱۶۲۔

۲۶۔ شہزاد احمد،ژونگ نفسیات اور مخفی علوم،ص ۶۰۔

۲۷۔ حمید ہاشمی رفیق جعفر ناصر فاروق عبدلحمید،نفسیات بنیادی موضوعات، اطلاقی موضوعات،ص ۲۹۹۔

۲۸۔ شہزاد احمد، ژونگ نفسیات اور مخفی علوم ،ص ۶۶۔

۲۹۔ سلیم اختر،تین بڑے نفسیات دان،ص ۱۴۹۔

۳۰۔ دیویندر راشر،ادب اور نفسیات(دہلی:یونین پریس ۱۹۲۳ء)،ص ۳۵۔

باب دوم:

اردو کے معروف افسانہ نگاروں کے کرداروں کی نفسیات کا جائزہ

باب دوم:

اردو کے معروف افسانہ نگاروں کے کرداروں کی نفسیات کا جائزہ

اردو ادب اور نفسیات کا گہرا تعلق ہے۔ادب اور نفسیات کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔ادب کا مطالعہ ایک طرح حقیقی تسکین کا باعث بنتا ہے۔ادب کی تخلیق اور مطالعے میں ایک قسم کی نفسیاتی کیفیات موجود رہتی ہیں۔ہم افسانوی ادب کا مطالعہ اس سے کرتے ہیں کہ ہم اپنی نفسی ضرورتوں کا توازن قائم رکھ سکیں۔ادب کے مطالعے سے اس حالت کی تلافی ہوتی ہے جس میں متضاد خواہشات کسی بھی شکل میں مفاہمت پاسکیں۔عموماً ہم المیہ سے لطف اندوز ہوتے ہیں کیونکہ انسان درد کا خوگر ہو کر درد سے نجات پالیتا ہے۔اس سے انسان کو دبی ہوئی خواہشات کے اخراج کا راستہ مل جاتا ہے۔مطالعہ میں بھی کتھارسس کا عمل کارفرما رہتا ہے۔عام طور پر انسان نفسیاتی ادب پڑھنا پسند کرتا ہے۔کیونکہ اس کے مطالعے سے انسان کو بغیر کسی رکاوٹ کے اپنی جبلتوں کی تسکین کا موقع ملتا ہے۔افسانوی ادب میں جذبات کا اظہار کھل کر کیا جاتا ہے۔کیونکہ عملی زندگی میں انسان کئی قسم کی معاشرتی پابندیوں کا شکار ہوتا ہے۔اس لیے وہ اپنے جذبات کی ترجمانی ادب کے ذریعے کرتا ہے۔

افسانوی ادب میں قلم کار اور قاری دونوں کرداروں سے اپنی مماثلت کرتے ہیں ۔ان کرداروں سے ہمدردی جتاتے ہیں۔ قاری اپنے آپ کو ایک یا دو کرداروں میں پروجیکٹ کرتا ہے۔یہ پروجیکشن شعوری یا لاشعوری دونوں طرح کی ہوسکتی ہے۔اسی طرح اگر ہم تخلیقی عمل کا تجربہ کریں تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بہت سی فنی تخلیقات کا سرچشمہ لاشعور ہے۔یہ کہنا غلط ہو گا کہ خارجی محرکات کے بجائے داخلی محرکات تخلیقی عمل کو حرکت میں لانے کا باعث بنتے ہیں۔لاشعور کی کیفیات کے بیان سے خواہش کی تسکین حاصل کرتا ہے۔اس طرح ادب فن تشبیہ تکمیل خواہشوں کا اظہار ہے۔آندرے ریدنے درست کہا ہے کہ:

> ادیب اپنی تخلیقات میں اپنے تجربات کو کم لیکن اپنی دبی ہوئی خواہشات کو زیادہ پیش کرتا ہے۔[1]

ادب کے نفسیاتی مطالعے کے تخلیقی عمل کو سمجھنا ضروری ہے۔اگر ہم ادیب کی ذہنی ساخت اور اس کی ذہنی کیفیتوں کو جان لیں تو نہ صرف اس کے تخلیقی عمل کی بنیادوں تک پہنچ سکتے ہیں بلکہ اس کے تخلیقی عمل کے مختلف مدارج سے بھی واقفیت حاصل کرسکتے ہیں۔

ادیب اور فنکار اپنی دبی ہوئی خواہشوں سے پیدا ہونے والی تخلیقی تسکین کو ایک ایسا پیکر عطا کرتے ہیں جسے قبول کرنے میں سماج کو کوئی عار نہیں ہوتی۔ورنہ ادیب کو ذہنی تسکین حاصل نہیں ہو گی۔اگر عام لوگ اپنی پوشیدہ اور

4964-38

دبی ہوئی خواہشات کو منظر عام پر لائیں گے تو لوگ اس سے جمالیاتی حظ اُٹھانے کی بجائے اس سے نفرت اور کراہت محسوس کریں گے۔ لیکن یہی کام اگر کوئی ادیب یا شاعر کرتا ہے تو وہ اپنے حسنِ ادا سے ایسا تاثر پیدا کرتا ہے کہ تخلیق ایک نئے روپ میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ انسان کی پوشیدہ خواہشوں کا بدلا ہوا روپ ہی ادب میں حسن کاری کا سر چشمہ ہے۔

اگر ہم اردو کے افسانوی ادب کا جائزہ لیں تو سب سے پہلے کہانی کی شکل داستان میں ملتی ہے۔ داستان میں انسانی زندگی کے ابتدائی دور سے لے کر نشاۃ ثانیہ تک کے انسانوں کی خارجی اور داخلی زندگی کی عکاسی ملتی ہے۔ داستان میں ہیرو کی مہمات میں زندگی کی ساری کشمکش نظر آتی ہے۔ اسی طرح جن، بھوت، چڑیل، اور دیو کا ذکر صرف خارجی نہیں بلکہ داخلی بھی ہے۔ ان کرداروں کے ذریعے انسان کی داخلی ذات کے وسوسوں اور اندیشوں کا پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح جمالیاتی حس کی تسکین کے لیے خوبصورت مناظر، حسن و عشق کے موضوعات، شہزادیوں کا سراپا حسن و جمال، اور عیش و عشرت کو دکھایا جاتا ہے۔

جیسے مناظر کی تخلیق کچھ یوں ہوتی کہ جب شہزادیاں باغوں میں چہل قدمی کرتیں تو ہوائیں محو رقص ہوتیں، ہر پھول کلی مسکرا اٹھتی، بادل ساتھ ساتھ رواں دواں چلتے۔ اس طرح کے ادب کو نفسیاتی سطح پر پرکھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ انسان اپنی جمالیاتی حس کی تسکین کے لیے کسی ایسی ہی دنیا کی آرزو رکھتا ہے جہاں وہ حسن اور فطرت سے ہم آغوش ہو سکے۔ ان خواہشات کا حصول حقیقی دنیا ممکن نہیں ہو سکتا اسی لیے انسان اپنی ان ناآسودہ خواہشات کی تکمیل مختلف فن پاروں کی شکل میں کرتا ہے۔ یا پھر وہ کسی مصور کی طرح مجسموں یا تصویروں کے ذریعے یا پھر ایک شاعر یا ادیب اپنی تخلیقات میں ان موضوعات کو پیش کرتا ہے۔

اگر عالمی ادب پر نظر دوڑائی جائے تو سب سے پہلے ایک داستان اوڈیسی ملتی ہے۔ جسے ہومر نے تخلیق کیا۔ اس کا ترجمہ محمد اسلم الرحمٰن نے جہاں گرد کی واپسی کے عنوان سے کیا۔ اردو ادب کی روایت میں داستان نویسی کا طویل سلسلہ موجود ہے۔ سب سے پہلی اردو داستان سب رس ہے جسے ملا وجہی نے قطب شاہی دور میں تخلیق کیا۔ یوں داستان لکھنے کا سلسلہ چل نکلا۔ پھر فورٹ ولیم کالج (۱۸۰۰ء کلکتہ) نے داستان کو بام عروج تک پہنچا دیا۔ اور اس کی خدمات اردو نثر میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان داستانوں میں باغ وبہار، آرائش محفل، داستان امیر حمزہ، اور فسانہ عجائب جیسی مشہور داستانیں موجود ہیں۔ ان داستانوں کو اگر نفسیاتی جائزہ لیا جائے تو بہت سے پہلو سامنے آتے ہیں۔ اس دور میں لوگ مافوق الفطر عناصر پر زیادہ یقین رکھتے تھے، ان کی مذہبی، سماجی زندگی، زندگی سے متعلق اُن کا زاویہ نظر سامنے آتا ہے۔ اُس دور کے ادب میں ایک ہی طرح کے رجحانات نظر آتے ہیں۔ جیسے اِن کی بنیاد ماضی کے انسان پر استوار کی گئی ہے۔ اس تحلیل کے پیچھے انسان کی آرزو، تمناؤں، نہ کردہ

گناہوں اور تشنہ حسرتوں کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ماضی کے انسان نے مختلف تخیلی صورتوں میں اپنی خواہشات کو مجسم کیا ہے۔داستانوں اور متھ کو ہم اس لحاظ سے ماضی کے انسان کا یوتوپیا قرار دیتے ہیں۔انسان کے خوابوں کے حسین محل ہمیں داستانوں میں دیکھائی دیتے ہیں۔ طلسمی باغات، سحر میں ڈوبے شہر، حسن و عشق کی رنگینیاں، محلوں کی زندگی، اُڑن کھٹولے، الٰہ دین کے چراغ، آب حیات، طلسماتی ٹوپیاں، انگوٹھیاں، رقص و سرور کی محفلیں، انسانی بولی بولتے پرندے وغیرہ ان سب کا بیان کثرت سے داستانوں میں ملتا ہے۔

یہ سب انسان کی آرزوؤں کے مواقع ہیں۔کامیابی اور ناکامی حق و باطل کی جنگ یہ عناصر بھی داستانوں میں بدرجہ اتم موجود ہوتے ہیں۔داستانوں کی تعمیر و تشکیل میں تخیل کا عمل دخل ہے۔اسی کے ساتھ آرزو کی شعبہ گری بھی بلا کی ہے۔ان آرزوں کی تکمیل کیسے کی گئی ہے یہ ایک الگ بحث ہے۔لیکن اس امر سے انکار ممکن نہیں کے کہ ایسی آرزوئیں ہیں جن پر حیات انسانی کی عمارت استوار ہے۔ان کے علاوہ نفسِ انسانی کی گہرائیوں سے اُبھرنے والے جذبہ (اطاعت شعوری) کا اظہار بھی ہے۔

داستانوں میں منفی کردار بھی اپنی الگ حیثیت رکھتے ہیں۔منفی کردار اپنی ناجائز خواہشات کسی بھی قیمت پوری کرنا چاہتا ہے۔اسی لیے نہ اُسے معاشرے کی پرواہوتی ہے نہ روز محشر کی۔اگر منفی کرداروں کی نفسیات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کا وجود اس سطح کا ترجمان ہے جہاں اعتدال نہیں ناجائز خواہشات کی حد نہیں ہے۔منفی کرداروں کے مطالعے میں انسان کی ابتدائی وحشی جہالت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔جو جائز و ناجائز کسی طرح کائنات کے ہر مظہر و ہر شے پر حاکم و متصرف ہونا چاہتا ہے۔ژونگ نے اساطیر اور داستانوں میں منفی کرداروں پر بحث کرتے ہوئے شیر کی طاقت کو پربھاتیں کی مختلف مثالوں سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے جیسے:

> ریئے کینون ہیرو اکثر اژدھا کو زیر کر کے مددگار پرندوں کی گفتگو سمجھنے کے قابل ہوتا ہے۔جس سے مراد یہ کہ انسان وجود کی اعلیٰ سطحوں کو سمجھنا شروع کر دیا اور اب وہ مزید اونچے روحانی مراتب تک پہنچنے کے لیے (روحانی سطح) تیار ہے۔[۲]

طلسمات، ساحری اور مافوق الفطرت کی یہ دنیا جو داستانوں میں آباد ہے اس سے بالکل مماثل ہے۔جہاں دیومالا اور ابتدائی انسان کی رسوم اور اعتقادات میں دکھائی دیتا ہے۔ابتدائی دور کا انسان اپنی خام خیالیوں ناپختہ جذبوں، خوف و حراس اور ان ہونی باتوں کو تسلیم کرتا ہے۔داستان کے بعد ناول ہمارے سامنے آتا ہے۔ناول داستان کی ترقی یافتہ شکل ہے۔داستان کے برعکس ناول انسانی زندگی کے قریب اور اس کا ترجمان نظر آتا ہے۔اردو ناول نگاری اپنی طویل روایات کے باعث مختلف ادبی تحریکوں سے متاثر ہوتی آئی ہے۔ناول کو اہم تحریک تحلیل نفسی نے بہت متاثر کیا۔اس تحریک نے لاشعور اور اجتماعی لاشعور کی اہمیت کو اُجاگر کر کے لاشعوری محرکات کی تلاش کو کردار نگاری میں اہم درجہ

دیا۔ساتھ ہی کردار نگاری کے ڈھب کو بدل ڈالا۔تاکہ اس تحریک کے زیر اثر بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر پہلے اور بعد کے ناول نگار کے اندر کردار نگاری میں فرق نظر آتا ہے۔

اردو ادب کے ناولوں کا نفسیاتی جائزہ لیا جائے تو ان میں پہلا نام ابن الوقت کا آتا ہے۔اس میں ڈپٹی نذیر احمد نے قدیم وجدید کی کشمکش کا منظر پیش کیا۔ایسی صورتحال عائلی اور خانگی زندگی میں بھی ملتی ہے۔فسانہ مبتلا میں گھریلو زندگی کی تشنگیوں کا فسانہ ہے۔اس میں بیوہ عورت کے المیے کو موضوع بنایا گیا ہے۔بیوہ عورت داخلی خلا اور جنسی تقاضوں کے تحت مجبور ہوتی ہے۔سماج کو اس کے دکھ درد کی کوئی پروا نہیں۔آزادی بیگم کا المیہ ایک فرد کی زندگی کا المیہ نہیں بلکہ ہزاروں عورتوں کی زندگیوں کا المیہ ہے۔ناول میں آزادی بیگم آزاد ہونا چاہتی ہے لیکن یہ خواہش تشنہ ہی رہ جاتی ہے۔

مرزا ہادی رسوا کا مشہور ناول امراؤ جان ادا ہے اس ناول کی بڑی خوبی یہ ہے کہ مرزا ہادی رسوا نے طوائف کے کردار کو ایک نئی شکل میں پیش کیا ہے۔یہ دوسری طوائفوں کے برعکس عیش و عشرت کی فراوانی کے باوجود مطمئن نہیں ہے۔آخر یہ ایک نیا سوال ہے اور اس سے ہزاروں نفسیاتی صداقتوں کے سرے پھوٹتے ہیں۔امراؤ جان سے مرزا ہادی رسوا نے صداقت کا اظہار بھی کروایا ہے۔پریم چند کے ناولوں میں معاشرے کی نفسیات کو کھل کر بیان کیا گیا ہے۔ان کے ناول گئودان میں نفسیاتی پہلو زیادہ نمایاں ہے۔پریم چند نے عام کسان کو ناول کا ہیرو بنایا،اس کے کردار کی مکمل نفسیات دکھا کر ہندوستان کے افسانوی ادب کے عظیم کرداروں میں سے ایک کردار بنا دیا۔یہ نہ صرف اپنے طبقے کے سماجی مسائل کا نمائندہ ہیں بلکہ ان کرداروں میں جاگیردارانہ نظام زندگی کے تحت پرورش پانے والے کسانوں کی نفسیات کے سارے پیچ و خم کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

تقسیم ہند کے پہلے کے ناول نگاروں میں سجاد ظہیر،عزیز احمد،عصمت چغتائی،حجاب امتیاز علی تاج،قرۃ العین حیدر،خدیجہ مستور اور الطاف فاطمہ وغیرہ کے ہاں نفسیاتی پہلو نظر آتے ہیں۔عصمت چغتائی کا ناول ٹیڑھی لکیر تحلیل نفسی کی عطا ہے۔اس میں مرکزی کردار شمن جو اپنے والدین کی محبت اور توجہ سے محروی،اس کی تمام نفسیاتی الجھنوں کا منبع ہے۔عصمت نے ناول کی ابتدا ہی اس فقرے سے کی ہے کہ وہ پیدا ہی بے موقع ہوئی۔تحلیل نفسی کے اثرات حجاب امتیاز علی کے ہاں بھی ملتے ہیں۔اندھیرا خواب میں صوفی کے کردار کی الجھنوں کا ایڈی پس الجھن سے گہرا اثر نظر آتا ہے۔حجاب امتیاز علی نے اردو ناول میں تحلیل نفسی کے رجحان کو مقبولیت بخشی اور ناول میں نفسیاتی گہرائی پیدا کی ہے۔قرۃ العین حیدر نے بھی میرے بھی صنم خانے اور سفینہ غم دل میں تقسیم کے اثرات کو واضح کرنے کے لیے وقف کیا ہے اور دونوں ناولوں میں نوسٹلجیا کی کیفیت غالب ہے۔خدیجہ مستور نے اپنے

ناول آنگن کے کرداروں کی ذہنی کشمکش کو دکھایا ہے۔ جیسے آنگن کی ہیروئین عالیہ ایک خوبصورت تعلیم یافتہ لڑکی ہے۔ عالیہ ذہنی کشمکش کا شکار ہے تہمینہ باجی کی خود کشی کے بعد وہ مردوں سے نفرت کرنے لگتی ہے۔ اسی لیے وہ جمیل کی طبعیت کو قبول نہیں کرتی۔ اسی ناول کا ایک اور کردار چھمی کو بہت عمدگی سے ناول نگار نے پیش کیا ہے۔ اگر ہم چھمی کے کردار کا نفسیاتی تجزیہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ چھمی اپنے حالاتِ زیست کے تحت ردِ عمل کے طور پر باغیانہ رویہ اختیار کرتی ہے۔

تقسیم کے بعد ناولوں میں نفسیاتی رجحان زیادہ نظر آتا ہے۔ ممتاز مفتی کا ناول علی پور کا ایلی ایک ضخیم ناول ہے۔ اس ناول کی بنیادی خاصیت یہ ہے کہ اس پر فرائڈ اور ڈانچ لارنس کے اثرات بہت ہیں۔ اس ناول میں کرداروں کی نفسیاتی پیچیدگیوں کا ذکر بہت خوبصورتی سے کیا گیا ہے۔ اور بنیادی بات نفسیات کے حوالے سے کی گئی ہے کہ بچے کی شخصیت کی تعمیر کیسے کی جاتی ہے۔ صدیق سالک کا اہم ناول پریشر ککر ہے۔ اس ناول میں ایک مصور فطرت کا کردار ہے۔ ناول میں ی بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ معاشرے اور فنکار کی ذہنی وداخلی سوچ جب آپس میں ٹکراتی ہیں تو کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ یہ کردار زندگی اپنی پسند کے مطابق گزارنا چاہتا ہے۔ لیکن معاشرہ افگار کا ہے۔ افگار بہت سی محرومیوں میں گرا ہوا ہے۔ محرومیوں اور احساسِ تنہائی نے اس کے کردار میں انتشار پیدا کر دیا ہے۔ الطاف فاطمہ کے ناول دستک نہ دو میں گیتی آرا کا کردار بھی داخلی طور پر بے چین ہے۔ اردو ناول کے مطالعہ اور تجزیے سے یہ اسے ایسا نہیں کرنے دیتا۔ کردار کا مکمل نفسیاتی تجزیہ ناول میں ملتا ہے۔ نثار عزیز بٹ کے ناولوں میں نگری نگری پھرا مسافر ،لے چراغ گل،کاروانِ وجود،اور دریا کے سنگم شامل ہے۔ ان کے ناولوں کے زیادہ تر کردار آئیڈیلزم کا شکار ہیں۔ ان کے ناولوں میں جو چیز اُبھر کر سامنے آتی ہے وہ تہذیب کا تصادم میں ہمارے قوی رویے ہیں اور سرمایہ دارانہ سوچ اور معاشرتی حالات ہیں جن کے نفسیاتی سطح پر اثرات مرتب ہوتے ہیں اور یہی اثرات ناولوں میں بھی نظر آتے ہیں۔

اردو میں نفسیاتی افسانے کی عمر کچھ زیادہ نہیں ہے۔ لیکن مختصر عرصے میں اس کے اندر گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔ ناول اور افسانے میں فرق صرف طوالت اور اختصار کا نہیں بلکہ نفسیاتی پس منظر کا بھی ہے۔ دونوں نے فرد اور معاشرے کے فکری تصادم اور آج کے عہد کے فکری آشوب اور سماج شکست وریخت سے جنم لیا ہے۔ لیکن ان کا بنیادی فرق یہ ہے کہ ناول کا موضوع سماجی شکست وریخت ہے اور افسانے کی داخلی، لیکن افسانے میں بھی اس شکست کی صدا صاف سُنائی دیتی ہے۔ افسانے کا انسانی نفسیات سے گہرا تعلق ہے، اُس وقت بھی جب کہانیوں میں عام انسان بنیادی

کردار کی حیثیت سے بہت کم پیش ہوتے تھے اور کہانی کہنے والا جن بھوت، چرند پرند، پریوں اور مافوق الفطرت چیزوں کا ذکر کرتا تھا تو اُس وقت بھی دراصل انسانی نفسیات کے کسی گوشے میں تمثیل کے رنگ ڈالنا چاہتا تھا۔

جب نفسیات نے باقاعدہ کسی علم کی صورت اختیار نہیں کی تھی، نفسیاتی حقائق اساطیر اور مظاہر فطرت کی مختلف شکلوں میں انسانی نفسیات کے کسی نہ کسی پہلو کو بیان کرتے تھے۔ اس سلسلے میں قدیم داستانوں اور اساطیری قصوں کا مطالعہ اس بات کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ جنگل کے ساتھ انسان کا رابطہ درختوں اور حیوانات کو ذی روح خیال کرتے ہوئے انہیں انسانی خصائص سے متصف کرنے کا رواج، پُراسراریت خوف، دہشت اور رومان کے جذبات اپنے اثرات کے سبب اتنے گھمبیر اور ہمہ گیر تھے کہ آج کی معاشرت میں بھی ان کا سحر باقی ہے۔ شعوری سطح پر نہ سہی لیکن یہ سب چیزیں ہمارے اجتماعی شعور کا حصہ بن کر ہر دور کے افسانوی ادب پر اثر انداز ہوتی رہی ہیں۔ مغرب کے افسانوی ادب پر نفسیات کے گہرے اثرات انیسویں صدی کے آخر میں نمایاں ہو گئے تھے۔ چنانچہ جن فکشن نگاروں نے نفسیات کے تصورات کا مطالعہ کر کے اس کے اثرات قبول کئے ان میں ڈی ایچ لارنس، جمیز جوائس، ورجینا وولف، ھارسل پر دست فلابیئر، موپساں، ایملی زولا، آلڈس ہکسے وغیرہ نمایاں ہیں۔

ڈی ایچ لارنس نے سماج میں وہ انسانیت کے زوال محرکات قدیم جبلی حسیات میں تلاش کے لئے بے جا پابندیوں، مصنوعی قدروں اور سماجی انسان کی ریاکاریوں سے بے پناہ نفرت کرتا تھا اس کا مقصد بے راہ روی اور گناہ کی زندگی پر تنقید نہیں تھا بلکہ صحت مند جنسی توازن تھا جنس کے اس نظریے میں جنس ی توازن زندگی کی قوت ہے۔ جوائس کے نظریے کے مطابق اس دور کا انسان مشینی زندگی کے باعث ہمیشہ ناآسودہ رہتا ہے اور تمام زندگی کے بے جسم اور روح کے کئی پل صراط طے کرنے پڑتے ہیں۔ ورجینا وولف نے انکشاف ذات کے لئے شعور کی رو کو مشعل راہ کا ایک اہم پر چارک بنایا اور تکنیک میں ایک نئی کاوش کا آغاز کیا۔

فلابیر فطرت نگاری Naturalism سمجھا جاتا ہے۔ موپساں کی کہانیوں کا سب سے بڑا موضوع جنس ہے۔ یہ اس کی ذاتی زندگی کا عکس ہے بازاری عورتوں اور طوائف کے موضوعات اس کی ذاتی زندگی کا تجربہ تھے نہ کہ اس کا شاید موپساں کی کہانیوں کے امر ہونے کی سب سے بڑی وجہ اس کی حقیقت نگاری ہے۔

> اس کے ہاں جنسی موضوعات زیادہ تر جنسی کجروی حرس بے مری، اور خود غرضی پر مشتمل ہیں اس کے افسانوں میں انسان کی ذہنی پستی اور جنسی ترغیبات کے غیر متوقع موڑ پائے جاتے ہیں۔[۳]

ایملی زولا کے یہاں بھی فلابیر کی طرح فطرت نگاری کا ایک اہم عنصر ہے اس کے Earth میں فطرت نگاری بہت خوبصورت انداز میں کی گئی ہے۔ اس میں زندگی دھڑکتی، زرخیز دھرتی کی کوکھ سے پھوٹتی معلوم ہوتی ہے۔ آلڈس ہکسلے کے کردار مختلف خیالات اور تصورات کے مظہر ہوتے ہیں۔ مندرجہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ مغربی

فکشن نگاروں کے ہاں علم نفسیات کے اثرات مختلف رجحانات کی صورت میں ملتے ہیں۔ چنانچہ اردو افسانے میں نفسیات کا آغاز انہی رجحانات کے ذریعے ہوا۔اردو افسانے پر پہلے قلم سجاد حیدر یلدرم نے اُٹھایا۔ان کے افسانے طبع زاد نہیں تھے۔ لیکن ترکی ادب کے تراجم کو ترجمہ کیا ہے۔اردو کا پہلا باقاعدہ افسانہ نگار پریم چند ہیں۔اردو افسانے کا پہلا دور پہلی جنگ عظیم تک محیط ہے۔اردو افسانے کے پہلے دور کے افسانوں میں سجاد حیدر یلدرم نے نوجوانوں کی داخلی زندگی کے بارے میں لکھا ہے۔جو پُرانی رسوم اور عائلی نظام سے بغاوت پر آمادہ ہے۔یلدرم نے فلسفہ ازواج پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

جنگ عظیم نے شکست وریخت اور انتشار واضطراب کو تیز کیا جس کی ترجمانی یلدرم، پریم چند اور سلطان حیدر نے کی ہے۔اردو افسانے کے دوسرے دور میں علامہ راشد الخیری، اکبر آبادی، نیاز فتح پوری، مجنوں گورکھپوری حجاب امتیاز علی تاج، علی عباس حسینی، عظیم بیگ چغتائی اور حامد اللہ افسر کے نام نمایاں ہیں۔پریم چند کے افسانوں میں کسانوں کے علاوہ عورتوں کی زندگی کی پریشانیوں کو بھی نمایاں کرنے کے ساتھ ساتھ وفاشعاری، ایثار اور قربانی کا درس بھی دیا ہے۔ علی عباس حسینی کے افسانوی مجموعے کا نام ہمارا گاؤں ہے۔اس میں دیہات کی زندگی کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔اکثر افسانوں کا موضوع دیہاتی زندگی ہے لیکن دیہاتی زندگی کی عکاسی میں بعض نفسیاتی پہلوؤں کو بھی گرفت میں لیا گیا ہے۔ مثلاً بوڑھا بالا اور بہو کی ہنسی میں نفسیاتی ذوق بنی موجود ہے۔ مجنوں گورکھپوری اور حجاب امتیاز علی دونوں افسانہ نگاروں کے افسانوں کی بنیاد رومانوی ہے۔ سرسید احمد خان کی حقیقت پسندی کے رد عمل میں رومانوی تحریک کا آغاز ہوا اور رومانوی تحریک کے اور ہمارے یہاں فروغ کی سب سے بڑی نفسیاتی وجہ یہ تھی کہ نئی نسل جس نے مغربی علوم کی تعلیم اور یورپی تہذیب کے خیال اور حقیقت کی آویزش نے نوجوانوں کو جذباتی بنادیا اور وہ اپنی آرزوں کے اظہار کے لیے تخیل سے سہارا لینے پر مجبور ہوگئے۔اس ضمن میں سید احتشام حسین نے بڑا بصیرت افروز تجربہ پیش کیا ہے۔

> بیسویں صدی کے آتے آتے آزادی کی خواہش اور مغرب کے اثرات سے عمل کی دنیا سے دور ایک انتہا پسندانہ رومانوی اور تخلیقی انداز نظر بھی پیدا کر دیا تھا جو کسی کے یہاں فطرت پرستی کے روپ میں، کسی کے یہاں بغاوت کی شکل میں، کسی کے یہاں تخلیقی رنگین بیانی اور واہبانہ گمشدگی کے روپ میں رونما ہوا۔[۳۲]

ہمارا معاشرہ زبردست بحران کا شکار ہو گیا تھا۔ معاشرتی آسودگی کی جگہ معاشی پریشانیوں، بے روزگاری سے نوجوانوں میں اضطراب کی کیفیت تیز ہوگئی۔یہی جذباتی اور فکری صورتحال اس زمانے کے افسانوں کی بنیاد بنی۔ ۱۹۳۵ء میں انگارے میں ان تمام سوالات کو پیش کیا گیا جو ذہنوں میں ہل چل مچا رہے تھے۔اس وجہ سے یہ بغاوت کا

علمبردار نظر آتا ہے۔ زندگی سے گہرا ربط ہونے کی وجہ سے اُس دور کا افسانہ فنی اور فکری رفعتوں کو چھوتا نظر آتا ہے۔ اس دور کے افسانوں کو افسانے کا زریں دور کہہ سکتے ہیں۔ اس دور میں وہ افسانہ نگار اُبھرے جن میں سے ہر ایک افسانے کے اُفق پر ماہتاب بن کر ابھرا ان افسانہ نگاروں میں کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، احمد علی، غلام عباس، بلونت سنگھ، احمد ندیم قاسمی، حسن عسکری، ممتاز مفتی اور ممتاز شیریں نے اس دور کے افسانوی ادب میں بھرپور کام کیا۔ اس دور میں حقیقت نگاری اور داخلیت کا رجحان عروج پر نظر آتا ہے۔ کئی افسانہ نگاروں کے ہاں ان دونوں رجحانات کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔۔ کرشن چندر کے افسانوں میں حقیقت اور رومان کا انوکھا امتزاج ہے۔ کرشن چندر نے انسانی تلخیوں کا اظہار بھی موزوں اور شیریں زبان میں کیا۔ طلسم خیال میں رومانوی عناصر کی فراوانی ہے۔ نظارے میں رومانویت کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کی تلخیاں بھی نظر آتی ہیں۔ دو فرلانگ لمبی سڑک میں کرشن چندر نے زندگی کی تلخیوں کو یوں نمایاں کیا۔

> کبھی کبھی اس کی سطح پر چلتے چلتے میں پاگل سا ہو جاتا ہوں چاہتا ہوں کہ اسی دم کپڑے پھاڑ کر ننگا سڑک پر ناچنے لگوں اور چلا کر کہوں میں انسان نہیں ہوں میں پاگل ہوں مجھے انسانوں سے نفرت ہے مجھے پاگل خانے کی غلامی بخش دو، میں ان سڑکوں کی آزادی نہیں چاہتا۔ [۵]

دو فرلانگ لمبی سڑک کے علاوہ دوسرے دوسرے افسانوں میں زندگی کی تلخیوں اور طنز کو بیان کیا گیا ہے۔ خون ناچ، جنت جہنم، دل کا چراغ، بے رنگ دیو وغیرہ میں یہ رنگ نظر آتے ہیں۔ گرجن کشمیر کے ماحول میں سرمایہ دارانہ نظام کی جیتی جاگتی تصویر پیش کی ہے۔ کرشن چندر نے انفرادی سطح پر کردار نگاری کی بجائے اجتماعی سطح پر فسادات پھوٹنے کو ہم وحشی جانور، پشاور ایکسپریس، وغیرہ میں اپنا موضوع بنایا۔ کرشن چندر اپنے افسانوں میں نئے سماج کا تصور، زندگی کا احساس اور معاشرے کی طبقاتی کشمکش، فرد کے رویوں کی نشاندہی کرتے ہیں جنہیں نفسیاتی بصیرت کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔ چنانچہ وہ خارجی حقیقتوں کے ساتھ ان داخلی قوتوں اور نفسیاتی گہرائیوں کو بھی تلاش کرتے ہیں۔

کرشن چندر کے افسانوں میں جہاں ذہنی کشمکش اور بیداری کا احساس نمایاں نظر آتا ہے وہیں نفسیاتی رویے سے کرداروں کے جذبات واحساسات کی نقش گری بھی ملتی ہے۔ ڈاکٹر صادق کے خیال میں کرشن چندر کے افسانے جنت اور جہنم میں ایک کردار نہیں بلکہ پوری کہانی کا ڈھانچہ نفسیاتی مشاہدے کے قریب ہے۔

اردو افسانہ نگاروں میں نفسیاتی موضوعات کے بیان میں ایک بڑا نام سعادت حسن منٹو کا ہے۔ منٹو نے بہت سے نفسیاتی پہلوں سے پردہ اُٹھایا ہے۔ منٹو نے سماج کے چھپے ہوئے مسائل کو بیان کیا۔ منٹو اپنے افسانوں میں فکری، جذباتی اور ذہنی محرکات کو سامنے لاتے ہیں۔ ان کا بنیادی موضوع جنس ہے۔ انھوں نے انسانی فطرت کے اندھیرے

میں جھانکنے کی کوشش کی ہے۔ منٹو نے اس بات کا احساس دلایا ہے کہ جس اخلاقی، سماجی، تمدنی نظام میں انسان زندہ ہے اس میں فرد کے احساس جذبے اور جبلت پر کیا گزرتی ہے۔ منٹو کے افسانوں میں عورت ایک طوائف کے روپ میں سامنے آتی ہے۔ منٹو کے افسانوں کی طوائف کا نفسیاتی جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ طوائف کے ذہن اور روح میں اضطراب کی کیفیت ہے۔ منٹو ایسے افسانہ نگار ہیں جنہوں نے طوائف کو اس لیے موضوع نہیں بنایا کہ وہ اس میں دلچسپی لیتا ہے۔ بلکہ وہ انسان کو دیکھتا ہے وہ ان کی روح تک رسائی رکھتا ہے۔ اور ان کی پاکیزگی کو پرکھ سکتا ہے۔[۷]

منٹو کا ایک نفسیاتی پہلو یہ بھی ہے انھوں نے انسانی فطرت کی بنیادی رفتار ایک ہمدرد اور غم گسار انسان کی ہے۔ اس بات کو وہ خود ثبوت دیتے ہیں۔

> وہ لوگ ہمارے افسانے میں لذت حاصل کرنے کے طریقے دیکھنا چاہتے ہیں انہیں یقیناً امید ہو گی ہم داؤ پیچ بتانے والے خ لیفے نہیں ہم جب اکھاڑے میں کسی کو گرتا دیکھتے ہیں تو اپنی سمجھ کے مطابق آپ کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ وہ کیوں گرا تھا؟ ہماری جائی ہیں۔ دنیا کی سیاہیوں میں ہم اُجالے کی لکیریں دیکھ لیتے ہیں ہم کسی کو حقارت کی نظر نہیں دیکھتے۔[۸]

منٹو کے افسانوں میں نفسیاتی مسائل کی کشادہ کاری کے پس منظر میں معاصرانہ نفسیاتی نظریات اور صداقتیں کار فرما ہیں۔ ان افسانوں کی تخلیق خالص تحلیل نفسی پر مبنی ہے۔ منٹو کے افسانے ٹوبہ ٹیک سنگھ میں بش سنگ کا کردار ذہنی الجھاؤ اور کشمکش کا شکار نظر آتا ہے۔ بش سنگھ کے کردار کے ذریعے منٹو نے تقسیم کے بعد ہندوستان اور پاکستان میں لوگوں کی بیزاری اور ذہنی الجھاؤ کو بیان کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ منٹو کے افسانہ ٹھنڈا گوشت میں واہموں کا تسلسل ہے۔ اس افسانے میں خارجی حقائق کی بجائے لاشعوری دنیا کے حقائق کو بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح ننگی آوازیں میں پھولو کے کردار میں ذہنی انتشار نظر آتا ہے۔ اس افسانے میں معاشرتی حالات معاشی اور سیاسی صورتحال کو اس کے نفسیاتی بگاڑ کا موجب قرار دیا ہے۔ منٹو کے کردار کرب آلودہ روحوں کے پیکر ہیں۔ ان کی روحیں ان زنجیروں کو توڑنے کے لیے بے قرار ہیں جو سماجی بندشوں نے انہیں پہنادی ہیں اس لیے یہ غیر معمولی کرب اور ٹھہرا ہوا جامد استفہام ان سب کے گرد گھومتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی زندگی کو قابل تقلید اور خوشگوار رکھنے کو تیار نہیں ہے۔ کھول دو کی ہیروئن اپنے حواس کی نظر ہو چکی ہے۔ موذیل نے زندگی کو ابدی کرب کے ساتھ گزارنے کی عادت ڈال ہے۔ ٹھنڈے گوشت کا ہیرو اپنی موت کے وقت انسان کی پہلی رمق محسوس کرتا ہے۔ منٹو بنیادی طور پر تند و تیز، غصیلے اور تلخ مزاج کے انسان تھے۔ لیکن اندر سے نرم و ملائم مزاج کے حامل تھے۔ اس لیے منٹو نے طوائف میں دلچسپی کی وجہ سے طوائف پر قلم نہیں اٹھایا بلکہ وہ ان کی روحوں تک رسائی حاصل کر کے ان کی پاکیزگی کو پرکھنا چاہتا ہے۔

اردو افسانے میں ایک اصطلاح سادیت ہے۔ جو جنسی خلل کے ایک رخ کا احاطہ کرتی ہے۔ جنسی نفسیاتی اذیت دے کر حظ اٹھانے کو سادیت کہتے ہیں۔ اسی طرح منٹو کا پہلا افسانہ پڑھیے کلمہ میں سادیت کا عنصر نمایاں ہے۔ اس میں رکما بائی کردار اپنے شناساؤں اور گاہکوں کی گردن میں تار والی رسی ڈال کر انہیں دور پھینک دیتی ہے۔ رکما بائی کا یہ سخت رویہ جنسی میلوں کے عدم تسکین کے ساتھ دوسرے معاشرے میں طوائف کو پرزے کی حیثیت سے سمجھنے اور اپنی عمر ڈھلنے سے پیدا ہونے والی تشویش سے جنم لیتے ہوئے انتظام کو ظاہر کرتا ہے۔ سعادت حسن منٹو اس کردار کے ذریعے جسمانی اور نفسیاتی اذیت دونوں کو کھل کر بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس حوالے سے افسانہ کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

> رکما بائی نے میری طرف گھور کر دیکھا خدا کی قسم میری روح لرز گئی۔ میں جوش میں آکر جواب دیا تمہارے لیے میں پندرہ آدمی قتل کرنے کو تیار ہوں۔ یہ سن کر وہ مسکرائی مجھے وشواس ہے خدا کی قسم ایک بار میری روح پھر لرز گئی اس نے کپڑا اٹھا کر گردھاری کی شکل دکھائی تو میری ہڈیاں تک برف ہو گئیں وہ عورت نہ جانے کیا تھی۔[۸]

منٹو کے بعد جن افسانہ نگاروں کے ہاں جنس کا موضوع ملتا ہے وہ راجندر سنگھ بیدی ہیں۔ ان کے افسانے حقیقت نگاری کی عمدہ مثال ہیں۔ ان کے افسانوں میں سکھ تہذیب کے علاوہ انسانی رشتوں کی شراکتوں کا گہرا شعور ہے۔ ان کا افسانہ گرم کوٹ میں ایک متوسط طبقے کہ فرد کی ذہنی الجھنوں اور معاشی دقتوں کو ظاہر کیا گیا ہے۔ انکے ایک اور افسانہ من کی من میں سادھو بھی انسانی رشتوں کی نزاکت کا احساس دلاتا ہے۔ انسان کی معاشی اور سماجی مجبوریوں پر بیدی کی گہری نظر ہے۔ آپ کے یہاں طبقاتی تفاوت کے اثرات بڑی بصیرت افروز نگاہ سے عیاں کئے گئے ہیں۔ ان کے افسانہ تلاداں میں امیر بچوں کے رہن سہن کے اثرات غریب بچوں پر کیسے پڑتے ہیں یہ دکھایا گیا ہے۔ طبقاتی سماج غریب بچوں میں جو اُلجھنیں پیدا کرتا ہے وہ پیش کی ہیں۔ بیدی نے عام انسانوں کی چھوٹی چھوٹی سرتوں اور حماقتوں پر بھی توجہ دی ہے۔ بیدی انسان کے ذہنی اور نفسیاتی پس منظر تک سطح تک پہنچتا ہے۔ اور بیدی کے افسانوں میں استعارہ اور اساطیری تصورات پائے جاتے ہیں۔ اس حوالے سے گوپی چند نارنگ کہتے ہیں کہ بیدی کے ہاں کوئی واقع محض واقع نہیں ہوتا بلکہ ہزاروں، لاکھوں دیکھے ان دیکھے واقعات کی نہ ٹوٹنے والی مسلسل کڑی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ چونکہ ان کا سفر تجسم کی طرف واقعہ لاواقعیت کی طرف تخصیص سے تعیم کی طرف حقیقت سے عرفانِ حقیقت کی طرف ہوتا ہے وہ بار بار استعارہ کنایہ اور دیو مالا کی طرف جھکتے ہیں۔ ان کی نفسیات میں انسان صدیوں کے تسلسل میں تحلیل ہو جاتا ہے۔[۹]

بیدی کے اکثر افسانوں میں سماجی اور روحانی مقام و مرتبہ کا تضاد جگہ جگہ ان کے استعاراتی انداز میں نظر آتا

ہے۔تاہم دیومالائی اور اساطیری حوالے سے بیدی کے ہاں اساسی نقوش ژونگ کے اجتماعی لاشعور سے بلاواسطہ اعتراف ہے۔ بیدی فرائڈ کی جنسیات سے متاثر نہیں بلکہ قدیم ہندوستانی فکر کے جنسی نظریات سے متاثر ہے۔ان کے افسانے میتھن میں کھجوراہو کے مندروں کی جنسی وحدیت کی فضا ہے۔اس میں جنس کو ایک اکائی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

غلام عباس نے اپنے افسانوں میں میں مڈل کلاس کی ذہنی الجھنوں اور مسائل کو بیان کیا ہے۔انہوں نے اپنے افسانے اوورکوٹ میں ایک مڈل کلاس لڑکے کی احساسِ کمتری کو موضوع بنایا ہے۔اس میں معاشرے اور فرد کے دوہرے پن کو دکھایا ہے۔اس میں نوجوان لڑکے کی نفسیاتی سوچ کو پیش کیا کہ کس طرح معاشرے کا دباؤ اُسے احساسِ کمرتی میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہ اپنی اصلیت کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔حالانکہ اُس کے پاس ضروریات زندگی کی کوئی بھی چیز موجود نہیں ہوتی۔ان کے ایک اور افسانے سمجھوتا میں کرداروں کی زندگی سے ہم آہنگی اور آرزو کا پہلو ملتا ہے۔اس کے کردار اس مقصد کے لیے خود فریبی کی حدود کو بھی چھو لیتے ہیں۔مثلاً جواری کا ہیرو ذہنی فریب میں اتنا مست ہوتا ہے کہ اُسے اپنی تذلیل کا احساس تک نہیں ہوتا۔آنندی میں پورا سماج فریب میں مبتلا دکھائی دیتا ہے۔غلام عباس کے افسانہ اس کی بیوی میں نفسیاتی نظریات کی گرفت میں نہ آسکنے والے ایک نفسیاتی پہلو کو بہت سادگی اور چابکدستی سے پیش کیا گیا ہے۔افسانے کا مرکزی کردار اپنی بیوی کی المناک موت میں اس قدر جکڑا ہوا ہے کہ وہ اپنی بیوی کی ہم شکل طوائف کے پاس جاتا ہے اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی زندگی میں وہ سارے معمولات پھر سے جاری ہو جائیں جو اس کی بیوی کی موت سے پہلے تھے۔اس لیے وہ منہ اندھیرے گوشت لینے جاتا ہے اور کہتا ہے۔

> خفا کیوں ہوتی ہو بات یوں ہے جب تمہی زندہ تھی میں یونہی منہ اندھیرے اسے بتائے بنا گھر سے نکل جاتا۔ ہواخوری کی ہواخوری ہو جاتی اور گھر کا سودا بھی لے آتا۔ ہمیں نوکر رکھنے کی توفیق نہ تھی بس یونہی مل بانٹ کر کام کیا کرتے تھے۔[۱۱]

اس افسانے میں شوہر کا کردار بیوی کی عفات کے بعد خاصی تشویش کا شکار ہے۔

ممتاز مفتی نے جس زمانے میں افسانہ نگاری شروع کی اُس وقت کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، سعادت حسن منٹو اور عصمت چغتائی جیسی شخصیات اردو ادب کی خدمت میں مصروف تھے۔ممتاز مفتی نے باقاعدہ نفسیات کا موضوع اپنے افسانوں میں پیش کیا۔اور پھر بعد میں جنس کے موضوع کی طرف راغب ہوئے۔ممتاز مفتی کے افسانہ پردہ سیمیں میں کردار کے ذہنی خلل کو بیاں کیا گیا ہے۔افسانے کے آغاز میں ممد کے جنون کی حالت کیا ہے اس افسانے میں ممد کے ذہنی خلل بننے والے واقعات کا جائزہ لیا گیا ہے۔افسانے میں ممد کے کردار میں ذہنی بگاڑ، پس منظر اور ایڈی پس الجھاؤ سے پردہ اُٹھایا ہے۔

ان کے ایک اور افسانے پائنڈ ہاؤس میں اسلام آباد کے اعلیٰ طبقے کی کھوکھلی زندگی اور اس سے تعلق رکھنے والی خاتون مونا کا کردار دکھایا ہے۔ مونا کو اپنے ملازم کے کوارٹر کے باہر امرود کے پیڑ تلے ایک کرسی پر بابا بیٹھا دکھائی دیتا ہے۔ گھر کے کسی بھی فرد نے کبھی ایسا بابا نہیں دیکھا۔ ممتاز مفتی کا یہ افسانہ مابعد النفسیات اور روحانیت کے خوبوں سے بھرپور ہے۔ اس افسانہ میں مونا کا کردار نفسیاتی مریض کا نہیں ہے۔ دراصل افسانے میں بابا کو دیکھنے کا واہمہ اس بات کو تقویت دیتا ہے کہ اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد نے مذہب اور روحانیت کو اپنے بنگلوں سے نکال کر سرونٹ کوارٹر تک محدود کر دیا ہے۔ شرابی زار افسانے میں ازدواجی زندگی میں بیوی کے بے پناہ حسن اور شوہر اپنی بدصورتی اور بد اعمالی سے جنم لینے والے شکوک وشبہات کے جبری تسلط کو ممتاز مفتی نے عمدگی کے ساتھ افسانے میں پیش کیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے اسمار اتیں میں بھی ازدواجی زندگی میں مردوں کے دل ودماغ پر غیر موضوع خیالات کے تسلط کو موضوع بنایا ہے۔ ممتاز مفتی نے مسز کٹلے کے خاوند کے بے قابو خیالات اور عدم توازن کو بیان کیا ہے۔ مسز کٹلے کے خاوند کے ذہن پر حاوی شکوک کے سبب اس کردار سے نفرت کی بجائے افسوس اور ہمدردی ہوتی ہے جب وہ کہتا ہے۔

> آئے دن میں یہ عہد کرتا ہوں کہ آئندہ اُس پر ایسے الزامات نہ لگاؤں گا لیکن جانے مجھ پر کیوں جنون طاری ہو جاتا ہے ۔۔۔۔۔ میں اپنے آپ میں نہیں رہتا جب وہ وقت بیت جاتا ہے تو اپنے وجود پر شرم محسوس کرنے لگتا ہوں۔[۳۱]

ان کا افسانہ وہ انجم میں ممتاز مفتی نے طوائف کے بدن میں دبی ہوئی فطری عورت کی بازیافت کی ہے۔ انجم کے دل کے نہاں خانوں میں چھپی ہوئی اس فطری عورت کو چھوا ہے جس کے غالب آنے پر طوائف انجم ختم ہو جاتی ہے۔ ان کا ایک افسانہ بش اور بشریٰ میں اپنے اجداد کے رکھے گئے ناموں سے وابستہ اقدار سے نئی نسل کی بیزاری اور جدیدیت سے رغبت کو ممتاز مفتی نے شخصیت کے دوہرے پن سے نمایاں کیا ہے۔ ممتاز مفتی کے ہاں خالص نفسیاتی افسانے کثرت سے ملتے ہیں۔ انھوں نے فرد کی سماجی زندگی کی نازک اور سچی تصویر پیش کی ہے۔ ممتاز مفتی نے فرد کے سماجی شعور کو اس کے نفسی لاشعور سے ہم آہنگ کر کے دکھایا ہے۔

احمد ندیم قاسمی نے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی۔ ان میں غزل، نظم، افسانہ، کالم، بچوں کا ادب، تراجم، ڈرامے اور تنقید وغیرہ شامل ہیں۔ احمد ندیم قاسمی نے اپنے اکثر افسانوں میں دیہات کو موضوع بنایا ہے۔ جس زندگی سے افسانہ نگار کی واقفیت، درست اور براہ راست ہو تو وہ اُسے اپنے تخیل میں خام مواد کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ اس لیے آپ نے دیہات کے موضوعات کو چُنا۔ احمد ندیم قاسمی کے بنیادی موضوعات معاشرتی قدریں اور معاشی ناہمواریاں ہیں۔ جو زندگی میں قدم قدم پر موجود ہیں۔ ان کے افسانے ہیروشیما سے پہلے۔ ہیروشیما کے بعد میں مصنف نے صرف جاپان پر بم گرانے اور جاپانیوں کی شکست کو نہیں دکھایا بلکہ پوری جنگ کے پس منظر

میں اس کا اثر پنجاب کے دیہات پر دکھایا ہے۔ ان کے افسانوں کا ایک اہم موضوع تقسیم ہند کے موقعے پر رونما ہونے والے فسادات بھی ہیں، جن کے پس منظر میں ظلم وجبر، بربریت کی ایسی ایسی داستانیں ہیں جن سے انسانیت کی تذلیل تکمیل تک پہنچتی ہے۔ اور انسانی فطرت کے انتہائی پست پہلو سامنے آتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی اس سچائی کا ادراک رکھتے ہیں کہ اچھے برے لوگ معاشرے کے تمام طبقوں میں ہوتے ہیں۔ اور کوئی بھی قوم بحیثیت مجموعی ساری کی ساری ظالم ومظلوم نہیں ہوتی۔ یہ اپنے افسانوں میں نفسیات سے آگائی کا ثبوت بھی دیتے ہیں۔ یہ بتاتے ہیں کہ پتھر سے پتھر انسان بھی رحم، محبت کے جذبات اپنے اندر کہیں رکھتا ہے۔ اس کی مثال ان کے افسانے گنڈاسا کی دی جاسکتی ہے جس میں انہوں نے ایک بہت ہی نازک لیکن جمالیاتی نفسیاتی حقیقت کی ترجمانی کی ہے۔ افسانہ سناٹا میں انہوں نے معاشی پریشانیوں میں گھری ہوئی تعلیم یافتہ لڑکی کی ذہنی پریشانیوں اور نفسیاتی الجھنوں کا اظہار کیا ہے۔ اسی طرح گھر سے گھر تک میں متوسط طبقے کی احساسِ کمتری اور اس کے بہروپیا پن کو دکھایا گیا ہے۔ برگِ حنا میں عورت کے بارے میں ہمارے رویہ کے دوغلے پن کو بے نقاب کیا ہے۔

محمد حسن عسکری کی افسانہ نگاری کا عرصہ بہت مختصر ہے لیکن اس کے باوجود ان کے افسانوں نے انہیں بہترین افسانہ نگاروں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ بلکہ جدید نفسیاتی افسانے کے معمار بھی قرار دیا جاتا ہے۔ اردو افسانے میں شعور کی رو اور آزاد تلازمہ کی تکنیک کا استعمال رسالہ انگارے میں ہو گیا تھا۔ لیکن عسکری نے اسے پہلی بار بڑے سلیقے سے اردو میں استعمال کیا ہے۔ شعور کی رو ایسی تکنیک ہے جس میں فرد کا حقیقی روپ سامنے لایا جاتا ہے۔ اور اس کے شعور اور تحت الشعور میں جمع ہونے والے پوشیدہ خزانے کو دریافت کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اور ذہن کے اندر ہیجان برپا کرنے والا، مختلف خیالات وجذبات اور احساسات کے نقطہ اتصال کو تلاش کرتی ہے۔

حسن عسکری نے اپنے افسانوں میں عموماً ایسے کرداروں کے لاشعور میں دبے ہوئے نقوش کو اُبھارا ہے جو انتہائی جنسی آسودگی اور ذہن کی بے چینی کے کرب میں مبتلا ہیں۔ چائے کی پیالی میں شعور کی کامیاب رو استعمال کی ہے۔ مثلاً چائے کی پیالی میں حسن عسکری نے ڈولی کی مسلسل خود کلامی کی سی کیفیت میں زنانہ ہم جنسی جیسے موضوع کو بڑی احتیاط کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے افسانے پھسلن میں بلوغت کی عمر کو پہنچنے والے دو نوجوانوں کی ہم جنس پرستی کے رجحان کے موضوع کو سامنے لایا گیا ہے۔ پھسلن میں ہم جنس پرستی کو جمیل اور نذر کے کرداروں کے وسیلے سے پیش کیا ہے۔ عسکری نے جمیل کے کردار پر خاصی توجہ دی ہے۔ اور افسانے کے آغاز میں اس کے دوستوں کی چھیڑ چھاڑ کو نمایاں کیا۔

انتظار حسین کے افسانوں میں حکایت، مذہبی روایات، قدیم اساطیر اور دیومالا کی مدد سے ایک ایسی فضا تشکیل

پائی ہے جس میں کئی زمانے سانس لیتے ہیں۔ صدیوں پُرانی روایات ایک نئے احساس اور آگہی کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہیں۔ قدیم تہذیبی، اساطیری اور دیو مالا منظر نامے میں انتظار حسین دراصل انسان کے باطن میں سفر کرتا ہے جس پر روح کی گہرائیوں میں جادہ و پیا ہوتے ہیں۔ انتظار حسین کے تخلیقی عمل میں ژونگ کے اجتماعی لاشعور کی جھلک ملتی ہے۔ ان کی توجہ نفسیات کے اُس مکتب خیال سے مشابہ ہے جو اجتماعی لاشعور پر زور دیتا ہے۔ انتظار کے افسانے کشتی، کچھوے اور واپسی میں زندگی کے عام روزمرہ مسائل اور چھوٹی چھوٹی نفسیاتی حقیقتوں پر کہانی لکھنے کا رجحان ملتا ہے۔ نئی بیوی میں عورت کے ملازمت کرنے کے مسائل اور آج کے نظام تعلیم پر طنز ہے۔ اسی طرح ان کی دوسری کہانیوں میں بھی کسی نہ کسی نفسیاتی نکتہ کا بیان ملتا ہے۔ انتظار حسین نے اس نفسیاتی نکتہ کو بھی بیان کیا ہے کہ اگر ہم کسی ایسی کیفیت کا شکار ہوں جو بھلے ہی ناپسندیدہ ہو لیکن اگر ہم اس کے عادی ہو جائیں تو اُس سے چھٹکارا پا کر بھی اُس سے ناخوش رہتے ہیں۔

اشفاق احمد کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں اُنہوں نے اردو زبان و ادب کی بہت خدمت کی ہے۔ اشفاق احمد کے یہاں محبت افلاطونی نہیں بلکہ انھوں نے اپنے افسانوں میں ہوس اور محبت کا امتیاز واضح کیا ہے۔ محبت کے اظہار کے لیے اشفاق احمد نے جو فضا اور معاشرتی زندگی پیش کی ہے وہ بڑی مانوس اور جانی پہچانی ہے۔ محبت کی تصویر ان کے ہاں بڑی معصوم ہے۔ ان کے افسانوں میں حقیقت نیوش، عجیب بادشاہ، گڈریا اور توبہ میں ایسے من موہنے کرداروں کی روح کی پیاس اور آگ موجود ہے۔

صادق حسین کے افسانوں کا موضوع اپنے وطن سے محبت ہے اس لیے آپ نے پوٹھوہاڑ کے علاقے کی تہذیب کو بیان کیا ہے۔ انہوں نے بہت سے کردار ایسے تخلیق کیے ہیں جو جرأت، شجاعت اور جواں مردی کی خوبیوں کو نمایاں کرتے ہیں مثلاً مولانا پہلوان اور دادو پوٹھوہاڑ کی دیہاتی زندگی کی مجبوریوں اور پریشانیوں کو بھی نمایاں کیا ہے۔ مرزا ادیب نے اپنے افسانوں میں فطری محرومیوں مجبوریوں اور معذوریوں کو مختلف صورتوں کے علاوہ آپ نے ظلم اور اس کے مختلف رویوں کو بھی بے نقاب کیا ہے۔

انور سجاد کے افسانے موجودیت کے فلسفے سے متاثر ہیں آپ سارتر اور کافکا کی روایت کے پیروکار نظر آتے ہیں اور ترقی پسند تحریک سے متاثر ہیں انور سجاد افراد کی داخلی آشوب کی عکاسی کے لیے افسانوں اشیا اور مناظر کو منطقیت کو ان کے پس منظر سے منقطع کر کے اشعارہ کی زبان میں بیان کرتا ہے اس مقصد کے لیے آپ نے دیومالا اساطیر کا سہارا بھی لیا ہے۔

رشید امجد نے اپنے افسانوں میں اس دور کے منافقت کا پردہ چاک کیا ہے افسانے "کالے لفظوں کا پل

صراط "، "لیمپ پوسٹ "، "بونے آدمی کی کہانی " میں انسان کی ان محسوسات پر بات کی گئی ہے۔ انسان کی ذات کرچیوں میں بٹ چکی ہے جس کے سامنے کوئی منزل نہیں اس حوالے سے رشید امجد خود کہتے ہیں :

> اس بے ثباتیت دور کی منافقت کی چیزوں کو اس طرح بے توقیر اور بے حرمت کر دی ہے کہ تنہائی جس کو کو سے کبھی کشف گیان اور عظمت کے چشمے پھوٹ تھے اب ہولناک سناٹے کا روپ دھار چکی ہے۔ [۱۲]

عبداللہ حسین میرزا ریاض اور سلیم اختر نے زندگی کے دکھ اور دور کو افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ سلیم اختر کے افسانے "لویتا "، عزیز احمد کے افسانے "تیری دلیری کا بھرم "، عبداللہ حسین افسانہ "ندی "، "جلاوطن "، "پھول بدن "، اور مرزا ریاض کے افسانے "سرطان "، "جوئے خون "، "تشنہ لب "، "درد آشنا " وغیرہ میں ایسی فضا ہے جس میں وفا کی کمی ہے اور یہ کمی نفسیاتی الجھنیں پیدا کر رہی ہے عرش صدیقی کے اافسانے میں اقتصادی اور سماجی مسائل کو بیاں کیا ہے اور ان میں نفسیاتی تجربہ کا عنصر بھی شامل ہے۔

منصور اشعر کا اصل نام منصور احمد خان ہے لیکن ادبی دنیا میں منصور اشعر کے نام سے مشہور ہیں ان کے افسانوی مجموعے میں آنکھوں پر دونوں ہاتھ،سارے فسانے اور اپنا گھر شامل ہیں۔انتظار حسین کی طرح اپنی تہذیبی معصومیت کو سمجھے اور ماضی میں اپنی جڑیں تلاش کرنے کا عمل ان کے افسانوں میں نمایاں ہے مسعود اشعر کے افسانوں میں علامتی زندگی کی جو جھلک ملتی وہ ہماری زندگی سے جڑی ہوئی نظر آتی ہے۔

اسد محمد خان مشہور افسانہ نگار ہیں۔ ان کی افسانوں میں "کھڑکی بھر آسمان "، "برج خموشاں " اور "غصے کی نئی فصل "، "دوسری کہانیاں " اور " تیسرے پہر کی کہانیاں " شامل ہیں۔ آپ کے افسانوں میں تاریخ، تہذیب، معاشی استحصال کے جدید طریقے معاصر زندگی کی جبریت اور اس کے پیچیدہ حقائق مذہب کی ظاہری دنیا تکلیف وہ عمومی معاشرتی رویے ایسے موضوعات موجود ہیں ان کے افسانوں میں ڈرامائی عناصر بھی ملتے ہی اور بعض جگہوں پر علامتی انداز بھی اپنایا گیا ہے۔

مسعود مفتی ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں ان کے افسانوں میں "محدب شیشہ "، "کھلونے "، "رگ سنگ "، اور "ریزے سالگرہ " میں مذہب کے بارے میں ایک لبرل اور انسان دوست کا رویہ ملتا ہے جو خدا کو کتابوں کے ذریعے نہیں بلکہ انسانوں کے وسیلے سے تلاش کرنے کا قائل ہے۔ اپنے وسیع تجربے کی بنا پر انہوں نے زندگی تقریباً تمام پہلو پر لکھا اور مسائل کی نشاندہی کی اس گھٹے ہوئے ماحول میں معاشرہ جس طرح انسان پر اثرانداز ہوتا ہے۔ اور ذہنی الجھنوں کو بڑھاتا ہے۔ اس کی بخوبی عکاسی ان کے افسانوں میں نظر آتی ہے۔ منشایاد معروف افسانہ نگار ہیں ان کے افسانوں کا مجموعہ میں "ماسی اور مٹی ۱۹۹۰ء "، "خلا اندر خلا ۱۹۸۳ء "، "وقت سمندر ۱۹۸۴ء "، "درخت آدمی

۱۹۹۰ء "وغیرہ شامل ہیں۔ منشاء یاد فرد کی اندورنی کشمکش، انسانی ذات کی تنہائی ثنویت آمریت کے ادوار میں معاشرتی اور سیاسی جبریت کا شکار معاشرہ، دیہی اور شہری زندگی کی آویزش ایسے موضوع بھی موجود ہیں۔

انیس ناگی نے بے شمار افسانے تحریر کیے ہیں۔ آپ نے افسانوں میں کوشش کی ہے۔ وہ ہماری نسل معجزے اور اندیشے کے نفسیاتی وسوسوں نجات پائے، اسے بزرگوں کے بوسیدہ پیراہن اور چڑیلوں کے بسیرے والے ان مکانوں سے نجات ملے جو نینداور خواب کے وقفے کے دوران جل کر راکھ ہو جایا کرتے ہیں۔ ناگی بہت اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کی بوسیدگی وائرس آخر فکر کے اندرس کو بھی نقصان ہی پہنچایا کرتا ہے اور چڑیلوں کی کہانیاں، انسانی فینٹسی کا اعتبار چھین کر ڈراونے خوابوں میں تبدیل ہو جایا کرتی ہیں۔ اس فضائے دشت میں زندگی بسر کرنے والے انسان بذات خود آسیب کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ مستقل خاموشی ہنستے گھروں میں بے دلی اور بے چارگی کی فصل بو دیتی ہے۔[۱۳]

ڈاکٹر سلیم اختر عورت، جنس اور جذبات کا مصنف اور نفسیاتی دبستان تنقید کا نمائندہ نقاد بھی ہیں۔ انھوں نے بے شمار افسانے تحریر کئے ہیں۔ کڑوے بادام ۱۹۸۸ء، بے ضرور کہانیاں، حجرہ ہفت بلا، تال پاتال، بحر ظلمات، کاٹھ کی عورتیں، آدھی رات کی مخلوق، مٹھی بھر سانپ، چالیس منٹ کی عورت اور نرگس اور کیکٹس ان کے افسانوں مجموعے ہیں۔ انہوں نے جنسی نفسیات سے متعلق ہی افسانے لکھے ہیں۔ ان کے افسانوں میں نفسیاتی شعور سے زیادہ سنسنی خیزی کا غلبہ دکھائی دیتا ہے وہ منٹو کے افسانوں سے متاثر نظر آتے ہیں۔ افسانہ "بسیرے دی جورو" کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ سلیم اختر پر موپساں کا رنگ غالب ہے۔

مظہر الاسلام نئی نسل کے باشعور افسانہ نگاروں میں سے ہیں۔ مظہر الاسلام ابتدا تک رشید احمد کے اسلوب سے متاثر نظر آتے ہیں۔ مظہر الاسلام نے اپنی ذات کے کنوئیں میں الٹا لٹکا رہنا ہی اپنا مقدر نہیں بنایا بلکہ اپنے معاشرے کے لوگوں کے دکھ سکھ میں شرکت کی ہے ان کی کہانیوں میں واضح سیاسی وسماجی سیاق وسباق ملتا ہے۔ آپ نے کئی افسانے تحریر کئے ہیں "گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی"، "باتوں کی بارش میں بھیگتی لڑکی"، "گڑیا کی آنکھ سے شہر کو دیکھا" اور "خط میں پوسٹ کی ہوئی دوپہر" آپ کے افسانوی مجموعے شامل ہیں۔

واجد تبسم نے تقسیم ہند کے بعد لکھنا شروع کیا اور ان کی زیادہ شہرت افسانہ نگار کی حیثیت سے ہوئی واجد تبسم نے اپنے افسانوں میں رسم ورواج کی سختی سے پابندی، ملازمین کے ساتھ ایک خاص قسم کا جابرانہ سلوک خصوصا عورتوں کا استحصال اور ان کی مجبوریوں کے سنگین مناظر کے مرقعے گہرے مشاہدے سے بتائے ہیں۔ انہوں نے یہ تصویر کافی بے باکی سے پیش کی ہے۔

طارق محمود ایک انسان دوست اور حساس فنکار ہے طارق محمود کے ہاں خواب آفرینی کی صلاحیت کو موجودہ زندگی میں اس طرح گوندھنے کا انداز بھی ملتا ہے جیسے کوئی رومانی واردات اور کوئی التباس نظر پہ محمول کر سکتا ہے اس سے ان کے افسانوں میں اضافی رخ پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ حقیقت پسندی اور داخلیت پسندی کے ایک ایسے امتزاج پر زور دیتے نظر آتے ہیں کہ وہ ہر دور کے رجحانات کی نظریاتی بنیادوں سے قطع نظر واقفیت پسندی کی ایک نئی طے دریافت کرنے نکلا ہے۔ پام کسے پیٹر طارق محمود کا افسانوی مجموعہ ہے جس میں پاکستان کا تبدیل ہوتا منظر نامہ شکار کے منتظر خودکشی حملہ آور متوسط طبقے میں ترک وطن کی بڑھتی ہوئی آرزو مگر اپنی زمیں کی جانب کھینچتی ہوئی چھ قدریں افسانے کے کینوس پر بکھری نظر آتی ہیں۔

آصف فرخی: ڈاکٹر محمد اسلم فرخی کے بیٹے ہیں۔ انہوں نے بے شمار افسانے تحریر کئے۔ جن میں آتش فشاں پر کھلے گلاب،اسم اعظم کی تلاش،چیزیں اور لوگ،شہر بیتی،میں شاخ سے کیوں ٹوٹ اورمیرے دن گزرے ہیں شامل ہیں۔ آپ کے بعض مجموعوں پر داستانوں کے ساتھ ساتھ داستانوی اسلوب اور کرداروں کو علامتی معنی دینے والا انتظار حسین کے بھی اثرات موجود ہیں۔ چیزیں اور لوگ میں آصف فرخی کا نفسیاتی فنی شعور نظر آتا ہے اس کے مجموعے "میرے دن گزر رہے ہیں" کا انداز سوانحی ہے بیشتر افسانوں کے متکلم سے اپنی ذاتی مشابہت کو اس نے چھپانے کی کوشش کی ہے بلکہ منٹو کی طرح کھل کر اپنا نام لیا اور کوائف بتائے ہے۔ [۳۱]

سمپورن سنگھ گلزار کا حوالہ گیت نگار اور فلمی منظر نامہ نگار کا ہے انہوں نے افسانے بھی تحریر کئے ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعوں میں دستخط،دھواں شامل ہیں گلزار کے سبھی افسانوں میں انجام کی وہ مصنوعیت سامنے آتی ہے جیسے منٹو اور کرشن کے بعد شعوری طور پر بھلانے کی کوشش کی گئی ہے، پریم چند، کرشن، ندیم اور منٹو کی تخلیق کائنات کے اثرات گلزار کی کہانیوں پر ہیں۔ مگر بدلتی زندگی اور زبان کا شعور اختتام پر ڈرامائی عنصر کہانیوں میں وافر ہے منٹو نے کشمیر کے حوالے سے وہ کہانیاں لکھی تھیں جو ہندوستانی اور پاکستانی مصلحتوں سے آزاد ہو کر افسانوں کے عالم گیر احساس کو متحرک کرتی ہے۔ گلزار کی ایل۔ او۔ سی بھی ایسی کہانی ہے جس میں ۱۹۶۵ء کی جنگ کی کشیدگی اپنی گھن گرج کے ساتھ اس وقت آتی ہے جب ایک امکان پیدا ہوتا ہے کہ میجر کلونت سنگھ کی ماں اپنی بچھڑی ہوءی سہیلی یا منہ بولی بہن سے ایک ایسی ملاقات کر سکے جو تقسیم کے نام پر بہت سے افراد اور کنبوں کے لئے کسی آسیب کی ذہنی اور جذباتی تشدد کو گھٹا دے۔

محمد حمید شاہد: عصر حاضر کے افسانہ نگاروں میں ممتاز اور منفرد نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اپنی انفرادیت سے

قاری کے لئے زندگی کی تلخ حقیقتوں سے آشنا کے راستے ہموار کئے ہیں۔ آپ کے افسانوں میں احساس بنیادی قوت کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کا افسانہ اپنی زمین سے جڑا ہوا ہے۔ دیہی دانش سے بھرپور ہونے کے ساتھ اپنی تہذیبی روایت کا آئینہ دار ہے حمید شاہد نے اپنے افسانوں میں نفسیاتی حقائق کو خوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے ہاں افسانہ باطنی تجربہ ہے بند آنکھوں سے پرے، جنم جنہم ، مرگ راز اور آدمی چار مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ آپ افسانے کو نثری نظم بنا دیتے ہیں۔

عاصم بٹ ناول نگار مترجم، اور افسانہ نگار کے طور پر ادبی دنیا میں نئے ستارے کی طرح نمودار ہوئے ہیں۔ شہری زندگی میں درمیانہ طبقے کے افراد کی زندگی میں جو نئے دباو اور شدت پیدا ہو رہی ہے اور جو ان سے ایک نئی مہذب یاداشت کا تقاضا کرتے ہیں۔ ان پر عاصم بٹ کا قلم زیادہ اثر آفرین افسانے لکھتا ہے۔ آپ کے افسانے کے کردار نوجوان ہیں مضطرب ہیں وہ اپنی سماجی ، بے توقیری، جنسی افسردگی اور فتوحات کے نئے اضطراب کی خاطر صوفیا کے درباروں پر جاتے ہیں۔

ناصر عباس نیر نقاد کے بعد افسانہ نگار کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ ان کے افسانوں میں علمی جھلک نظر آتی ہے۔ آپ کے افسانوی مجموعوں میں خاک کی مہک اور فرشتہ نہیں آیا شامل ہیں۔ آپ کے افسانوں میں نفسیاتی الجھن نمایاں ہے۔ افسانہ "ولدیت کا خانہ" اس نفسیاتی یا ثقافتی الجھن کو لیے ہوئے ہے کہ جب کسی باپ کو اپنی اولاد کے اصل ہونے پر شک ہو جاتا ہے اور اپنی بیوی کی وفا پر مفروضہ شبہات اولاد اور اس میں فاصلہ پیدا کر دیتا ہے۔ ناصر عباس نیر نے اس طرح کے موضوع کو اجاگر کیا ہے۔

خالد محمود خان کے افسانوں کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے آس پاس کی کہانیوں کو اپنی قلم کے ذریعہ ترتیب دیا ہے۔ آپ کی کہانیاں ذہنی اور فکری ساخت کا حصہ ہیں ان کے افسانوی مجموعہ تیری کہانی میری کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ان کا پہلا افسانہ "چاچا خیر خیریت" میں پاکستان کا وہ منظر نامہ پیش کیا ہے۔ جس میں صدیوں سے اس خطے کی جذباتی پناہ گاہیں اور محبت بھرے رشتے خود کش حملوں کی زد میں ہیں خالد محمود خان کے افسانوں کا مرکزی کردار عورت ہے۔ جس کا مرد کے ساتھ جسمانی رشتہ ہے جو کسی بھی بستی کو تسلسل اور ثقافت کو رس فراہم کرنا ہے۔

نیئر اقبال علوی کے افسانوں میں معاشرتی ناہمواری اور ناانصافی کا نقش بہت گہرا ہے وہ اپنے سماج میں اس عورت کے لیے بہت کڑھتا ہے۔ نیئر اقبال علوی کا افسانہ "آوارہ کتے" میں بائیس برس کی شگفتہ ناز بالا کوٹ کے ۲۰۰۵ء ہولناک زلزلے کی آفت زدہ ایک فوجی سپاہی کی بیوی تھانے سے مشابہ ہسپتال والوں کی بے حسی کا تب سامنا

کرتی ہے۔ جب ایک بچے کو جنم دیتے ہوئے اسے ماں بننے کے فطری اور انسانی حق کے سلسلے میں بنیادی سہولت فراہم کرنے سے بھی انکار کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد پولیس کے تھانے میں اس کے ساتھ وہ سلوک ہوتا ہے جو منٹو کے افسانے "کھول دو" کے سفاک فضا کو دوبارہ پیدا کرتا ہے۔

ظہیر بابر سیاسی سماجی و معاشرتی زندگی کے نبض اور ترقی پسند صحافی کی شہرت تو رکھتے تھے مگر افسانے کی دنیا میں کافی عرصہ بعد راغب ہوئے۔ آپ خدیجہ مستور کے شوہر اور احمد ندیم قاسمی کے بھانجے تھے۔ آپ قصہ گو ہیں آپ کے افسانوں میں عمر کے تجربے مشاہدے اور فکر و شعور کا حاصل ہیں۔ ظہیر بابر کے افسانے بارے میں فتح محمد ملک لکھتے ہیں۔

> وہ ایک کھری اور بے لاگ صداقت پسندی اور متحرک تصویر بھی پیش کرتے ہیں اور زندگی کی باطنی اور نفسیاتی صداقتوں کو سمجھنے میں بھی کوشاں ہیں۔ [۵۱]

ظہیر بابر کے افسانہ "مینو" میں اسے چہروں کو بے نقاب کیا جنہوں نے اپنے چہروں پر ان گنت ماسک چڑھا رکھے ہیں۔ کمین کلب یا رنڈی کے کوٹھے پر آ کر اپنی اصلیت پر آجاتے ہیں۔ آپ کے مطابق معاشرہ عورت کو طوائف، کہتا ہے جبکہ اصل میں مرد خود طوائف ہے جو اپنا ضمیر تک فروخت کر دیتا ہے۔

حفیظ احسن ترقی پسند تحریک سے متاثر تھے۔ ان کے افسانوں میں طبقاتی تنگ نظری، معاشی جبریت، جنسی الجھنیں، نفسیاتی پیچیدگیاں اور معاشرتی ناہمواریوں جیسے موضوعات ملتے ہیں۔ آپ نے اپنے دور کے رجحانات کے مطابق مروجہ دقیانوسی طرز فکر اور فرسودہ رسم و رواج کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ وہ ماضی میں نہیں جھانکتے بلکہ مستقبل کی کھلی فضاؤں میں پرواز کرتے ہیں۔

نجم الحسن رضوی کے پانچ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے افسانوں میں ہمیں اس جدید دنیا کے انسان خواہشوں اور آرزوں کے پنجروں کے قیدی نظر آتے ہیں۔ ان میں کچھ خواب دیکھنے والے ہیں مگر کوئی خواب پایہ تکمیل کو پہنچ کر بھی خوشی نہیں دے سکتا کیوں کہ مادیت پرستی کے دور میں ہر خواب بیچا اور خریدا جا سکتا ہے۔ پیسہ پیار سے زیادہ طاقت ور ثابت ہو چکا ہے۔ سب اپنے خول میں بند ہیں اور خول کسی قسم کا بھی ہو بہت ظالم ہوتا ہے۔ اصل کو کبھی سامنے نہیں آنے دیتا اس لئے سب ایک دوسرے سے اجنبی ہیں۔

لیاقت علی کے افسانے سماج کی کیفیت کا بھی عکس ہیں اور خود کو ہی نہیں اس معاشرے کو بھی سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔ ان کا افسانہ "جھوٹے آدمی اعترافات" جھوٹ اور سچ کے درمیان لٹکتے سماج کے المیوں کا عکس ہے۔ اس کہانی کا مرکزی کردار غلام اصغر زندگی بھی تضادات کے حصار میں جیتا ہے۔ وہ اپنی نیت اور عمل میں مطابقت پیدا نہیں کر پاتا۔ یہ کہانی خاص طور پر احساس دلاتی ہیں کہ ہم بچوں کی تربیت کرتے ہوئے کتنی خطرناک غلطیاں کر جاتے ہیں۔ ان

کے ننھے ذہنوں میں اٹھے والے سوالات کا جواب اپنی عمر دانش اور سماج کے تقاضوں کے مطابق دے کر کچی عمر میں کئی نفسیاتی خرابیاں پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔

خواتین افسانہ نگار:

ایک عورت معاشرے میں اپنے ہونے کا احساس کے لیے کیا کیا جتن کرتی ہے اپنے ہونے کو کس طرح تسلیم کرانے کی سعی کرتی ہے اپنی عزت اپنا سماجی مقام اور مرتبہ کس طرح قائم رکھنے کی کوشش کرتی ہے خواتین نے زندگی کے ہر میدان میں اپنا لوہا منوایا ہے اسی طرح رسالہ انگارے میں افسانہ لکھنے والی واحد عورت رشیدہ جہاں تھی۔ آپ نے عورت کے ساتھ استحصال کو بیان کیا ہے کہ عورت کا استحصال ہو رہا ہے اور دوسری عورت کے ہاتھ سے ہو رہا ہے۔ رشیدہ جہاں نے یہ پیغام دیا کہ اگر ایک عورت چاہتی ہے کہ وہ معاشرے میں قدر و منزلت کی زندگی بسر کرے تو اسے اپنے آپ کو تسلیم کرنا ہوگا اور سب سے پہلے اپنا احترام خود کرنا ہوگا اور فرسودہ رسم و رواج سے چھٹکارہ حاصل کرنا ہوگا۔ جب تک ایک عورت اپنے عقیدے کو درست نہیں کرے گی اور اپنے حق کا شعور نہیں رکھے گی تو کوئی دوسرا اس کا حق کا خیال کبھی نہیں رکھے گا۔ رشیدہ جہاں عورت کے سماجی مرتبے کا اظہار چاہتی ہے افسانہ "دلی کی سیر" میں آپ نے عورت کی بے بسی اور معذوری کو بیان کیا ہے۔ وہاں مردوں کی عمومی نفسیات کا بہترین اور مکمل جائزہ پیش کیا ہے۔ اس افسانے میں چھ سوال ہمارے سامنے آتے ہیں کہ عورت بے بس کیوں ہے اور مجبور کیوں ہے ؟ اس افسانے میں ہی جواب دیتی ہے کہ مردوں نے عورت کو مکمل طور پر قبول نہیں کیا۔ مرد حضرات نے ایک ہی پہلو کو قبول کیا اور وہ ہے جنسی پہلو ہے۔ اس میں عورت کا کوئی قصور نہیں بلکہ مردوں کی ذہنیت سامنے آتی ہے کہ وہ کس طرح ذہنی مریض ہیں کہ وہ عورت کو جنسی تسکین کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہاں مردوں کے چھوٹا پن واضح ہوتا ہے۔

شکیلہ اختر کا تعلق بھارت کے علاقے بہار سے تھا۔ اس لئے آپ کے افسانوں میں بہار کی کلچر اور بود و باش کی فضا ہے۔ آپ ترقی پسند سوچ کے حامل افسانہ نگا تھی۔ لیکن رومانوی افسانے بھی لکھتی رہی ہیں۔ آپ کے افسانوں کے پانچ افسانوی مجموعے آپ کی زندگی میں شائع ہو چکے تھے۔

تسلیم سلیم چھتاری کے موضوع طبقہ شرفاء کے نفسیاتی مسائل کو بیان کرتی ہیں۔ آپ متوسط اور اعلیٰ طبقے کے مسائل سے پردہ اٹھایا ہے۔ عابدہ حسین نے زندگی کی بہت سی تصویر میں قاری کے سامنے بنا کر رکھ دی ہیں۔ آپ نے زندگی کے چھوٹے چھوٹے مسائل کو بیان کیا ہے جو بعد میں بڑی باتوں کا سبب بنتے ہیں۔

عصمت چغتائی نے فکشن میں مسلم معاشرے میں متوسط گھرانوں کی پردہ نشین لڑکیوں کی ذہنی اور نفسیاتی الجھنوں کو اور ان سے پیدا ہونے والے مسائل کو بڑے سلیقے سے اپنے ناولوں اور افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ عصمت

عورت کے جنسی مسائل اور اس کے نفسیات پر بڑی بے باکی اور جرات سے قلم اٹھایا ہے۔ عورت کی گھٹی گھٹی زندگی میں اندر ہی اندر پروان چڑھنے والے جذبے اسے گھائل کرتے رہتے ہیں لیکن سماجی اخلاقیات ان کا اظہار میں رکاوٹ بنتی ہے۔ عصمت نے "بھول بھلیاں"، "تل"، "لحاف"، "گیندا" اور دیگر افسانوں میں جنسی عدم توازن اور کج روی کے مختلف مظاہر کو فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے، لحاف عورتوں کی ہم جنسی محبت کے موضوع پر ہے۔ "چوتھی کا جوڑا" میں انسانی زندگی کی تلخ حقیقتوں کو بڑی مہارت سے پیش کیا ہے۔ ایک بیوہ کی زندگی کی تلخ حقیقت اس سے زیادہ کیا ہو سکتی کہ اس کے گھر میں دو نوجوان بیٹیاں اور کے رشتوں کی تلاش سے بڑھ کر کوئی اہم مسئلہ نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے افسانے میں ماہر نفسیات کا کام کیا ہے اور انسانی فطرت کے پیچ و خم کا بڑی گہرائی سے مشاہدہ کیا ہے۔ انسانی زندگی میں چھوٹے چھوٹے کاموں اور ذہنی جذبات و احساسات کا گہرا عمل داخل ہے۔ وہ ظاہری حقیقت سے کبھی زیادہ اس کی تہہ چھپی گہری حقیقت کا بہترین مصور ہیں۔ اس افسانے میں مصنفہ اس بات پر روشنی ڈال رہی ہے کہ لڑکیوں کو کم از کم اتنی تعلیم دی جانی چاہئے کہ وہ کسی کے رحم و کرم پر نہ رہیں۔ بلکہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکیں اور وقت ضرورت انہیں کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانے پڑے۔ اس ضمن میں اس افسانے کا کردار حمیدہ ایک جگہ سوچتی ہے۔

> کیا میری آپا مرد کی بھوکی ہے نہیں وہ بھوک احساس سے پہلے ہی تھم چکی ہے مرد کا تصور اس کے ذہن میں ایک امنگ بن کر نہیں ابھرا بلکہ روٹی کپڑے کا سوال بن کے ابھرا ہے وہ ایک بیوہ کی چھاتی کو بوجھ ہے اس بوجھ کو ڈھکنا ہی ہوگا۔ [11]

عصمت چغتائی نے بنیادی ہر عورت کے معاشرے کی مشاہدہ حقیقت نگاری سے کرتی نظر آتی ہیں۔ انہوں نے عورت کے داخلی جذبوں، سماجی کردار اور نفسیاتی پہلو کو اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

ممتاز شیریں خواتین میں اردو ادب کی خواتین نقادوں میں خواتین نقادوں میں سب سے پہلی خاتون ہیں جنہوں نے پہلی دفعہ تنقید کے لئے قالم اٹھایا۔ ممتاز شریں دور بلوغت کے نفسیاتی مسائل کو افسانوں میں پیش کیا ہے۔ مثلاً "انگڑائی" میں ہم جنسی میلان کا تجربہ کیا ہے۔ آپ نے بڑی ہنر مندی کے ساتھ نفسیاتی حقیقت کو پیش کیا ہے کہ اپنی ہم جنسوں میں مخالف جنسی کے ظاہری فضاوں پر کشش ہوتے ہیں اور فرد لاشعوری طور پر اس کی طرف قدم بڑھتا ہے۔ ممتاز شیریں کی افسانہ نگاری کے پس منظر میں مغربی ادب کا گہرا اثر نظر آتا ہے۔ ان بیان فرد کی ذہنی کیفیتوں اور اس کے احساسات کو جانچنے کا ایک منفرد پیمانہ ہے۔ عصمت چغتائی کے افسانوں میں نمو یاب ہونے والے جنسی الجھنیں ممتاز شیریں کی کہانیوں میں ایک بدلی ہوئی شکل میں نظر آتی ہے۔۔ آپ کے بیاں جیمس جوائس کی تقلید میں شعور کی رو کی نشاند ہی ہوتی ہے۔ اس کی مثال "بھارت نامہ" ہے جس میں شعور کی رو کو تکنیک کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ ممتاز شیریں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ نے مثبت اقدار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اس کا ہر افسانہ انسانیت کے

جوہر میں ڈوبا ہوا ہے۔ان میں عاقلی تعلق محض جسم تک محدود نہیں بلکہ جسم روح دونوں کے اٹوٹ رشتہ پر استوار ہے اور گھریلو زندگی کی محبت اور رفاقت صاف محسوس ہوتی ہے۔

قرۃالعین حیدر کے افسانوں میں داخلی حقیقت نگاری ہے۔ان کے افسانوں کا موضوع بالائی طبقہ ہے جو ثقافتی اعتبار سے مغرب زدہ ہے اور ہندوستانی تہذیب سے اس کا علاقہ بہت کم ہے لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد انگریزوں کے راج کا خاتمہ اور آزادی کی لہر ان تک پہنچتی نظر آتی ہے۔ان کے افسانوی مجموعے ستاروں کے آگے کے بیشتر کردار نوخیز امیر پڑھے لکھے لڑکے اور لڑکیاں ہیں۔ جو نفسیاتی ذہین اور خوبصورت اور آزاد ہی ان کے زندگی خوش کن کھیل یا دلچسپ پکنک کی حیثیت رکھتی ہے۔قرۃالعین حیدر ان کرداروں میں عنیت پرستی اور حقیقت کا ٹکڑا دو بھی کئی صورتیں جلوہ گر ہیں۔ عیش و عشرت کی فضا میں جینے کے باوجود سوزداروں کی خلش اور کسک ان کے اندر چھپی ہوئی ہے اور ان نسانی کرداروں کا مقدر ہے۔فرید بانو "اپن دختر بے معنی"، "رخشندہ"، "پرواز کے بعد"، "ریثا"، "ہم لوگ"، "سیما ماریتا"، "رقص شور" میں ایک ایسی لڑکا کردار ابھرتا ہے۔ جس کے دل کی ویرانی خوشیوں میں بھی دور نہیں ہوتی دل کی اس رسائی کے لئے قرۃالعین نے آزاد تلازمہ خیال اور تجریدی تکنیک کو بھی برتا ہے۔

بانو قدسیہ نے اپنے افسانوں میں فرد کی نفسیاتی الجھنوں کو بھی واضح کیا ہے۔ وہ فرد کی داخلی رویوں نفسیاتی کیفیات اور انسانی شخصیت میں ہونے والے شکست وریخت کو اپنے افسانوں کا موضوع بناتی ہیں۔ بانو قدسیہ کے نزدیک زندگی محض سماجی و معاشی اور معاشرتی زنجیروں کا ہی نام نہیں بلکہ انسان کی معصومیت، انسانی رشتوں کے تقدس، دوستی، ایثار وقربانی کے مضبوط اور باقی رہنے والے عناصر بھی عبارت ہیں۔ بانو قدسیہ جذبوں کے ساتھ گھلی ملی نظر آتی ہیں افسانہ "نیو ورلڈ آرڈر" میں نئی نسل کا المیہ کو بیان کیا گیا ہے۔ جو مادی ترقی کی دوڑ میں اپنی روحانی دنیا کو کہیں پیچھے چھوڑ گئی ہے۔ یہ نسل مادی وسائل کے حاصل کرنے میں تو کامیاب ہو گی ہے لیکن اس کے دل کی دنیا ویران ہو کر رہ گئی ہے۔ اس افسانے میں کردار "مریم" اپنی زندگی کے بتیس برس گزرنے کے باوجود احساس تنہائی سے دوچار ہے۔ اگرچہ وہ ایک کمپنی میں مارکیٹنگ اسسٹنٹ ہے اور اپنی تعلیم اور مرتبے سے لوگوں کو متاثر کرنا اچھی طرح جانتی ہے۔اس افسانے میں مریم کی دادی ایک طرف ماضی کی یادوں میں گم ناسٹلجیا کا شکار اپنا سارا وقت عبوری دور کی اس نسل کے مسائل اور نقائص کو سلجھانے میں صرف کر دیتی ہے۔ جبکہ دوسری طرف نئی نسل کے علمبردار مریم کے والدین اس کی شادی کے معاملے میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے۔ وہ نوجوان نسل کی کھو کھلی آزادی کے خواہاں ہیں۔ یہاں بانو قدسیہ نے نئی اور پرانی نسل کے ذہنی تفاوت کو پیش کیا ہے۔انسان مادی جسم رکھنے کے باوجود مادہ نہیں اور نہ ہی وہ کسی کی دوسری شے سے مماثلت رکھتا ہے اس لیے اسے اپنی بقاء کے لیے روحانی تقاضوں کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا ہو گا۔

بانو قدسیہ کا ایک اور افسانہ "بہو جی" میں متکلم ساس کا کردار کو واضح کیا گیا ہے۔اس افسانے میں گہرا نا سٹلجیا بھی دیکھا ہے۔اس افسانے میں بانو قدسیہ نے اپنی ذہنی بالیدگی اور رپختگی سے در حقیقت عورت اور مرد کی نفسیات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔اس افسانہ میں ساس کا نفسیاتی حوالہ بہت اہم ہے۔

> مرد دو قسم کا ہوتا ہے یا تو وہ کام کرنے والا کفیل ہے یا کامی کے روپ میں عورت کو خالی ہاتھ ذہن اور دل کر کے چھوڑ جانے پر مجبور ہے اس طرح عورت بھی دو طرح کی ہے یا تو وہ ماں ہے اور پرورش میں زندگی بسر کرتی ہے یا ایک طوائف کے روپ میں اپنے لیے زندہ رہ کر ہی اس کا وقت گزرتا ہے۔ [۱۷]

بانو قدسیہ کے افسانوں میں ایسے کردار بھی نظر آتے ہیں جو ماں باپ کی عدم موجودگی کی وجہ سے سیدھے راستے سے بھٹک جاتے ہیں اور ایسے نفسیاتی عارضوں کا شکار ہو جاتے ہیں افسانہ "سنہری فصل" میں آپ نے نوجوان نسل کی ذہنی و فکری انحطاط کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے نفسیاتی مسائل کی عکاسی کی ہے۔"بازگشت" کے دو کردار عینی اور عظیم محبت اور توجہ کی کمی کی وجہ سے راستے سے بھٹکے ہوئے کردار ہیں عینی اپنے والدین سے محروم ہے اس لیے نفسیاتی پیچیدگیوں کا شکار ہے اور عینی اپنی ذہنی الجھن اور کشمکش سے اپنے بچے کا قتل کر دیتی ہے اور بالآخر اپنے ضمیر کی خلش کے ساتھ خود کو ختم کر دیتی ہے۔بانو قدسیہ گہری نفسیاتی بصیرت کی حامل افسانہ نگار ہیں۔بقول علی عثمان قاسمی:

> بانو قدسیہ کو پڑھ کر انگریزی افسانوں میں ہر اتوار کو شائع ہونے والے ان کالموں کی یاد آتی ہے جس میں ٹین ایج اپنی محبت کے مسائل بیان کر کے ان کا حل طلب کرتے ہیں اور ان مسائل کا حل بیان کرنے کیلئے ایک نفسیات دان خاتون موجود ہوتی ہے بانو قدسیہ بھی اس نفسیات دان خاتون کی طرح ہیں کیونکہ انہوں نے محبت کو اپنے افسانے میں نئی طرز پر پرکھا ہے اور محبت کے ہزار ہا روپ سے واقف ہیں۔ [۱۸]

خدیجہ اور ہاجرہ مسرور کے افسانوں میں خارجی اور گھریلو زندگی کے مسائل نظر آتے ہیں ان کے افسانوں میں سرمایہ دارانہ نظام کے سائے میں جینے والے افراد کا دکھ بیان کیا ہے۔مثلاً ہاجرہ مسرو، "کنیز" شادی کے انتظار میں تھی۔وہ تینتیس برس کی عمر میں بوڑھی ہو جانے والی لڑکی کی حسرت ناک کہانی کو بیان کیا ہے جو خزاں کے پتوں کو اپنی مٹھی میں چر کرتی ہوئی سوچتی ہے کہ اس کی زندگی خزاں رسیدہ ہے۔خدیجہ اور ہاجرہ مسرور کی طرح جیلانی بانو کے افسانوں میں بھی ہندوستانی عورت کی مجبوریاں اور پابندیوں میں گھری ہوئی زندگی کے ان گنت روپ ابھر کے سامنے آتے ہیں۔"آگ اور پھول"، "دیوداسی"، "مٹی کی گڑیا" اور "ڈریم لینڈ" میں عورت کی نامحرمیوں اور آسودگیوں کی کہانی ہے۔

خالدہ اصغر فکر اور فن موجودیت کر تحریک متاثر ہے آپ نے مرد کی تنہائی خدا انسان اور کائنات کے رشتے کو موضوع بنایا ہے۔ خالدہ اصغر نے موت کے خوف اور مٹ جانے کے کرب کو خصوصی اہمیت دی ہے۔

الطاف فاطمہ کے افسانوں میں گھریلو زندگی کی تبدیلیوں کو بیان کیا ہے۔ آپ کے افسانے میں وقت کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ "سلور کنگ "اور "گواہی "میں وقت کا عنصر نمایاں ہے۔ جمیلہ ہاشمی کے افسانے کا محور بھی جدید عورت کے المیہ کی ترجمانی ہے۔ "اپنا اپنا جہنم "کے تینوں کردار پیاسے ہیں۔ ان کی پیاس کی نوعیت مختلف ہے۔ تینوں کردار عورت کی زندگی کے مختلف روپ دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ مایا، تارا، اور شرے تینوں کرداروں کی پیاس کی نوعیت مختلف ہے۔ مایا کی پیاس جنسی پیاس ہے۔ تارا محبت کی پیاسی ہے اور شرے کی پیاس امن کی پیاس ہے۔ یہ تینوں کردار جہنم نما گھر میں رہتے ہیں لیکن یہ فرار حاصل نہیں کرتے بلکہ دکھ اور درد کو ہمت سے برداشت کرتے ہیں۔ رضیہ فصیح احمد کے افسانے "دو باش کے بیچ"، "پچھتاوا" اور "کبھی شبنم" میں سماجی اختیار جات کا پتہ دیتے ہیں۔

خدیجہ مستور بہت معروف افسانہ نگار ہیں۔ آپ نے پانچ افسانوی مجموعے لکھے ہیں۔ جن میں کھیل، بوچھار، چند روز، تھکے ہارے اور ٹھنڈا میٹھا پانی شامل ہیں۔ آپ کے ابتدائی افسانوں میں جزباتیت وافر ہے اور بعد میں ایک بے رحم حقیقت نگار کی طرح بے باکی سے سب بیان کر دیتی ہیں۔ آپ کے ابتدائی افسانوں میں بیوہ، بڑی عمر کی کنواریاں، تشنہ لب بہاہتا عورتوں کے اندر جاگی آرزوں کو موضوع بنایا ہے۔ سعادت حسن منٹو کی طرح خدیجہ مستور بھی کمزور بے بسی اور غلامی کو برداشت کرنے والے لوگوں کو برا سمجھتی ہیں۔ خدیجہ مستور نے جنگ آزادی کے بعد کے حالات پر بھی لکھا ہے۔ "سودا" اور "سیرا" افسانوں میں سماجی طنز نظر آتا ہے۔

حجاب امتیاز رومانوی تحریک سے متاثر تھی۔ آپ کے افسانوں میں انسانی محسوسات کی تجسیم، تنہائی، آسودگی سے متعلق بالائی طبقے کی امنگیں اور خواب، محبت کی ماورائیت اور نفسیات انسانی جیسے موضوعات ملتے ہیں۔

فرخندہ لودھی کے سب سے بڑا اور اہم موضوع عورت اور اسکے مسائل ہیں۔ عورت کے داخلی جذبات و احساسات سنانے کے ساتھ ساتھ آپ نے سماج اور معاشرے میں عورت کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کو بیاں کیا ہے بقول ان کے:

> مرد ایک لمحہ ہے جب کہ عورت زندگی ہے " میں نے ہمیشہ عورتوں کے مواثر کردار تخلیق کرنے کی کوشش کی ہے۔ [۱۹]

ان کا افسانہ "گولڈ فلیک " ہم جنس پرستی کے رجحان کا عکاس ہے۔ افسانوی مجموعہ آرسی میں افسانے متوسط طبقے کے مسائل کے ارد گرد گھومتے ہیں وہ مسائل جو ان کے اپنی سوچ اور رویوں کے پیدا کردہ ہیں۔

واجدہ تبسم معروف افسانہ نگار ہیں۔ آپ نے بے شمار افسانے تحریر کیے ہیں۔ آپ کے ابتدائی افسانوں میں عورت پر بندشوں اور رسموں کے خلاف غم وغصے کا اظہار کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ انہوں نے عورت کے جسمانی استحصال اور جنسی لذتیت جیسے عنوان پر قلم اٹھایا ہے۔ ان کے نزدیک عورت کو ہمارے معاشرے میں کم تر درجے کی مخلوق قرار دیا جاتا ہے۔ واجدہ تبسم نے چھ افسانے ریاست حیدر آباد دکن کے نوابوں اور رئیسوں کی ہوس ناک رسموں اور روشوں پر لکھے ہیں۔ آپ نے کمزور اور زیردست لوگوں کے احتجاجی رویوں سے جنم لینے والی کہانیاں بھی لکھیں۔ ان کہانیوں میں فلسفیانہ رنگ بھی ہے اور نفسیاتی الجھنوں کی نشان دہی بھی کی ہے۔ ان کا ایک افسانہ "اترن" میں نوکرانی شہزادی پاشا کے احساس برتری کو کچلنے اور اس کو اپنی اترن پہنانانے کی خواہش کی تکمیل کے لیے شہزادی پاشا کی شادی سے ایک رات پہلے اس کے ہونے والے دولہا سے جس طرح جنسی تعلق قائم کرتی ہے۔ وہ اپنی تذلیل اور مسترد کیے جانے کا غم المیہ گھٹیا کام کر کے نکلتی ہے۔ آپ کے افسانوں کے کردار اپنی جبلتوں یا فطری تقاضوں کے سامنے مجبور و بے بس دکھائی دیتے ہیں۔

رضیہ سجاد ظہیر ترقی پسند تحریک کے بانی اور سجاد ظہیر کی شریک حیات ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعوں میں رنگ روتے ہیں، زرد گلاب اور اللہ دے بندے شامل ہیں آپ کے افسانوی مجموعے میں کئی ایسے افسانے ہیں جو آپ کی حقیقی شخصیت کا تاثر دیتے ہیں آپ کے افسانوں میں زیادہ تر نچلے طبقے کے کردار ہیں جو اپنے بیٹے کے تغافل کا شکار ہیں یا ان کے شوہر پر معمولی سی بات پر ان کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ ان کی سخت گیری کی وجہ سے ان کے عزیز گھٹنے چلے گئے۔ افسانہ نگار نے ان کے ایمان یا فرض شناسی کو اجاگر کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کے داخلی خلا یا زخم کا اشارہ کر کے انہیں روبوٹ ہونے سے بچا لیا۔

جیلانی بانو کے ہاں والدین کی جانب سے بیٹوں کو بیٹیوں پر فوقیت دینے جہیز کے بغیر مناسب رشتے کا انتظار کیے جانے والی عورت کے جذبات سے کھیلتے چلے جانے پر کہیں ملال اور کہیں جھنجھلاہٹ دکھائی دیتی ہے۔ آپ نے افسانوں میں نیوراتی افراد کی سوچ آزاد تلازمہ خیال کی تکنیک کو بہت عمدگی سے ظاہر کی ہے۔ آپ کے ہاں عموماً متوسط طبقے کے ہندوستانیوں کی عائلی اور اجتماعی زندگی کے دکھ سکھ پیش کئے جاتے ہیں۔ ان کے کرداروں کا ماحول اور طبقاتی رویہ ابھر کر سامنے آتا ہے۔ جیلانی بانو کا افسانہ "کفایت شعار" بھی ان کی گہری نفسیاتی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ گھریلو سیاست کا شکار متوسط طبقے کی عام عورت آپ کے افسانوں کا مرکزی کردار ہے۔ آپ کا افسانہ "اسکوٹر والا" عورتوں کے توہمات اور منتشر نظریات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ذہنی خلفشار کو خوبی سے بیان کرتا ہے۔

خالدہ حسین کے ہاں وجودی نقطہ نظر ملتا ہے۔ وہ خوف شک اور کراہت کی لغویت میں ذات کے معنی تلاش

کرتی دکھائی دیتی ہے۔ خالدہ حسین نے اپنے افسانوں میں متوسط طبقے کے تعلیم یافتہ کرداروں کی نفسی کیفیت بیان کی ہے۔آپ کے افسانوں میں جبریت کا احساس محسوس ہوتا ہے۔ آپ کے بعض کردار نیوراتی سے دکھائی دیتے ہیں۔ خالدہ حسین کے ہاں مزاحمت کا ایسا احساس ملتا ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انتظار حسین نے افسانہ نگاروں کی ایک نسل کو متاثر کیا ہے چنانچہ خالدہ حسین پر بھی اس کے اثرات محسوس کئے جا سکتے ہیں۔ خصوصا "سایہ"، "ہزار دیا" اور "سواری" میں تو یہ اثرات نمایاں ہو جاتے ہیں۔

رضیہ فصیح احمد کے افسانوں میں صرف متوسط طبقے کی عورتیں ہی نہیں بلکہ ان سے پورے خاندان کو بھی موضوع بنایا ہے۔اسے لیے اکثر افسانوں میں آپاوں اور باجیوں کے ساتھ خالاوں کے ہجوم نظر آتا ہے آپ بعض افسانوں میں واحد متکلم میں کہانیاں سناتی ہیں۔ جو تمام الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھاتی ہے۔ آپ کے بیشتر افسانوں کے کردار فلسفیانہ گفتگو کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ نہ صرف زندگی کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اپنی غلطیوں سے سبق بھی سیکھتے ہیں۔ رضیہ فصیح احمد اپنے افسانوں میں کسی نہ کسی اخلاقی نکتے کا پرچار بھی ضرور کرتی ہیں۔ ان کی کہانیوں کے انجام اکثر سبق آموز ہوتے ہیں۔ آپ کے افسانوی مجموعہ ورثہ اوردوسری کہانیاں کے افسانے قیام امریکہ کے دوران لکھیں۔ مشرقی اور مغربی تہذیبوں کی باہمی آویزش، عورت اور مرد کے مزاجوں کا تضاد، قوت برداشت اپنی شناخت کے کھو جانے کا خوف و کرب اور مختلف نظریات رکھنے والے لوگوں کا اختلاف ان افسانوں کا مرکزی موضوع ہے۔ آپ کا افسانہ ''ساستا'' میں نفسیاتی بصیرت کا حامل ہے۔ وہ ساس جو اپنے روایتی کردار سے دستبردار ہو کر محبت و مروت سے کام لیتی ہے۔ تنہائی میں ایک گڑیا کو اپنی بہو فرض کر کے اس کے بال نوچتی ہے تھپڑ لگاتی ہے اور برا بھلا کہتی ہے۔

جمیلہ ہاشمی کے دو افسانوی مجموعے منظر عام پر دیکھائی دیتے ہیں۔ آپ بیتی جگ بیتی اور اپنا اپنا جہنم شامل ہیں جمیلہ ہاشمی کے خانہ داری کے ساتھ افسانہ نگاری شروع کی اور بہت جلد ادبی حلقوں میں اپنی جگہ بنالی ان کے پہلے ناول تلاش بہاراں پر داود ادبی انعام ملا۔ آپ کے پہلے افسانوی مجموعے آپ بیتی جگ بیتی میں بیدی منٹو، بلونت سنگھ، ندیم موثر کا اثر نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ کے افسانوں کے بڑے عمر کے مرد کردار خاموش نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے رقیب، محبوبہ یا بہن کے محبوب کو جان سے مار دینا چاہتے ہیں آپ کے اکثر افسانوں کی فضا پر مردانہ تعصبات غالب ہیں۔ آپ کے افسانوں کی عورتیں دل شکستہ ہونے پر خودکشی کرتی نظر آتی ہیں۔ آپ کا رجحان طوالت کی طرف زیادہ ہے۔ آپ ناول اور ناولٹ کے حوالے سے پہچانی جاتی ہیں۔ آپ کے بعض ناولٹ کو نقاد طویل افسانہ کہتے ہیں۔ جیسے روہی اور چہرہ بہ چہرہ روبرو شامل ہیں آپ قرۃ العین حیدر سے بہت متاثر ہیں اور انکی طرح

لکھنا چاہتی ہیں۔ آپ کے افسانوں میں سیاسی وسماجی شعور اور ظلم کے خلاف بغاوت بھی نظر آتی ہے۔

زاہدہ حنا نے نو برس کی عمر میں کہانیاں لکھنا شروع کی پاکستانی اخبارات کی تاریخ میں سب سے کم عمر کالمسٹ ہونے کا اعزاد بھی حاصل ہے ان کے افسانوی مجموعوں میں قیدی سانس لیتا ہے، راہ میں اجل ہے اور رقص بسمل شامل ہیں وہ اپنے بارے میں کہتی ہیں۔

> عورت ہونا، کہانیاں لکھنا، اختلاف کرنا یہ ہمارے معاشرے کی تین خرابیاں ہیں اور میں انہی کا مجموعہ ہوں۔ [۲۰]

زاہدہ حنا ایک آزاد خیال اور ترقی پسند تصور حیات رکھتی ہیں۔ وہ ماضی اور تاریخ سے لگاؤ رکھتی ہیں۔ آپ نے ہمارے معاشرے میں ہونے والی بہت سی ناانصافیوں کو بے نقاب کیا ہے اور ان کے خلاف آواز بلند کرتی نظر آتی ہیں۔ آپ کو مسلمانوں سے ہمدردی ہے اور مسلم معاشرے کو پس ماندہ رکھنے والی حکمران قوتوں کی نشاندہی بھی کرتی ہیں۔ زاہدہ حنا پاکستان کے مہاجر کی یاسیت، افغانستان کے بے انت دکھ اور تہذیبی وتاریخی ورثے پر تنقید کرتی نظر آتی ہیں۔

پروین عاطف احمد بشیر کی بہن اور بریگیڈیئر عاطف کی شریک حیات ہیں۔ اپنے شوہر کی ہر جائی طبیعت کی وجہ سے پروین عاطف ان کے افسانوں میں کرب ملتا ہے۔ آپ کے افسانوی مجموعوں میں میں میلی پیا اجلے اور صبح کاذب شامل ہیں۔ آپ نے افسانوں کے علاوہ ڈرامے اور سفر نامے بھی لکھے۔ پہلے افسانوی مجموعے کے افسانوں میں کرب اور غم کی فضا نظر آتی ہے۔ اس مجموعے میں نسائی کردار کی بے بسی بھی نظر آتی ہے۔ آپ نے اپنے افسانوں میں پنجابی روزمرہ اور محاوروں کا بھی استعمال کیا ہے۔

فہمیدہ ریاض کا اسلوب زندگی کے مختلف ادوار کو نمایاں کرتا ہے۔ آپ کے افسانوں میں قدامت پسندی اور ہندو دشمنی کے اسباب کو بتانے کی کوشش کی ہے۔ آپ کے افسانوی مجموعے خط مرموز کے پہلے افسانے "ایک محبت کی کہانی" میں تیرہ چودہ برس کی لڑکی کو ایک لڑکے سے محبت ہو جاتی ہے۔ اس میں متوسط طبقے کے اہل زبان کہتے ہیں کسی پٹھان کے ثقافتی یا نسلی انجذاب کے حوالے سے دشواریاں نمایاں کی گئی ہیں۔ آپ کی بعض کہانیاں ایسی ہیں جو کسی رپورتاژ، سفر نامے یا خود نوشت کا حصہ محسوس ہوتی ہے۔

نیلوفر اقبال قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۹ء میں پیدا ہوئی۔ اس لیے ان کے کندھوں پر نہ ہی ہجرت کا بوجھ ہے نہ فسادات کا۔ اس لیے وہ صرف اپنے وجود کی داخلی فضا کو تصویر میں اترا ہے۔ آپ کے افسانوں میں زیادہ تر تعلیم یافتہ عورتوں کے زندگی کے مختلف مراحل نظر آتے ہیں چاہے۔ وہ شادی سے پہلے دوران تعلیم یا عملی زندگی کے مختلف واقعات بیان ہیں یا چاہے شادی کے بعد شوہر کے ظلم وجبر کا شکار عورت کے واقعات بیان کیے ہیں۔ نیلوفر کا افسانہ "گھنٹی" اہم ترین افسانہ ہے جس میں لڑکی محمودہ اپنے شوہر رشید کے باپ کی خدمت دل و جان سے دن رات کرتی

ہے۔اس کو ایک گھنٹی لے کر دیتی ہے کہ جب اس بوڑھے بیمار آدمی کو محمودہ کی ضرورت پڑے تو وہ بجا کر بولا لے اس افسانے میں بوڑھے آدمی کی ذہنی و جذباتی کیفیت کو دیکھایا گیا ہے کہ وہ کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتا پر وہ بے بس ہے ایک رات رشید جب اپنے باپ کی پہنچ سے گھنٹی کو دور کر دیتا ہے کہ صبح تک سو سکے اور اس کی نیند پوری ہو جائے۔اس رات صبح تک گھنٹی نہیں بجتی کیونکہ بوڑھا آدمی مر گیا ہوتا ہے۔ محمودہ اور رشید اپنے دل کو دلاسہ دیتے ہیں کہ مرتے وقت اس کو ہماری ضرورت نہیں پڑی ہو گی اس طرح نیلوفر کے اس افسانے کے قاری کے دل مین جب اس کو کسی کی بھی ضرورت تھی مگر گھنٹی بجانے کے اختیار سے اپنوں اور خدمت گزاروں کے ہاتھوں محروم کر دیا تھا۔

نیلوفر اقبال کے پاس ماتا کا تخلیقی نچوڑ ہے جو ٹوٹے ہو گھروں بکھرے ہو رشتوں اور بچوں کے دکھوں کو بہت خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔

طاہرہ اقبال کے والدین تعلیم یافتہ تو تھے مگر وہ اپنی خاندانی روایت کی وجہ سے بیٹیوں کی تعلیم کو غیر ضروری سمجھتے تھے۔ آپ نے مڈل تک تعلیم سکول میں حاصل کی بعد میں تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ پرائیوٹ جاری رکھا۔احمد ندیم قاسمی اور فنون نے طاہرہ اقبال کو اردو افسانے سے متعارف کروایا۔اردو کے شاہکار افسانوں کا انتخاب کیا جائے تو طاہرہ اقبال کے دو افسانے بھی شامل کئے جا سکتے ہیں۔ایک "گنجی بار" اور "ماں ڈائن" شامل ہیں۔ان دونوں افسانوں میں بہت زیادہ ڈرامائیت موجود ہے۔"ملیچھ" آپ کا بہت موثر افسانہ ہے۔وہ اس بات سے باخبر ہے کہ جھگی اور محل، اونچ نیچ، آقا اور کمی کمین یا ملیچھ کے سینے سلگ اٹھے تو اس طرح کے رہن سہن میں وصال ایک حیلہ رہ جاتا ہے کہ عاشق، سائیں بن جائے اور اپنے آپ میں نہ رہے تو پھر ملکوں کی بیٹی بھی ایسے "دربار" پر لائی جا سکتی ہے کہ عاشق، رقیبوں کی بار آوری کی دعا کرے۔"ریخت" طاہرہ اقبال کا بہترین افسانہ ہے۔ایک دو مقام پر پڑھ کر منٹو کے افسانے ہتک جیسی فضا محسوس ہوتی ہے۔آپ نے معاشرے کی ناہمواریوں پر سے پردہ اٹھایا ہے۔

شہناز شورو کا تعلق سندھ سے ہے آپ ۱۹۴۹ء کو جامشورو میں پیدا ہوئیں۔آپ نے انگریزی ادب میں پی ایچ ڈی کی ہے۔آپ اکبر لغاری کی شریک حیات ہیں۔انہوں نے ادبی تنقید کی تاریخ سندھی میں لکھی ہے۔شہناز شورو جس کا اردو میں ترجمہ کر رہی ہیں آپ کے افسانوی مجموعوں میں لوگ لفظ انا اور زوال دکھ شامل ہیں۔آپ نے ایک مخصوص کلچر اور سماجی نظام کے گہرے مشاہدے کے سبب نظر انداز ہونے والے لوگوں کو اپنی کہانیوں میں سمویا ہے۔آپ کا پہلا افسانوی مجموعہ لوگ لفظ انا میں ایک بڑا طبقہ، وڈیروں گھریلو رشتوں، مخدوموں کی ذد میں آئی ہوئی عورت کی انا کو کچلنے پر آواز اٹھاتی نظر آتی ہیں۔آپ کے افسانوں کی عورت پڑھی لکھی، ان پڑھ سیانی اور باولی سب موجود ہیں۔آپ کے افسانے "انانیت اور انحصاری کی کشمکش" میں ممتاز شیریں سے متاثر نظر آتی ہیں۔شہناز شورو

نے امریکہ میں جاکر اپنی پی ایچ ڈی کی ڈگری پر زیادہ توجہ دی ہے اور تخلیقی دنیا سے رابطہ بس فیس بک تک رہا ہے۔

حمیرا خلیق کی والدہ رابعہ پنہاں اردو اور فارسی کی صاحب دیوان شاعرہ تھیں۔ آپ کے شوہر خلیق ابراہیم خلیق اردو کے نامور ادیب ہیں۔ آپ کے بیٹے حارث خلیق اردو کے جدید لہجے کے خوش نوا شاعر ہیں۔ آپ کا افسانوی مجموعہ "مژگاں تو کھول" کے نام سے شائع ہوا ہے۔

آپ ایک ادبی گھرانے کی فرد ہونے کی وجہ سے کہانی کہنے سے فطری مناسبت رکھتی ہیں۔ آپ پختہ عمر میں ادبی منظر عام پر آئی۔ آپ نے اپنی کہانیوں میں نچلے طبقے کی لڑکیوں کے مسائل کو بیان کیا ہے۔ حمرا خلیق کے وہ افسانے زیادہ متاثر کن ہیں۔ جن میں مامتا محبت آمیز شکوے کے ساتھ بدلتی ہوئی قدروں اور مغرب سے آئے ہوئے اداب کا ذکر کرتی ہے۔ جس کی لپیٹ میں اس کا اپنا صاحبزادہ بھی آگیا ہے جو لوریاں اور کہانیاں سنانے والی ماں کو کبھی کبھار کہہ دیتا ہے۔Take care of yourself۔اس میں ایک ماں کے کرب کی خاموشی کو بھی محسوس کیا جا سکتا ہے۔

فاطمہ حسن ایک شاعرہ بھی ہیں اور افسانہ نگار بھی۔ان کے تین شاعری مجموعے بیتے ہوئے پھول،دستک سے دور فاصلہ اوریادیں بھی اب خواب ہوئیں شائع ہو چکے ہیں۔ان کے افسانی مجموعے کا نام کہانیاں گم ہو جاتی ہیں آپ نے اردو ادب میں نسائی شعور کو آگے بڑھایا ہے۔ آپ کی کہانیاں نسائی شعور کی توسیع کرتی ہیں اور اپنی انفرادیت کا رنگ جماتی ہیں۔ آپ کی نثری نظمیں اور کہانیاں اس نفسیاتی کشمکش اور جنگ کو بہتر اظہار سے آشنا کرتی ہیں۔ جو دو جنسوں کے درمیاں لڑی جارہی ہے۔ آپ امن، مساوات اور آزادی پر بات کرتی نظر آتی ہیں۔ آپ تلخ حقیقتوں کو بھی آسانی سے بیان کرتی چلی جاتی ہیں۔ آپ نے سرحدوں کو ٹوٹتے اور زمین کا رنگ بدلتے دیکھا ہے۔ اس لیے ان کے اندر حب وطنی اور کرب پایا جاتا ہے۔ فاطمہ حسن نے اپنے افسانوں میں عورت اور مرد کی جذباتی اور بدنی نہیں، ذہنی رفاقت پر بات کرتی دیکھائی دیتی ہیں۔ آپ کے نسائی کردار تعلیم یافتہ ہیں۔ آپ کے افسانوں میں نوجوان لڑکی جن مسائل اور مردوں سے خوف زدہ ہوتی ہے۔ان کو اجاگر کیا ہے آپ کے افسانے چھتیس نمبر میں ایسے خوف کو باخوبی محسوس کر سکتے ہیں۔

> دراصل جب سے میں بڑی ہوئی ہوں مجھے عجیب عجیب نظروں کا سامنا کرنا پڑا ہے کئی مرتبہ تو ابا کے دوست بھی یوں دیکھتے ہیں جیسے میں کوئی ٹافی ہوں جیسے میرا چھوٹا بھائی مزے لے لے کر کھاتا ہے یا پھر میرے میں چاکلیٹ کریم کی تہہ چڑھی ہے جو یہ انگلیوں سے اتار کر چاٹ لیں گے۔ [۱۲]

سقوط ڈھاکہ فاطمہ حسن کیلئے خوف اور درد کا بہت پیچیدہ تجربہ ہے جیسے تخلیقی سطح پر بازیاب نہیں کرنا چاہتی۔

فریدہ حفیظ بنیادی طور پر ایک صحافی اور حقوق نسواں کی علمبردار ہیں آپ نے اپنے افسانوں میں مختلف معاشرہ لوگ اور معاشرتی رویوں کی تصویر کشی کی ہے آپ ترقی پسند تحریک سے متاثر ہیں اس لئے ضیاالحق کے دور میں ریاکارانہ ہدایات نے کام کرنے والی عورتوں کو زبردستی ڈوپٹے میں لپیٹنا چاہا تھا وہ اس پر تنقید کرتی نظر آتی ہیں ان کے افسانے "رب نہ کرے" میں بغاوت صاف نظر آتی ہے۔

لوگ لائن توڑ کر آگے نکل جاتے ہیں میں بار بار ڈھلکتے دوپٹے کو بیٹھا لیتی رہی اور ڈسپنسری بند ہو گئی میں ناکام و نامراد گھر پہنچی تو میری ماں مر چکی تھی اور میرے بہن بھائی اس سے لپٹ کر رو رہے تھے۔[۲۲]

فریدی حفیظ نے بھی چھ افسانوں میں علامت نگاری سے کام کیا ہے۔

شکیلہ رفیق افسانہ نگار کے ساتھ شاعرہ بھی ہیں آپ کے افسانوی مجموعوں میں کچھ دیر پہلے نیند سے، خوش بو کے جزیرے اور قطار میں کھڑا آدمی شامل ہیں آپ نے صرف عورتوں کی کسک اور خلش پر ہی قلم نہیں اٹھایا بلکہ ترقی یافتہ معاشروں میں پیسے کے لیے تنہا ہو جانے والے مردوں کے دکھ کو بھی محسوس کرتی ہیں۔ وہ جنسی طلب پر بے باقی سے نہیں لکھتی۔ ڈھکے چھپے الفاظ میں بیان کرتی ہیں۔ وہ معاشرے کی مختلف حقیقتوں کو اجاگر کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر آج کل کی نوجوان لڑکے اپنی ماوں کی دلجوئی کیلئے وقت نہیں نکال سکتے جو برس ہا برس اپنی ماوں کی امید کا مرکز رہے۔ برصغیر میں روایتی مسلمان گھرانوں نے قیام پاکستان سے جو جذباتی خواب دیکھے تھے۔ ان کی بھیانک تعبیر پر شکیلہ رفیق سماجی طنز کرتی نظر آتی ہیں۔

سلمیٰ اعوان نے تخلیقی زندگی کا آغاز ناول سے کیا۔ آپ کے افسانوی مجموعوں میں بیچ بچولن، کہانیاں دنیا کی، خوابوں کے رنگ اور برف میں دھنستی عورت کچھ کہتی ہے شامل ہیں۔ آپ کو اپنی زندگی میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس لیے ان کے بیشتر نسائی کردار جرت اور حوصلے کے ساتھ مشکلات کا مقابلہ کرتی نظر آتے ہیں۔ آپ کے افسانوں میں عورت صرف ظلم برداشت کرتی ہی نظر نہیں آتی بلکہ ظالم کے روپ میں بھی ہمارے سامنے آتی ہے۔ آپ کے بعض افسانوں جال، کوڑھ کرلی اور شہتیر میں بچوں کو جنم دینے والی عورت پر مرد کا معاشرہ یہ فرض عائد کرتا ہے کہ وہ ان کی کفالت بھی کرے۔

صباحت مشتاق مشتاق احمد شید اکی بیٹی ہیں جو ایک وکیل اور مصنف بھی تھے۔ آپ کے والد کو قرۃ العین سے ملنے کا بہت شوق تھا اور وہ بڑھاپے میں ملاقات بھی ہوئی۔ صباحت مشتاق کے افسانوی مجموعہ کا دیباچہ قرۃ العین حیدر سے ان کے والد نے لکھوا کر دیا جس وجہ سے وہ بہت خوش تھے۔ بقول قرۃ العین حیدر کے آپ کا افسانہ "ماریہ" دور حاضر میں لکھے گئے چند بہت اچھے افسانوں میں با آسانی شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس افسانے کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ دنیا

کے کسی بھی معاشرے کی کہانی ہو سکتی ہے۔مار یہ ایک چینی کیتھولک لڑکی بھی ہو سکتی ہے۔وہ بمبئی کی گوانی لڑکی بھی ہو سکتی ہے اور لاہور مری یا کینڈا کی بھی ہو سکتی ہے یہ ایک یونیورسل افسانہ ہے۔

آپ نے آجکل کی مصروفیات کے ساتھ انسان میں جو ذہنی الجھن پیدا ہو رہی ہیں ان سے بھی پردہ اٹھایا ہے۔ آپ کا افسانہ "کن فیکون" میں ایک عورت کی نفسیاتی الجھنوں کو دیکھایا گیا ہے۔اس میں تین کردار ہیں ایک میاں دوسرا بیوی اور تیسرا بیٹا تینوں اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔جب فارغ ہوتے ہیں تو موبائل میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ایک دوسرے کے لیے وقت نہیں ہوتا۔اس افسانے کا نسائی کردار کو پرانی روایات واقدار کا احساس ہے کہ جیسے پہلے سب ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزرتے تھے۔اب کسی کے پاس کوئی وقت نہیں یا ظاہر تو انسان ایک دوسرے کے ساتھ ہیں لیکن وہ الیکٹرونکس کی چیزوں کے ساتھ مصروف رہتے ہیں۔وہ اپنے میاں سے ناراض ہوتی ہے اور اپنے باپ کو فون کر کے بتاتی ہے کہ اس کا گھر کہیں کھو گیا ہے۔ابا میری آواز کوئی نہیں سنتا۔یہاں پر صرف تصویریں ہیں۔وہ جیتا جاگتا انسان سے تصویر کی دنیا میں داخل ہو جاتی ہے۔

منزہ احتشام گوندل میں ۱۹۸۳ء پیدا ہوئی۔اس وقت گورنمنٹ کالج برائے خواتین کوٹ مومن کی پرنسپل ہیں۔آپ بھی طاہرہ اقبال اور زاہدہ حنا کی طرح عورتوں کے حق میں بات کرتی نظر آتی ہیں۔آپ نے اپنے افسانوں میں محبت رشتوں کی خوب صورتی، برداشت کرب و جنسی رویوں کو موضوع بنایا ہے۔آپ جانتی ہیں کہ عورت محبت اور خواہش کی رال میں فرق کر سکتی ہے۔جو مسجد میں قرآن مجید پڑھنے والے بچوں کے ساتھ بد فعلی کر کے ہلاک کرنے والے مولوی کے خلاف آواز بلند کرنے کو کفر نہیں سمجھتی۔منزہ احتشام گوندل نے مرد اور عورت کی تربیت پر بھی بات کی ہے کہ لڑکیوں کو تہذیب سیکھائی جاتی ہے لیکن مرد ہر طرح سے آزاد ہوتے ہیں۔

> ہمارے معاشروں کے اندر لڑکی کو جنس سے نفرت سے کرنا سیکھایا جاتا ہے۔جنس ایک غلیظ اور گندی چیز ہے یہ ان کے دفاعوں میں ڈالا ہے جبکہ جنسی آزادی دی جاتی ہے۔[۴۳]

راشدہ قاضی کے بچپن ہی سے والدین کی وفات ہو گئی تھی۔آپ کی ایک ہی بہن آپ کا اکلوتا سہارا ہیں۔آپ غازی یونیورسٹی میں صدر شعبہ اردو ہیں۔آپ کے افسانوی مجموعوں میں پہلی سی محبت اور ۳۶ گھنٹوں میں ۱۵ منٹ شامل ہیں۔آپ کی تخلیقی زندگی میں تین سرچشمے نظر آتے ہیں۔ایک وہ خود ہیں کیونکہ والدین کے نہ ہونے اور بھائی کے نہ ہونے کے باعث راشدہ قاضی میں بے پناہ جذباتی تلاطم پایا جاتا ہے۔دوسرا آپ کے آس پاس قبائلی نظام اور روایات کی دیواریں اور ان سب کے خلاف بغاوت کا عنصر بدرجہ اتم موجود ہے۔آپ نے خدیجہ مستور کی افسانوی کائنات کے حوالے سے پی ایچ ڈی کی ہے۔انہوں نے خدیجہ مستور اور ان کے معاصر ترقی پسند افسانہ نگاروں کا مطالعہ غور سے کیا۔اس لیے آپ کے افسانوں میں ترقی پسندانہ سوچ ملتی ہے۔تیسرا سرچشمہ راشدہ قاضی کی مجلسی

زندگی ہے۔ آپ مباحثہ کو پسند کرتی ہیں اور آپ میں لیڈی کی صفات بھی موجود ہیں۔ آپ کے افسانوں میں جذباتیت عروج پر ہے۔ آپ بھی عورت کے حقوق کے لیے آواز بلند کرتی نظر آتی ہیں۔ آپ اپنے خطے میں استحصال کا نشانہ بننے والی عورت پر بڑی گہرائی سے دکھ محسوس کرتی ہیں اور قلم سے تصویر پیش کرتی ہیں۔

دردانہ نوشین آپ کا قلمی نام ہے اور اصل نام دردانہ خان ہے۔ آپ کے افسانوی مجموعوں میں پہلا زینہ، ریت میں ناو اور ریگ ماہی شامل ہیں۔ افسانوی مجموعوں کے علاوہ آپ کا ناول اندر جال نظموں کا مجموعہ پھولوں کی رفو گری شائع ہو چکا ہے نوائے وقت میں کالم بھی لکھتی ہیں۔ آپ اس خطے سے ادبی دنیا میں متعارف ہوئی ہیں۔ جہاں خواتین کو اپنی تکریم کے لیے ادبی شناخت نہیں بلکہ اخلاقی مشرقی اقدار کا دامن تھامنا ہوتا ہے۔ آپ کے افسانوں کے موضوعات نفسیاتی اور سماجی شعور کے حوالے سے ہیں۔

صائمہ ارم نے پی ایچ ڈی ۲۰۱۱ء میں اردو افسانے میں شہری زندگی کے مسائل پر گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور سے کی۔ آپ پہلے بچوں کے رسالے "آنکھ مچولی" میں لکھتی رہی ہیں۔ آپ کو منٹو، عصمت، رشید جہاں، بلونت سنگھ، نیئر مسعود، بیدی، سلیم الرحمان نے متاثر کیا۔ آپ اپنے موضوعات کو بے باکی سے بیان کرتی چلی جاتی ہیں۔ بعض جگہ پر عصمت چغتائی اور واجدہ تبسم کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ آپ کا سامنا پختہ ذہن کے شاگردوں سے ہوتا ہے۔ اس لیے آپ اپنے قاری کو بھی پختہ ذہن تصور کرتی ہیں اور بے باکی سے لکھ دیتی ہیں۔ آپ نے بعض افسانوں میں گالم گلوچ سے بھی کام لیا ہے۔

> امریکہ کو تیل چاہیے تھا، تیرے بادشاہ کو منس پر چڑھا کے پہلے ایران کی گانڈ میں دیا اس کا اپنا تیل نکل آیا تو کوتیوں کی چوت میں گھسیڑ دیا۔ [۲۴]

راحت وفا ملتان کے نامور صحافی حشمت وفا کی بیٹی ہیں۔ آپ نوائے وقت میں لکھتی رہی ہیں۔ آپ کے ناول بھی شائع ہو چکے ہیں۔ جس میں گڑیا، ایک تھی نیناں، بارش میری سہیلی، مور کے پاوں اور ہتھیلی پہ پانی شامل ہیں۔ آپ رومان کی گرفت میں ہیں۔ آپ کے افسانوں میں چار چیزیں وافر مقدار میں پائی جاتی ہیں۔ محرومیاں، خواب طول دینے کی صلاحیت اور زبان پر گرفت، آپ کے افسانوں میں محرومیوں کی داستان، خواب ناک دلدلیں، سسکتی قربانیاں، فرسودہ تہمات، رنگین جذباتی سہارے موجود ہیں اور آپ کے کرداروں میں ایثار، دردناک موت پچھتاوا وغیرہ کی وجہ سے رومانوی انسانوں میں کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ بیگم شائستہ اکرام اللہ نے بیرون ملک تعلیم حاصل کی قیام پاکستان سے ایک برس پہلے بنگال لیجسلیٹو اسمبلی میں عورتوں کی نشست پر منتخب ہوئی۔ آپ ایوب خان کے دور میں بنیادی جمہوریتی نظام کا حصہ بھی رہیں۔ آپ کا ایک ہی افسانوی مجموعہ کوشش نا تمام ہے۔ آپ کے کچھ افسانوں پر سجاد حیدر یلدرم کی فکر کا اثر نظر آتا ہے۔ آپ نے زیادہ تر مرد اور عوت کے ذہنی عدم مطابقت

کے موضوع پر لکھا ہے۔ آپ بے بنیاد جوڑیوں کی شادی پر بھی قلم کے ذریعے آواز بلند کرتی نظر آتی ہیں۔اس کے علاوہ وہ گھر کو اجاڑنے والی عورتوں اور مردوں کو جنسی ہوس کو بھی موضوع بناتی ہیں۔ان کا لب ولہجہ عموماً سادہ ہے لیکن کبھی شاعرانہ طرز بھی آجاتا ہے۔ آپ کا افسانوی مجموعہ کوشش کا دیباچہ نامور ترقی پسند افسانہ نگار احمد علی نے لکھا ہے اور کہتے ہیں۔

> ہمارے مرد یا تو صحیح تعلیم کی کمی یا سوسائٹی کی دقیانوسی قدروں کے باعث عورت کے جذبات اور اس کی امنگوں اور خواہشات کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ [۳۵]

سائرہ ہاشمی جمیلہ ہاشمی کی بہن ہے لیکن ان کو حصے میں جمیلہ ہاشمی جیسی پذیرائی حاصل نہیں ہوئی۔ آپ کو نظر انداز کیا گیا۔ آپ نے جذباتی انداز میں عورتوں کے مسائل پر لکھا ہے۔ وہ مردوں کی نفسیاتی خرابیوں پر بھی قلم اٹھاتی نظر آتی ہیں۔ آپ نے مردوں کے تلون، ہوس زر اور جنسی استحصال کے خلاف بہت تلخی سے لکھا ہے۔ آپ مغربی معاشرت کے منفی پہلوؤں کو اجاگر کرتے نظر آتی ہیں۔

ام عمارہ نے عورتوں کے مسائل کو اپنے افسانوں میں ڈھالا ہے آپ بے باکی سے ہر بات کا اظہار کم ہی کرتی ہیں۔ آپ اپنی سینئر افسانہ نگاروں سے متاثر نظر آتی ہیں۔ آپ عصمت چغتائی، واجدہ تبسم اور قرۃ العین کی تحریروں سے متاثر ہیں۔ آپ افسانوں میں اپنی ذات کے ذریعے سماجی امتیازات کو محسوس کرتی ہیں۔ آپ کے اسلوب میں پاکستانی ثقافت کو واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

فرحت پروین کے اپنے بیشتر افسانوں میں ماںتا کے جذبے میں نو عمر بچیوں کے خدشات میں ڈوبے ہوئے مستقبل کو موضوع بنایا ہے اور اس میں کسی قوم، نسل اور خطے کی کوئی قید نہیں ہے۔ آپ کا ایک اور موضوع انسانی باطن میں اس طرح اتر جاتا ہے کہ باظاہر اجلے جذبوں کا گدلا پانی بے نقاب ہو جاتا ہے۔ آپ نے درمیانی طبقے کی منافقت پر بھی قلم اٹھایا ہے۔اس حوالے سے "مامالو چیا" اور "ملک بدر" نمائندہ افسانے ہیں۔

نجمہ سہیل اردو کے نامور نقاد استاد ڈاکٹر سہیل احمد خان سے آپ نے کم عمری میں بیوہ ہونے کے بعد شادی کی۔ آپ کے افسانوں میں نئی نسل کے رویے دیکھائے گئے ہیں۔ آپ جزیشن گیپ اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم پر طنز کرتی ہیں۔ آپ پرانی نسل کے فرسودہ خیال کو رد کرتی ہیں۔ اسی طرح وہ ان والدین کو بھی سمجھانے کی کوشش کرتی ہیں جو اپنی بچیوں کو بڑھاپے اور تنہائی میں دھکیل دیتے ہیں۔ مگر ان کی بروقت شادی میں روکاوٹ بن جاتے ہیں۔

رئیس فاطمہ تدریس اور صحافت سے وابستہ ہی ہیں۔ آپ نے سیاسی لیڈروں کی ریاکاری، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی عوامی مسائل سے بے تعلقی کو زیادہ تر افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔

عطیہ سید نامور استاد ڈاکٹر سید عبداللہ کی بیٹی ہیں اور آپ فلسفے کی استاد ہیں آپ نفسیات سے بھی واقف ہیں آپ بے باکی سے بیان کرتی ہیں۔

شہناز حیدر نقوی ملتان کے معروف ادبی گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ آپ بطور شاعرہ زیادہ مشہور ہیں۔ آپ نے اپنے افسانوں میں عورت کی انااور گھریلو مسائل کی کشمکش کو موضوع بنایا ہے۔

غزالہ خاکوانی کے افسانوں کے موضوعات میں عورتوں کا استحصال، حسد اور رقابت کا احساس، خاندانی سسٹم، سماجی تعصب، ناہمواری وغیرہ کو بے باکی اور تجزیہ انداز میں بیان کیا ہے۔

نگار عظیم، شائستہ فرخری، غزال ضیغم، قمر جہاں، تبسم فاطمہ، انجم قدوائی، غزالہ قمر، اعجاز، سیمین کرن، شائستہ انجم، نوری، سمیرا حیدر، رابعہ الربا، ہما فلک، حمیرا اشفاق، نجیبہ عارف، ترتم ریاض، بلقیس ریاض، ثمرین افتخار، ارم بتول، ہاشمی بلراج منیر، حسنین سحر، سعید اشعر، اشتیاق احمد، عمران امین، وقار احمد ملک وغیرہ اکیسویں صدی کے مسائل اور نفسیاتی الجھنوں کو اپنے افسانوں میں ڈھال رہے ہیں۔

مندرجہ بالا تفصیلات سے ثابت ہوتا ہے کہ اردو ادب میں نفسیاتی الجھنوں کو پیش کیا جارہا ہے کیونکہ ادب اور نفسیات کا آپس مین گہرا تعلق ہے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ادب کا مطالعہ ایک طرح سے حقیقی تسکین کا باعث بنتا ہے ادب کی تخلیق اور مطالعے میں ایک قسم کی ہی نفسیاتی کیفیات موجود رہتی ہیں ہم افسانوی ادب کا مطالعہ بھی اس لیے کرتے ہیں کہ اپنی نفسی ضرورتوں کا توازن قائم کر سکیں مصنفین اپنی تخلیقات کو کم اور اپنی دی ہوئی خواہشات کا اظہار اپنی کہانیوں میں کرتے ہیں۔ اردو ادب کے افسانہ نگاروں نے بھی انسان کی تیزی سے بدلتی ہوئی زندگی میں پیدا ہونے والے ذہنی الجھنوں کو اپنے افسانوں میں بیان کیا ہے۔ بیسویں صدی کے پانچویں اور چھٹے عشرے میں عرفان ذات کا چرچا ہوا اور نفسیاتی شعور افسانے تحریر ہوئے ہیں۔ ہمارے ہاں باضمیر ادیب کیلئے علامت کا پیچیدہ نظام جذباتی گھٹن کے تزکیے کا وسیلہ ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح اکیسویں صدی کے افسانہ نگار انسان کی ذہنی الجھن کو اپنے افسانوں میں بیان کر رہے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ دیویندر اسر،ادب اور نفسیات (دہلی: مکتبہ شاہرہ ۱۹۶۳ء)، ص ۹۵۔

۲۔ جینون رینی (Guenon Rene)، *Symbols Fandamentaux De Le science*، (Pair Gallimad: ۱۹۶۲ء)، ص ۲۶۔

۳۔ فردوس انور قاضی ، اردو افسانہ نگاری کے رجحانات (لاہور: ایف ڈی پرنٹر ۱۹۹۹ء)، ص ۳۸۴۔

۴۔ سید احتشام حسین، اعتبار نظر (لکھنؤ: کتاب پبلشرز چوک)، ص ۱۱۲۔

۵۔ کرشن چند، نظارے ، (جہلم: بک کارنر ۱۹۷۸ء)، ص ۳۵۔

۶۔ سعادت حسن منٹو، "افسانہ نگار اور جنسی مسائل" سویرا (لاہور: ۱۹۴۹ء): ص ۵۵۔

۷۔ سعادت حسن منٹو، چند (بمبئی: نیا ادارہ ۱۹۴۷ء)، ص ۲۵۔

۸۔ سعادت حسن منٹو، چغد، (بمبئی، کتب پبلشرز، ۱۹۴۷ء) ص ۱۱۸۔

۹۔ گوپی چند نارنگ، بیدی کے فن کی استعاراتی اور اساطیری جڑیں اور افسانہ روایت اور مسائل (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۸۴ء)، ص ۳۰۳۔

۱۰۔ غلام عباس، آنندی، (لاہور، مکتبہ جدید، ۱۹۴۸ء) ص ۳۵۔

۱۱۔ ممتاز مفتی، مغشیانے (لاہور فیروز سنز ۱۹۸۹ء)، ص ۸۳۵۔

۱۲۔ رشید امجد، بیزاد آدم کے بیٹے (راولپنڈی: دستاویز پبلیشرز)، ص ۹۔

۱۳۔ انوار احمد، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ (ملتان: کتاب نگر ۲۰۱۷ء)، ص ۵۶۱۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۶۷۔

۱۵۔ ظہیر بابر، اپنی آگ کی تلاش (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۹ء)، ص ۱۳۵۔

۱۶۔ ابن کنول، ''عصمت چغتائی کی افسانہ نگاری''، اردو ریسرچ جرنل، شمارہ ۱۰ (جون ۲۰۱۷) : ص ۲۳۔

۱۷۔ بانو قدسیہ، ہجرتوں کے درمیان (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۱۰ء)، ۷۱۔

۱۸۔ علی عثمان قاسمی، '' توجہ کی طالب پر ایک نظر''، معاصر، شمارہ ۱۰ جلد ۱ (۲۰۰۱ء): ص ۲۷۲۔

۲۰۔ انوار احمد، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، ص ۶۰۴۔

۲۱۔ جمیلہ ہاشمی، قیدی سانس لیتا ہے (کراچی: مکتبہ دانیال ۱۹۸۳ء)، ص ۱۱۔

۲۲۔ انوار احمد، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، ص ۶۸۷

۲۳۔ فاطمہ حسن، کہانیاں گم ہو جاتی ہیں (کراچی: شہزاد پرنٹرز ۲۰۰۰ء) ص ۳۸۰۔

۲۴۔ فریدہ حفیظ، آنچل کی آگ (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن ۲۰۰۱ء)، ص ۳۳۷۔

۲۵۔ صباحت مشتاق، سات کہانیاں (لاہور: فکشن ہاوس ۱۹۹۷ء)، ص ۱۰۔

۲۶۔ منزہ احتشام گوندل، آئینہ گھر (جہلم: بک کاونٹر ۲۰۱۷ء)، ص ۶۲۔

۲۷۔ صائمہ ارم، شالوش (کراچی: آج کی کتابیں ۲۰۱۲ء)، ص ۳۲۔

۲۸۔ انوار احمد، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، ص ۷۷۶۔

باب سوم:

نسائی کرداروں کی تحلیل نفسی

باب سوم:

نسائی کرداروں کی تحلیل نفسی

تحلیل نفسی کو ۱۸۹۰ء کے اوئل میں آسٹریلیا کے مشہور ماہر نفسیات سگمنڈ فرائیڈ نے متعارف کروایا تھا۔ تحلیل نفسی میں لا شعور کے مطالعہ و تجزیہ سے متعلق نظریات اور علاج کے طریقوں کا ایک مجموعہ ہے۔(Unconscious -mind) دماغ کسی بھی فن پارے کی تقسیم کے لیے انسانی شعور اور لا شعور کو جاننا بے حد ضروری ہے اور تحلیل نفسی اس کے لیے کلیدی اساس ثابت ہوئی۔ اس کے تحت تخلیقاروں اور تخلیقات کے بارے میں نئے نئے انکشافات سامنے آئے۔ لاشعور ہیجان اور شعوری دنیا ادب کے ذریعے تخلیقی اظہار کر کے تسکین پاتی ہیں۔ تخلیقار عام انسانوں کی نسبت غیر معمولی متخیلا شعور اور لا شعور کا مالک ہوتا ہے۔ چناچہ اس کے پاس خواہشات کا دباو کی وجہ سے اس کا اظہار بھی مختلف اور شدید ہوتا ہے۔

حامد سراج جانتے ہیں کہ وہ جو کچھ افسانے میں کہہ رہے ہیں اسکی معاشرے میں کیا اہمیت ہے۔ اس لیے ان کے کردار بہت باہمت اور حوصلہ مند دکھائی دیتے ہیں۔ وہ تبدیلی چاہتے ہیں۔ اور اس کے لیے وہ جدوجہد کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کے ہاں حقیقت پسندانہ ماحول ہوتا ہے۔ یوں تو افسانہ ایک مختصر دائرہ سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر ان کے افسانوں میں جب کرداروں کہ تشکیل کا جائزہ لیتے ہیں۔ تو اس میں تنوع اور حیرت انگیزی رنگا رنگی ملتی ہے۔ وہ اپنے بہت سے افسانوں میں خود بھی موجود ہیں مگر کرداروں کے قول و فعل میں دخل نہیں دیتے۔ ان کے افسانوی کرداروں سے معاشرتی زندگی کی بہت سی تہیں نکلتی ہیں۔ اس لیے ان کے کرداروں سے قاری اجنبیت محسوس نہیں کرتا۔ ان کرداروں کی تشکیل حامد سراج کے تہذیبی شعور کا نتیجہ ہے۔ ان کے ایک ہم عصر افسانہ نگار منیر احمد فردوس اپنے ایک مضمون "حامد سراج بطور حیات نگار" میں لکھتے ہیں:

> حامد سراج بہت ہی شفیق تخلیق کار ہیں، اپنے ہر کردار سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ ان پر کوئی قدغن نہیں لگاتے۔ انھیں اپنی مرضی کی زندگی جینے کی کھلی اجازت دیتے ہیں۔ وہ ایسے باکمال افسانہ نگار ہیں کہ جو نہی چند کرداروں کو یکجا کرتے ہیں تو کہانی بننا شروع ہو جاتی ہے۔ اور انکا ہر کردار زندگی کے نئے نئے پہلو کھوجتا چلا جاتا ہے۔[۱]

محمد حامد سراج کا شمار عصر حاضر کے اہم ادبا میں ہوتا ہے۔ آپ کے افسانوں کا سب سے مرغوب موضوع زندگی ہے۔ آپ زندگی کی کسوٹی اور اس کی پکار کے مطابق خود کو ڈھال لیتے ہیں۔ آپ کی افسانوی تخلیقات میں ابہام کی بھول بھلیاں نہیں بلکہ کبھی سہل اور بامعنی علامت نگاری تو کبھی قابل فہم اور بامقصد تجرید اور کبھی دل نشین بیانیہ

موجود ہے۔ آپ کی کہانیاں اور کردار کسی متھ سے مستعار نہیں بلکہ عام زندگی، سماج اور ماحول سے اخذ شدہ ہیں۔ آپ کے کردار اتنے اصلی ہیں جتنے حامد سراج خود ہیں۔ آپ کے افسانوں کی کئی جہتیں ہیں مثال کے طور پر جنگ، محبت، موت، ناسٹلجیا، مذہب، نفسیات اور لاشعور وغیرہ۔

اس مقالے میں محمد حامد سراج کے افسانوی کرداروں کا نفسیاتی مطالعہ کارل گستاژونگ (۱۹۶۱- ۱۸۱۵) کی تھیوری (تحلیل نفسی) کے مطابق کیا جارہاہے۔ جو درجہ ذیل ہے۔

ا۔ شخصیت کی ساخت

۲۔ ذاتی لاشعور

۳۔ اجتماعی لاشعور

ب۔ شخصیت کے نفسیاتی خصوصیات کے لحاظ سے دو گروہ ہیں۔

ا۔ اندرون بین

۲۔ بیرون بین

ان دونوں کے مزید دو گروہ درج ذیل ہیں۔

ا۔ تجس اندرووں بین

۲۔ تجس بیرون بین

۳۔ وجدانی اندروں بین

۴۔ وجدانی بیرون بین

۵۔ احساسی اندروں بین

۶۔ احساسی بیرون بین

۷۔ تفکر اندروں بین

۸۔ تفکر بیرون بین

ذاتی لاشعور میں مختلف تجربات اور واقعات جمع ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں ایک جیسے تجربات اکھٹے ہو کر گرہوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں خیالات کے ان مجموعوں یا گرہوں کا ایک مرکز ہوتا ہے۔ جو مقناطسی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ مرکزہ (مرکزی حصہ جس کے گرد اور چیزیں جمع ہوتی ہیں، نباتاتی اور حیواناتی حصہ) متعلقہ خیالات کو گروہ کی شکل دیتا ہے۔ مرکزہ جتنا طاقتور ہوگا اتنے تجربات کو اپنی طرف کھینچے گا۔ مشابہ خصوصیات والے ان گرہوں کو کارل

گستاژونگ الجھاؤ کا نام دیتا ہے۔ الجھاؤ مختلف نوعیت کے ہو سکتے ہیں۔ الجھاؤ دراصل اچانک اثر انداز ہوتے ہیں اور انسانی مستقبل پر، احساسات اور منصوبوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ الجھاؤ جذبات و کردار کو بھی خود بخود کنٹرول کرتا ہے۔ جب کہ یہ مدغم شدہ اور پوشیدہ مگر دماغ پر چھائی ہوئی نفسیاتی مادہ اور بکھر ہوئی صورت حال ہے۔ ژونگ کے مطابق الجھاؤ اپنی بناوٹ کے لحاظ سے نفسیاتی صورت حال میں کسی چیز کے بکھیرے ہوئے ٹکڑوں کی مانند ہے جو کہ جذباتی صورت حال اختیار کر سکتا ہے۔ یہ برتاؤ میں حد سے تجاوز کیا ہوا ہوتا ہے جو کہ شعور کے دائرے سے باہر ایک عجیب حیثیت ارو اہمیت رکھتا ہے۔

بعض طرح کے الجھاؤ میں نفسیاتی مشکلات دماغی بیماریوں کی وجہ سے ہوتے ہیں اور بعض انا کے بہت زیادہ شدت پسند ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ درحقیقت متحرک الجھاؤ تناؤ کے زیر اثر عمل میں آتے ہیں۔ کارل گستاژونگ کے مطابق الجھاؤ کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ جن میں سے کچھ درجہ ذیل ہیں۔

مادری کلیت (Oedipus complex) الجھاؤ زیادہ تر مردوں میں پایا جاتا ہے۔ اس میں دو طرح کے الجھاؤ ہوتے ہیں۔ ایک مثبت اور دوسرا منفی، مثبت الجھاؤ فطری طور پر ہوتا ہے کہ بیٹا ماں کے ساتھ لگاؤ رکھتا ہے اور بیٹی باپ کے ساتھ لگاؤ رکھتی ہے۔ اسی طرح منفی میں اگر بیٹا باپ سے لگاؤ رکھے اور بیٹی ماں سے لگاؤ رکھے تو یہ منفی الجھاؤ میں آئے گا۔

☆مذہبی الجھاؤ اس میں انسان اپنے اندر خدا کی شکل بنالیتا ہے۔ جب انسان اپنی زندگی میں ناکام ہوتا ہے تو وہ خدا کو ہی قصوروار ٹھہراتا ہے کہ یہ ناکامی خدا کی وجہ سے ہے۔ جبکہ اس انسان کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اس کی اپنی غلطی ہے۔

☆پدرانہ، مادرانہ الجھاؤ یہ دراصل دونوں والدین کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ والدین میں کسی ایک کی طرف سے اس طرح کا الجھاؤ محسوس کیا جا سکتا ہے جو کہ انسان ماں یا باپ کو لاشعوری طور پر الجھاؤ کو کسی ایک سے منسلک کرتا ہے۔ یہ الجھاؤ مثبت اور منفی ہو سکتا ہے۔ مثبت الجھاو میں بچہ اپنے والدین میں سے کسی ایک سے زیادہ متاثر ہوتا ہے اور اس جیسا بننا چاہتا ہے۔ منفی الجھاؤ میں انسان، ماں یا باپ کسی ایک سے اتنی نفرت کرتا ہے کہ اس کو مرا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔

☆ہیرو الجھاؤ اس میں انسان خود کو ہیرو سمجھتا ہے۔ خود ہی گھر یا محفل میں فساد ڈال کر لڑائی کرواتا ہے۔ اور بعد میں مسلے کو حل بھی وہی کرواتا ہے۔ اس طرح وہ سب کی نظر میں ہیرو بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر آدمی خود آگ لگاتا ہے اور جب سب کو پتا چل جاتا ہے کہ آگ لگ گئی ہے تو وہ خود آگ بجھانے والوں میں ہوتا ہے۔ احساس کمتری بھی الجھاؤ کی شکل ہے۔ جس میں انسان کو اپنی کمزوریوں کا پتا ہوتا ہے پھر بھی وہ خود کو برتر سمجھتا ہے۔ احساس برتری میں انسان خود کو سب کچھ سمجھتا ہے۔

اس میں مرد کسی ایک عورت پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ہر خوب صورت لڑکی (Don-Juanism) جنون شہوت اس کو متاثر سمجھتا ہے۔اور اپنی بیوی میں خامیاں نظر آنے لگتی ہیں اور ہر خوب صورت لڑکی پر اپنا حق سمجھتا ہے۔[۲۲]

محمد حامد سراج کے افسانوی کرداروں میں الجھاؤ بدرجہ اتم موجود ہے۔ہر کردار کا الجھاؤ مختلف نوعیت کا ہے۔ آپ کے افسانوی مجموعے برائے فروخت کے افسانے "چائے کی پیالی" میں دو مرکزی کردار ہیں ایک نسائی کردار اُرینہ اور دوسرا مرد کردار اثارت احمد ہے۔اس میں ارینہ کا کردار الجھاؤ کا شکار ہے۔ارینہ بہت خوب صورت ہوتی ہے۔اس کی شادی اثارت احمد سے ہوتی ہے۔ارینہ کا شوہر اس کو مغلیہ عہد کی شہزادیوں کی طرح کئی کنیزیں رکھ کے دیتا ہے۔ارینہ کو اس بات سے الجھن ہوتی ہے۔کہ اس کا شوہر اس کے ظاہری حسن کی پذیرائی کرتا ہے جبکہ وہ اس کے اندر تو جھکتا تو اس کو ارینہ کی سیرت کا پتا چلتا تو زیادہ خوشی کی بات تھی۔اس کے علاوہ ایک دن اس کا شوہر ارتات احمد ارینہ سے کہتا ہے کہ میرے ساتھ مسئلہ ہے۔ارینہ بے تابی سے پوچھتی ہے کہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہو وہ جواب دیتا ہے۔میرے اندر شک کا زہر پھیل گیا ہے۔میں ارینہ تم سے کھل کر بات کرنا چاہتا ہوں کہ تم اتنی خوب صورت ہو شادی سے پہلے تمہارے چاہنے والے بہت ہوں گے۔جبکہ ارینہ باکردار لڑکی ہوتی ہے۔اس کا شوہر ارینہ کی زندگی میں پہلا مرد ہی ہوتا ہے۔ارینہ یہ سب سن کر اندر سے ٹوٹ جاتی ہے اپنا بکھرا ہوا وجود کو اکٹھا کرتے کرتے تھک جاتی ہے اور الجھ کر رہ جاتی ہے۔اکثر سوچوں گم رہتی ہے کہ کسی کی خوب صوررتی اتنی بھی خطرناک ہو سکتی ہے جو سیرت کو بھی نظر انداز کر دے۔وہ خود سے الجھی الجھی رہتی ہے۔جب وہ اپنی سوچوں سے تنگ آتی ہے تو وہ "فرار" کو اختیار کر لیتی ہے۔"فرار" ایک نفسیاتی تکنیک ہے۔جس میں اانسان اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے معاشرتی طور پر کوشش نہیں کرتا بلکہ اپنے اندر ایک الگ دنیا بنا لیتا ہے جس سے وہ خود کو پر سکون محسوس کرتا ہے۔اسی طرح ارینہ بھی اپنی تمام تر خواہشات کی تکمیل معاشرتی طور پر قابل قبول راہ کسی صورت میں ہو جائے اس کو جب اس کے ہمسفر کی جانب سے وہ پیار والتفات حاصل نہیں ہو سکتا تو اپنے اندر کے الجھاؤ کو دور کرنے کے کی خاطر غیر حقیقی اور افسانوی کرداروں کے ساتھ ایک نئی دنیا بسا لیتی ہے اور ان ہی سے اپنی مجروح کردہ خوااہشات کی تکمیل کرتی ہے۔

میں نے اپنے اندر تخیل تعمیر کیا ہے۔ایک وجیہہ شخص کا تخیل۔۔۔۔بلکل ایسے جیسے فرانسیسی ناول نگار پیرالوی کے عظیم الشان ناول افروڈائیٹ کا مرکزی کردار۔۔۔۔جب وہ مجھے چھوتا ہے تو میرے پورے وجود میں موسیقی کی لہریں اٹھتی ہیں۔میرا پورا جسم موسیقی کے آلات میں بدل جاتا ہے جب وہ میری زلفوں کی تار پر کوئی راگ چھیڑتا ہے تو میں دنیاومافیہا سے کٹ جاتی ہوں۔[۲۳]

مندرجہ بالا اقتباس سے ہم اس الجھاؤ کو باخوبی محسوس کر سکتے ہیں اور وہ اس الجھاؤ سے نکلنے کے لیے نفسیاتی

تکنیک "فرار" کا استعمال کرتی ہے۔

محمد حامد سراج کا افسانوی مجموعہ بخیہ گری کا افسانہ "سیاہ کار" میں دو مرکزی کردار ہیں۔ مرد کردار ذاکر اور نسائی کردار زکیہ ہے۔ اس افسانے میں نسائی کردار الجھاؤ کا شکار ہے۔ زکیہ اور ذاکر میاں بیوی ہیں۔ دونوں ملازمت کرتے ہیں اور گھر کے اخراجات پورے کرتے ہیں وہ ربوٹ کی طرح زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ ان دونوں کے پاس وقت نہیں ہوتا اور ذاکر اور زکیہ کی ارینجڈ میرج ہوتی ہے۔ دونوں پہلی رات ہی ایک دوسرے کے ساتھ سمجھوتا کر لیتے ہیں۔ اس رات دونوں کے صرف اجسام تھے جو مہک سے خالی تھے۔ ان میں سے وہ خوشبو کبھی نہ پھوٹی جو کسی بھی خوشبو سے زیادہ مدہوش کن ہوتی ہے۔ زکیہ ایک دوسرے مرد نعیم کے چکر میں پڑھ جاتی ہے۔ جب اسے پہلا تحفہ دیتا ہے وہ اتنا قیمتی ہوتا ہے کہ وہ جب اس کو بیچتی ہے تو زکیہ کو ایک لاکھ سے زیادہ رقم ملتی ہے۔ وہ بہت الجھ کر رہ جاتی ہے کہ وہ جب اتنی بڑی رقم اپنے گھر لے کر جائے گی تو اپنے شوہر کو کیا بہانہ کرے گی۔ زکیہ کا اپنا ضمیر مطمئن نہیں ہوتا اور وہ اس ناجائز رشتے کی وجہ سے بھی الجھن کا شکار ہوتی ہے۔ وہ یہ سوچتی رہتی ہے اور الجھن کا شکار رہتی ہے کہ وہ اس رشتے کو آگئے جاری رکھے یا نہیں۔ اس کو نعیم کی وہ باتیں بھی الجھا رہی تھی جیسے وہ زکیہ پر اپنا پیسا لوٹا رہا تھا۔ اس اقتباس میں زکیہ کے الجھاؤ کو دیکھا جا سکتا ہے۔

> گھر پہنچی تو اس کا ذہن بالکل خالی تھا۔۔۔ کار کی رقم اس کے اکاونٹ میں ٹرانسفر ہو چکی تھی۔ لیکن پستہ قد شخص کی باتوں نے اسے الجھن میں ڈال رکھا تھا۔ وہ باتوں کی بازگشت سے نکلنا چاہتی تھی۔ [۲۲]

افسانہ "سناٹا کہاں گیا" میں مرکزی کردار دو ہیں اس افسانے میں عورت کا کردار الجھاؤ کا شکار ہے۔ محمد حامد سراج نے افسانے کے کرداروں کے نام واضح نہیں کیے۔ اس کہانی میں مرد اور عورت ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں لیکن نسائی کردار الجھاؤ کا شکار ہے۔ وہ مرد سے بے پناہ محبت کرتی ہے لیکن ہمیشہ اس الجھن میں کھوئی رہتی ہے کہ یہ مرد قابل بھروسہ ہے کہ اس شخص پر اپنا سب کچھ لوٹا دوں۔ وہ ایسی سوچوں کے گھیرے میں رہتی ہے۔ اور اس مرد کی خلوص نیت پر شک کرتی ہے۔ وو اس مرد کو کہتی ہے کہ مجھے کبھی کبھی لگتا ہے کہ تمہارے یہ جذبے کچے تو نہیں تو وہ مرد اس کو یقین دلا دلا کر تھک جاتا ہے لیکن وہ عورت ان الجھنوں کو اپنے اندر سے نہیں نکال سکتی۔ وہ یہ سوچتی رہے جاتی ہے کہ وہ لڑکا اس کے ساتھ آخر تک وفا کرے گا کہ نہیں یا اس کو بیچ راستے میں چھوڑ کر چلا جائے گا۔ وہ اس لڑکے کو کہتی ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں کیوں کہ وہ بہت زیادہ ذہنی طور پر الجھی ہوئی ہوتی ہے۔

افسانہ "ہذیان" میں نسائی کردار الجھاؤ کا شکار ہے۔ اس کہانی میں والدین کے متعلق منفی الجھاؤ کی کیفیات نظر آتی ہیں۔ لڑکی ماں اور باپ دونوں سے نفرت، خوف، اور بے چینی محسوس کرتی ہے۔ وہ اپنے والدین سے الگ ہونا چاہتی ہے۔ اس قسم کے الجھاؤ کو مادری کلیت کہتے ہیں۔ اس الجھاؤ میں وہ لڑکی اپنے والدین کو مارنا چاہتی ہے۔ وہ اپنے

باپ سے الجھی رہتی ہے کیوں کہ وہ اپنے باپ کے بے باک نفسیاتی خواہشات کو پورا کرنے سے خائف ہے۔ وہ اس نفرت کو ااجتماعی طور پر محسوس کرتی ہے اور تمام مردوں کو بھیڑیا تصور کرتی ہے جیسا کہ تمام مرد بد کردار ہوں۔ اس کے دل میں والد کے باکردار نہ ہونے سے مردوں کا غلط تصور پختہ ہو چکا ہے جو کہ منفی ہے کہ بس مرد عورت کو تحقیر اور جنسی خواہشات کی تکمیل ہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ دوسری طرف اس کا منفی الجھاؤ اس کی اپنی ماں کے متعلق بھی ہے۔ وہ ماں سے بھی شدید نفرت کرتی ہے اور اپنی ماں کو اپنی زندگی برباد ہونے کی وجہ سمجھتی ہے۔ وہ اپنی ماں کو اس کی عزت بیچنے پر مجبور کرنے والی ہستی گردانتی ہے۔ اس وجہ سے وہ اپنی ماں کو اپنا سب سے بڑا مجرم بھی کہتی ہے۔ اس لڑکی کے پاس فخر کرنے کو ہر عورت کی طرح عزت جیسی نعمت نہیں ہے۔ وہ بار بار ہر رات پیسوں کے عوض اس کو کھو چکی ہے۔ نفرت اور الجھاؤ بس یہاں تک محدود نہیں بلکہ نسائی کردار اپنے محبوب پر بھی اعتبار نہیں کرتی اور سمجھتی ہے کہ وہ بھی بس حوس کا مارا ہوا عام سا مرد ہے جو اس لڑکی سے اپنی جنسی خواہشات کی تسکین چاہتا ہے۔ درجہ ذیل اقتباس سے اس لڑکی کا الجھاؤ واضح ہوتا ہے۔

> میں بہت مختلف لڑکی ہوں۔ میرے اندر صرف نفرت بہتی ہے۔ مجھے مردوں سے نفرت ہے۔ اپنے باپ سے، بھائی سے، ہر رشتے اور مرد سے، میں شادی نہیں کروں گی کیوں کہ بیٹا جن دیا تو ااس سے بھی نفرت کروں گی۔[۵]

اجتماعی لاشعور دراصل انسان اپنے اباو جداد کی جبلتوں سے حاصل کرتا ہے۔ کارل گستاژونگ کے مطابق یہ ہمارے لاشعور کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے ہوتا ہے۔ انسان کی انفرادی زندگی کو سب سے زیادہ اجتماعی لاشعور متاثر کرتا ہے ژونگ مثال سے واضح کرتا ہے کہ اکثر مذاہب میں جہنم یا نرک کا عقیدہ پایا جاتا ہے جو ااجتماعی لاشعور کی مثال ہے۔ اجتماعی لاشعور پیچیدہ ہے۔ یہ لاشعور کی گہرائی میں پائی جانے والی ایک روح کی مانند ہے جو کہ ذاتی تجربے سے ایک جسم کی صورت اختیار کرتی ہے۔ اجتماعی لاشعور تحلیل نفسی میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اجتماعی لاشعور پورے خاندان، نسل اور مذاہب پر محیط ہوتا ہے۔ مختلف نسلوں، قوموں، تہذیبوں اور مذاہب کے اوصاف، خامیاں، میلانات، اور رجحانات جوں کے توں اس میں منتقل ہوتے ہیں۔ اجتماعی لاشعور انسان کے ہزاروں سال کے تجربات کا نچوڑ ہے۔ اس نچوڑ کو کارل گستاژونگ نے نخستمثال کا نام دیا ہے۔ نخستمثال کو اساسی نقوش بھی کہتے ہیں۔ اساسی نقوش میں نقاب، سایہ اور تصویر زن وغیرہ شامل ہیں۔

محمد حامد سراج کے افسانوں میں اجتماعی لاشعور کی جھلکیاں جابجا ملتی ہیں۔ آپ کے افسانوی مجموعہ وقت کی فصیل کے افسانے "نقش گر" میں اجتماعی لاشعور کا احساسی نقش سایہ کی جھلک نظر آتی ہے۔ اساسی نقش یا سایہ ہے جو اساسی نقش نقاب کے متضاد ہے۔ سایہ ہماری ذات کا دوسرا رخ ہے جو ہمارے ذاتی لاشعور میں بروئے کار آتا ہے۔ یہ

ہمارے اندر کمتر اور منفی پہلوں پر مشتمل ہوتا ہے جو ہم چھپانا چاہتے ہیں۔ افسانہ نقش گر لڑکے اور لڑکی کا کردار ہے۔ لڑکا نقش بناتا تھااور مصوری کا کام کرتا ہے۔ لڑکی اس لڑکے کو کہتی ہے کہ میرے جسم پر نقش بناؤ ایسا سمجھ لو میں ایک کاغذ ہوں۔

مجھے دیکھو میرے بدن پر نقش گری کرو گے ؟میں سمجھ نہیں پایا۔

سمجھ لو میں ایک کاغذ ہوں

تم ہوش میں تو ہو۔۔۔۔۔؟

تمہیں پانے کے بعد ہوش کھویا ہی کب ہے۔[4]

لڑکے نے جواب دیا کہ میں سامنے بٹھا کر تمہارا پورٹریٹ تو بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن بدن پر نقش گری نہیں کر سکتا لیکن وہ اس بات پر باضد رہتی ہے اور کہتی ہے ایک چھوٹی سی معصوم سی خواہش پوری کرنا ہو گی۔ لڑکی کے بار بار اسرار کرنے پر وہ چاند کی چودھویں رات میں نقش گری کا وعدہ کرتا ہے۔ وہ اس رات انتظار کرتی رہتی ہے لیکن وہ لڑکا نہیں آتا۔ اس کہانی میں لڑکی کا منفی پہلو اجاگر ہوتا ہے کسی مرد کا لڑکی کے جسم پر نقش بنانا معاشرتی لحاظ سے غلط ہے۔ اس میں سایہ کا عنصر بدرجہ اتم موجود ہے۔ کیوں کہ لڑکی اپنی منفی خواہشات کی تکمیل چاہتی ہے وہ بالظاہر معصوم لڑکی ہے لیکن وہ اپنی خواہشات کے بارے میں اپنے دوست کو بتاتی ہے۔

آپ کا افسانہ "ہے کوئی" میں اجتماعی لاشعور کا اساسی نقش نقاب نمایاں ہے۔ نقاب سے مراد وہ ظاہری روپ ہے جو دوسرں کے سامنے انسان پیش کرتا ہے۔ کارل گستاؤ ژونگ کے مطابق انسان اپنا اصل روپ لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کرتا۔ نقاب سماجی مطابقت میں سہولت پیدا کرتا ہے۔ اس افسانے میں نسائی کردار نے نقاب پہن رکھا ہے۔ اس کہانی میں مروت نامی شخص ہوتا ہے۔ اس کی پردے سینے کی دکان ہوتی ہے لیکن اس کی دکان پر کوئی گاہک نہیں آتا۔ مروت روز بوجھل قدموں سے اپنے دکھ اور مسائل کاندھوں پر اٹھا کر دکان پر آبیٹھتا ہے۔ اس افسانے کے آخر میں ایک عورت کا کردار نمایاں ہوتا ہے۔ وہ مروت کے پاس آتی ہے اور کہتی ہے کہ ان پردوں کی سلائی کر دو اور زرہ جلدی کر دینا اگلے ہفتے میری چھوٹی بہن کی شادی ہے۔ مروت خوشی خوشی کام کرتا ہے۔ ساتھ کی دکان والا نائی آکر بتاتا کہ اس عورت نے نقاب اوڑھا ہوا ہے۔ بالظاہر یہ خود کو نیک دامن ثابت کرتی ہے۔ یہ عورت اپنا جسم بیچتی ہے اور اپنے سارے کام مفت کرواتی ہے۔ تمہیں بھی مزے کرائے گی۔ یہ اپنے بچوں کی حجامت (نائی) مجھ سے کرواتی ہے۔ گوشت مفت لیتی ہے۔ محلے والوں کے سامنے یہ پاک دامن ہے لیکن یہ جسم فروش کر کے اپنی ضروریات پوری کرتی ہے۔

افسانہ "عادت ہی بنا ڈالی" میں فاطمہ نامی لڑکی جو کسی دوسرے ملک سے کویت آئی ہوتی ہے۔ وہ موسیقی کی

دکان پر کام کرتی ہے۔اس کے پاس ہر ملک کے گانے ہوتے ہیں۔ایک پاکستانی لڑکااس کے پاس آیا کرتا ہے اور پاکستانی گانے سنتا ہے باظاہر وہ لڑکی باکردار ہے لیکن اس نے نقاب چھڑا رکھا ہے۔ وہ باظاہر ایک شریف لڑکی ہے پاکستانی لڑکے کو وہ باکردار ظاہر کرتی ہے لیکن وہ جسم فروش کرتی ہے۔وہ اپنے گھر کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے یہ کام کرتی ہے وہ اپنا ظاہری روپ پاکیزہ اور باطن سے داغ دار ہے۔

محمد حامد سراج کے افسانوی مجموعہ بخیہ گری کا افسانہ سیاہ کار میں نسائی کردار زکیہ میں اجتماعی لاشعور کا سفر سایہ موجود ہے۔ زکیہ اور ذاکر میاں بیوی ہیں۔دونوں ملازمت کرتے ہیں اور گھر کے اخراجات پورے کرتے ہیں وہ ربوٹ کی طرح زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ان دونوں کے پاس وقت نہیں ہوتا ہے۔ذاکر اور زکیہ کی ارینجڈ میرج ہوتی ہے۔دونوں پہلی رات ہی ایک دوسرے کے ساتھ سمجھوتا کر لیتے ہیں۔اس رات دونوں کے صرف اجسام تھے جو مہک سے خالی تھے۔ان میں سے وہ خوشبو کبھی نہ چھوٹی جو کسی بھی خوشبو سے زیادہ مدش کن ہوتی ہے۔ زکیہ ایک دوسرے مرد نعیم کے چکر میں پڑھ جاتی ہے۔جب اسے پہلا تحفہ دیتا ہے وہ اتنا قیمتی ہوتا ہے کہ وہ جب اس کو بیچتی ہے تو زکیہ کو رقم ملتی ہے۔زکیہ کسی اور مرد کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ جسمانی تعلق بھی ہوتا ہے وہ اس منفی کا کو شوہر ذاکر سے چھپاتی ہے اور خود باظاہر اپنے شوہر کے سامنے پاکیزہ بنی رہتی ہے۔

افسانہ "پانچ روپے کا متروک نوٹ" کی عورت میں اجتماعی لاشعور کا عنصر سایہ موجود ہے۔سایہ انسان منفی کم تر سوچ اور کام ہوتے ہیں۔ جو باعث ندامت انسان دوسروں سے چھپاتا ہے اس افسانے میں میاں اور بیوی کے دو کردار ہیں عورت کا میاں اپاہج ہوتا ہے بیوی پہلے گھر کا سارا سامان بیچ کر گھر کے اخراجات کو پورا کرتی ہے۔جب کچھ نہیں ہوتا تو پھر وہ اپنا جسم فروخت کر کے پیسا کماتی ہے لیکن اپنے منفی شوہر سے چھپاتی ہے اور کہتی ہے کہ وہ کسی بوتیک پر کام کرتی ہے۔ جس کی وجہ سے زیادہ پیسے مل جاتے ہیں وہ پہلی دفعہ اپنا جسم فروخت کرنے سے ڈرتی ہے لیکن بعد میں وہ عادی ہو جاتی ہے۔وہ آپنے محلے سے دور جا کر یہ کاروبار کرتی ہے۔جب محلے کا ایک لڑکا اس عورت کو چھیڑتا ہے۔تو وہ اس کو گالیاں دیتی ہے۔اپنے شوہر اور محلے سے اپنے منفی کام کو چھپاتی ہے لیکن اس منفی کام سے بعض نہیں آتی ہے۔ اس کردار میں سایہ کا عنصر نمایاں ہے۔

افسانہ "اندراج" میں دو نسائی کردار ہیں۔ نفیسہ اور ثوبیہ، دونوں کرداروں اجتماعی لاشعور کا نقش سایہ موجود ہے۔ثوبیہ کا کزن عادل انخبرہ سے راولپنڈی آتا ہے۔تو ثوبیہ خود ریلوے اسٹیشن لینے جاتی ہے۔جب وہ آتا ہے رات ہوتی ہے تو خود وہ عادل کے کمرے میں جاتی ہے اور بغل گیر ہو جاتی ہے۔اس نسائی کردار میں سایہ موجود ہے وہ اپنے گھٹیا فعل کو کسی کے آگے نام نہیں لیتی اور رات کے اندھیرے میں سرانجام دیتی ہے عادل بہت پریشان ہوتا ہے کہ یہ

لڑکی ہو کر بھی یہ کام کر رہی ہے۔اگلی رات وہ عادل کے بستر میں گھس جاتی ہے۔اس کا لمس لیتی ہے لیکن پھر باہر گھنٹی بجتی ہے تو وہ فوراً غسل خانے میں بھاگ جاتی ہے۔اس بات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے غلط رویے کو دوسروں سے چھپاتی ہے۔اسی طرح عادل خود حیران اور پریشان ہوتا ہے۔دوسرا نسائی کردار نفیسہ باظاہر باکردار لڑکی ہے لیکن جب عادل گھر جاتا ہے تو اس کا موبائل نفیسہ کے موبائل سے غلطی سے تبدیل ہو جاتا ہے۔جب وہ دیکھتا ہے تو اس کے موبائل میں نیوڈ کلب ہوتا ہے وہ اس کو دیکھ کر دماغ چکرا جاتا ہے۔عادل کی ماں جب اپنے بیٹے کو کہتی ہے کہ اس کا دل ہے کہ وہ نفیسہ سے عادل کو شادی کرتے تو وہ بہت دور بھاگ جاتا ہے۔کہ میں نہیں کرتا اور بے ساختہ گھر سے بہت دور بھاگ جاتا ہے۔اس افسانے میں آج کل کی لڑکیوں کی بے باکی کو دیکھا گیا ہے کہ کس طرح منہ زور ہیں۔اس عورت کی وجہ سے معاشرے کی تہذیب و تمدن میں جان تھی۔لیکن اب وہ بھی نہیں رہی اور عورتوں میں شرم و حیا جیسی نیک صفت کہیں کھو گئی ہے۔اس اقتباس میں سایہ کا عنصر واضح ہوتا ہے۔

> ڈریسنگ ٹیبل تک آیا اور آہستہ خرامی سے کہ ثوبیہ کی آنکھ نہ کھل جائے لیکن اس وقت وہ بھونچکا رہ گیا جب وہ سرعت سے اٹھی اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر اس کے ہونٹ چوم لیے اور اسی سرعت کے ساتھ بستر پر لیٹ گئی وہ ایک لمس اسے بہالے گیا اسے کنگھی تو کیا اپنے بال سنوارنا بھی یاد نہ رہے۔[۶]

افسانہ "ہذیان" میں لڑکی ماں اور باپ دونوں سے نفرت، خوف، اور بے چینی محسوس کرتی ہے۔وہ اپنے والدین سے الگ ہونا چاہتی ہے۔اس افسانے میں وہ لڑکی اپنے والدین کو مارنا چاہتی ہے۔اس افسانے میں لڑکی کی ماں کا کردار میں اجتماعی لاشعور کا عنصر سایہ کی خصوصیات نمایاں ہیں۔وہ عورت اپنی بیٹی سے ہر رات عزت کے عوض پیسے وصول کیا کرتی ہے۔اپنی بیٹی کو یہ کہہ کر خاموش کروا دیتی ہے کہ یہ رقم تمہاری تعلیم میں خرچ ہونی ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔اسی لیے وہ ماں سے ڈھکی نفرت کرتی ہے جو کہ لاشعور کا عنصر "نقاب" ہے جو کہ وہ خود بناں نہیں کرتی مگر اس کے ان محسوسات اور جذبات کو سائیکوسٹ باہر نکلوانے کا موجب بنتا ہے۔

ہر مرد کے اندر ایک تکمیلی عورت ہوتی ہے اور ر عورت کے اندر ایک تکمیلی مرد عنصر موجود ہوتا ہے۔ ژونگ باترتیب ان کو اینیما اور اینی مس کا نام دیتا ہے نہ تو کوئی مرد مکمل طور پر مرد ہوتا ہے نہ ہی کوئی عورت مکمل طور پر عورت ہوتی ہے۔ہم ایک ہی فرد میں زنانہ اور مردانہ خواص صاف دیکھ سکتے ہیں۔جو مرد دیکھنے میں بہت زیادہ مردانہ نظر آئے گا وہ بچوں کے ساتھ انتہائی شفقت کا مظاہرہ کرے گا یا کسی بھی کمزور یا مریض کے ساتھ مضبوط مرد اکیلے میں تو شدید غصے کا اظہار کرے گا۔وہ مرد جذباتی ہو جائے گا اور عقلی بات بھی نہیں کرے گا۔بہادر مرد کسی بھی چھوٹی سی چیز سے خوف زدہ ہو جاتا ہے۔بعض مردوں میں دوسروں کے جذبات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنے کی حیرت انگیز حس

موجود ہوتی ہے۔ یہ تمام زنانہ خوبیاں ہیں۔ مرد کے اندر اس عورت کا موجود ہونا اس کی زنانہ روح کا ایک پہلو ہے۔ جس کو کارل گستاژونگ انیما کا نام دیتا ہے۔ یہ ایک وراثتی اجتماعی تمثیل ہے۔ جو انسان کے لاشعور میں موجود ہے۔ یہ امیج ایک آرکی ٹائپ ہے۔ جو مردوں اور عورتوں کے بہت طویل مدت کے تجربے کا نمائندہ ہے۔ بہت سی خواتین ظاہری طور پر سہی مگر اس تمثیل کے بہت قریب ہوتی ہے۔[۵]

اسی طرح عورتوں میں مردانہ خصوصیات موجود ہوتی ہے جیسے عورت شفقت رکھنے والی نرم دل اور جلدی گھبرا جانے والی ہوتی ہے۔ لیکن بعض عورتیں بہادر بھی ہوتی ہیں وہ مردوں کی طرح ڈٹ جاتی ہیں۔ جنگ کے دنوں میں عورت کے اعمال کا اظہار بہت مثبت طریقے سے ہوتا ہے۔ جب ان کو یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ جگہ اب حاصل کرنی ہے جو مردوں کے پاس ہوا کرتی ہیں تو اس خصوصیات کا اظہار کھل کر کرتی ہیں۔ بعض دفعہ اس کا اظہار گھر کے ماحول ہی سے ہوتا ہے یا پھر اس کا تعلق گھر کے ماحول ہی سے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر پڑھانا، تیمارداری کرنا یا سوشل ورک وغیرہ۔ کسی عورت کی سوچ اور مرد کے جذبات اور احساسات کا تعلق لاشعور کی سوچ سلطنت کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس طرح ماں انیما کے امیج کی پہلی حامل ہوتی ہے۔ اسی طرح لڑکیوں میں باپ اپنی مس کے امیج کا مظہر ہوتا ہے۔ لڑکی خود سوچنے کی بجائے اپنے باپ کے کیے ہو کو دوہراتی رہتی ہے۔ اور اپنی عمر کے آخری حصے میں بہت سے کام اپنے باپ کی طرح کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

افسانہ "ایک اور داو" میں شمائلہ کا کردار میں اجتمائی لاشعور کا عنصر اپنی مس موجود ہے۔ وہ اس افسانے کا مرکزی کردار ہے۔ وہ بڑے زمین دار کی بیٹی ہے اور وہ شہر میں پڑھتی ہے۔ لیکن گاوں میں لڑکیاں شہر پڑھنے کا رواج نہیں ہوتا ہے۔ شمائلہ باپ کو ضد کر کہ مناتی ہے۔ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس لڑکی میں بہادری کا عنصر ہے کہ وہ باپ سے نہیں ڈرتی ہر ایک کے لیے لڑ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ گاوں میں آج تک کسی لڑکی نے بھی کبڈی کا میچ نہیں دیکھا ہوتا ہے کیونکہ سب مرد اکٹھے ہوتے ہیں۔ شمائلہ اپنے باپ سے نہیں ڈرتی اور اپنی اور باپ کو منا لیتی ہے کہ گاؤں کی عورتیں کبڈی کا میچ جا کر دیکھیں۔ جب شمائلہ کبڈی کا میچ دیکھنے جاتی ہے تو وہاں ایک پہلوان ہوتا ہے جس کا نام شکیل ہوتا ہے۔ وہ اس لڑکی کو پسند آ جاتا ہے۔ وہ خود اس کو پہلی دفعہ خط لکھتی ہے اور ملنے کے لیے بلاتی ہے۔ اس سے بھی اپنی مس کی خصوصیات واضح ہوتی ہے کہ عام طور پر مرد اظہار محبت کرتا ہے اور عورت ہمیشہ ایسے کاموں میں شرماتی ہے۔ لیکن اس افسانے میں شمائلہ کا فعل قدر مختلف ہے۔ وہ خود شکیل کو اظہار محبت کرتی ہے اور ملنے کا کہتی ہے۔ دونوں میں دوستی ہو جاتی ہے۔ شمائلہ باپ کے ذریعے شکیل کو پولیس میں ملازمت بھی دلواتی ہے۔ وہ آزاد خیال اور باغی دماغ رکھتی ہے۔ جو کام روایت کے خلاف ہوتا ہے وہ وہی کرتی ہے۔ وہ شکیل کو ملنے کے لیے شہر میں بولاتی ہے۔ عام عورتوں

کی طرح وہ اپنے جذبات واحساسات کو چھپاتی نہیں ہے بلکہ مردوں کی طرح کھل کر بیان کرتی ہے۔

حامد سراج کا افسانہ "اندراج" میں دو نسائی کردار ہیں۔ایک ثوبیہ اور دوسری نفیسہ،ان دونوں میں اجتماعی لاشعور کا عنصر اینی مس پایا جاتا ہے۔دونوں میں مردانہ خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں ثوبیہ خود اکیلے اپنے پھوپوزات کزن کو اسٹیشن سے لینے جاتی ہے۔اس کا پھوپی کا بیٹا بہت حیران ہوتا ہے کہ یہ کیسی لڑکی ہے جو کسی سے نہیں ڈرتی ہے۔وہ ثوبیہ سے پوچھتا ہے کہ موچی کی دکان کہاں ہے ؟اس نے جوتی کو جڑوانا ہے۔وہ جواب دیتی ہے کہ میں کسی اچھی سی دکان سے لے دیتی ہوں اور بڑی بے باقی سے دکان میں چلی جاتی ہے۔ثوبیہ اپنے کزن کو جوتا لے دیتی ہے۔اسی بات سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں مردوں کی طرح بہادری پائی جاتی ہے۔وہ لڑکا تب مزید حیران ہوتا ہے کہ جب وہ اپنی بہادری کا ثبوت دیتی ہے۔جب وہ رات کو اپنے کزن کے کمرے میں آجاتی ہے اور اس کو گلے لگا لیتی ہے۔اس کو ساری حدیں پار کرنے کا کہتی ہے وہ بہت حیران ہوتا ہے کہ کیسی عورت ہے جو خود اپنی عزت میرے ہاتھ میں رکھ رہی ہے۔اس کے پھوپھی ذات کزن کو وائی پوری رات نیند نہیں آتی اور صبح ہوتے ہی اپنے گھر جانے ٹرین پکڑ لیتا ہے۔

محمد حامد سراج کے ناولٹ آشوب گاہ میں بے نام نسائی کردار ہے۔جس میں اجتماعی لاشعور کا عنصر سایہ موجود ہے۔اس کہانی میں دو مرکزی کردار ہیں۔ایک خلجی دوسرا خدیجہ،خلجی اسٹیشن ماسٹر ہوتا ہے اور ایک پہاڑی علاقے میں ملازمت کرتا ہے۔اس کے ساتھ ٹوکن مین اور ضرورت مند ہوتے ہیں۔جو اس کی خدمت کرتے ہیں ایک دن ٹوکن مین بھاگتا آتا ہے اور کہتا ہے صاحب ایک شخص کی لاش پڑی ہے میں اکیلا تھا گھبرا گیا۔جب وہ تینوں، خلجی،ٹوکن مین اور ضرورت مند اسٹیشن پر جاتے ہیں تو دیکھتے ہیں۔ایک بوڑھا آدمی رسیوں سے باندھا پڑا ہے اور درد سے آوازیں نکال رہا ہے وہ اتنے میں اس کو کھولتے ہیں اور خلجی اپنے دفتر میں لے جاتا ہے۔اس کو چائے پلاتے ہیں اور تسلی دیتے ہیں کہ وہ زندہ بچ گیا ہے۔خلجی پوچھتا ہے آپ خودکشی کر رہے تھے تو بوڑھا آدمی رو رو کر اپنی درد بھری داستان سناتا ہے کہ اس کا بیٹا شہر میں روزی کمانے گیا ہوا ہے۔وہ اس کی بیوی اور دو بچے گھر میں رہتے ہیں۔ایک دن میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میری بہو بچوں کے پاس نہیں سوئی پڑی۔جب میں باہر نکلا تو دیکھا وہ دوسرے مرد کے ساتھ ایک کمرے میں بند تھی۔اس نے بوڑھے نے دروازے پر زور سے دستک دی،دروازہ کھلنے تک وہ مرد کھڑکی سے جا چکا تھا۔بوڑھے کی بہو اس کو چھری سے ڈراتی ہے کہ کسی کے آگے ذکر کیا تو وہ اس بوڑھے کو جان سے مار دے گی۔اس نسائی کردار میں اجتماعی لاشعور کا عنصر سایہ موجود ہے۔وہ عورت شادی شدہ ہونے کے باوجود کسی اور مرد سے جسمانی تعلق رکھتی ہے اور رات کے اندھیرے میں اپنے گھر والوں کے ساتھ محلے والوں سے چھپاتے رکھتی ہے۔بظاہر وہ پاک دامن دو بچوں کی ماں ہے لیکن اپنی منفی سوچ اور نفس پر قابو میں رکھ نہیں پاتی تب ہی اتنا برا فعل سرانجام دیتی ہے۔درجہ ذیل

اقتباس سے اجتماعی لاشعور کا عنصر سایہ واضح ہوتا ہے۔

میری بہو مجھے دھکیلتی ہوئی کچن کی طرف لے گئی اور چھری اٹھالائی میرا گریبان پکڑ کے کیا دیکھ بڈھے چیزدوں گی جو کبھی ذکر بھی کیا اس کی منہ زور جوانی کے سامنے میرے بوڑھے اعصاب ٹوٹ گئے وہ روز رات آتا اور سورج نکلنے سے پہلے چلا جاتا مجھے ایسا لگا میں بھڑا ہو گیا ہوں۔[۹]

جس دن اس کے بیٹے نے گھر آنا تھا اس دن میری بہو اور اس کے عاشق نے مجھے رسی سے باندھ کر ریلوے لائن پر رکھ دیا۔ صبح خبر آئی کہ اس بوڑھے کا بیٹا قتل ہو گیا ہے اور اس کی بہو اس مرد کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔

انسان کی نفسیاتی اقسام دو ہیں۔اندرون بین، بیرون بیں۔بیروں بین انسان کے لبیڈا کا رخ باہر کی طرف ہوتا ہے۔اس لیے وہ واقعات میں دلچسپی لیتا ہے ایسا انسان کو لوگوں اور چیزوں کے ساتھ تعلق بھی عزیز رکھتا ہے اور وہ ان پر انحصار کرتا ہے۔ یہ قسم بیرونی عناصر سے اثر قبول کرتی ہے اور اپنے ماحول سے بے حد متاثر ہوتی ہے۔بیرون بین قسم معاشرتی یا شوشل ہوتی ہے اور غیر مانوس ماحول میں بھی اجنبیت محسوس نہیں کرتا ہے۔اس کے برعکس اندرون بین کے لبیڈا کا رخ اندر کی طرف ہوتا ہے۔اس قسم کو دوسروں کے ساتھ رشتوں اور چیزوں پر اعتبار نہیں ہوتا اور غیر شوشل ہوتی ہیں۔اس قسم کے افراد دوسروں کو کم اہمیت دیتے ہیں اور اپنی مخالف اقسام میں مثبت قدروں کی بجائے منفی اقدار تلاش کرتے ہیں۔اسی وجہ سے بے شمار غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں ایک متوازن رویے میں اندرون بین اور بیروں بین کے رویے ایک جیسے ہوتے ہیں مگر اکثر اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک رویہ کو ترقی مل جاتی ہے۔دوسرا لاشعور میں رہ جاتا ہیں مگر اکثر اوقات یہ ہوتا ہے۔کہ لاشعوری رویہ کبھی نہ کبھی اپنا اظہار ضرور کرتا ہے۔اگرچہ یہ اظہار کم تر سطح کا ہوتا ہے۔

ان دونوں رویوں میں تفریق ابتدائی زندگی میں ہو جاتی ہے۔ایک ہی خاندان کے اندروں اور بیرون بین بچے دیکھے جا سکتے ہیں۔ بیرون بین بچے کی پہچاننے کی یہ علامت ہے کہ وہ اپنے ماحول کے ساتھ اس کا مطابقت پیدا کرتے ہیں۔مختلف چیزوں کو اہمیت دیتے ہیں۔ چیزوں کے سلسلے میں شرمیلا پن بہت کم ہوتا ہے۔وہ بڑے اعتماد کے ساتھ چیزوں کے درمیان رہتے ہیں۔ان کے ذہین تر سمجھا جاتا ہے خواہ وہ حقیقی طور پر اتنا ذہین نہ بھی ہوں۔ نشو و نما اور ترقی پذیری کے زمانے میں ایسے بچوں میں یہ اہلیت ہوتی ہے کہ وہ اپنے بارے میں بہتر تاثر قائم کرتے ہیں۔اس کے برعکس اندروں بین بچہ شرمیلا ہوتا ہے، ہچکچاہٹ کا شکار ہوتا ہے۔وہ نئے ماحول میں اجنبیت محسوس کرتے ہیں۔ وہ نئی اشیا کا سامنا بھی بہت محتاط ہو کر تا ہے۔ بعض اوقات اس میں خوف بھی شامل ہوتا ہے۔ایسا بچہ اکیلا کھیلنا زیادہ پسند کرتا ہے۔دوست بھی کم بناتا ہے وہ تنہائی پسند بچہ ہوتا ہے۔بیرون بین نوجوان ملنے جلنے والے ہوتے ہیں اور لوگوں کو آگے بڑھ کر ملتے ہیں۔ وہ ہر شے اور تمام چیزوں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ایسے گروہ کا نوجوان تنظیموں گروپوں اور معاشرتی

اجتماعات کو پسند کرتا ہے۔ بیرون بین اپنی تعلیمات اور خیالات کو دوسرں تک پہنچاتے ہیں اور یہ ان کا پسندیدہ مشغلہ ہوتا ہے۔ بیرون بین رجائیت پسند اور ذوق و شوق رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کا ذوق و شوق زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتا۔ یہ تعلقات جلدی بناتے بھی ہیں اور اسی انداز سے توڑ بھی دیتے ہیں۔ اندروں بین نوجوان تنہائی پسند ہوتے ہیں۔ بڑے اجتماعات میں خود کو گم کر دیتے ہیں اور کھوئے کھوئے نظر آتے ہیں۔ وہ معاشرتی صورت حال سے مطابقت اختیار نہیں کرتے اور گم شدہ نظر آتے ہیں یا پھر منہ پھٹ ہو جاتے ہیں۔ وہ خود کو بہت زیاد ضمیر زدہ قنوطیت پسند اور عیب جو ظاہر کرتے ہیں۔ اس لیے ان کے مطابق غلط اندازے لگائے جاتے ہیں۔

بیرون بین افراد سطحیت کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کا ذوق و شوق زیادہ دیر قائم نہیں رہتا۔ وہ اپنا بہتر تاثر قائم کرنے کے لیے ان کو لوگوں کے درمیان وقت گزارنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ وہ جلوت پسند ہوتے ہیں۔ بیرون بین زیادہ سوچتے نہیں ہیں۔ وہ اس عمل کو فریضانہ عمل خیال کرتے ہیں۔ ان کے قریبی دوست بھی ان کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کے اصل بہروپ کو بھی پہچانتے ہیں۔ کیونکہ ان کی مطابقت معاشرے کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس لیے وہ اپنے زمانے کی اخلاقیات اور رواجوں کو قبول کر لیتے ہیں۔ جبکہ اندرون اپنی بہترین خصوصیات کا اظہار ہمدردانہ ماحول میں کرتے ہیں۔ وہ معاشرتی تعلقات میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہیں لیتے۔ وہ جب اکیلے ہوتے ہیں تو اپنی بہترین صلاحیتوں کا اظہار کرتے ہیں۔ اندرونن بین کتابوں کے سلسلے میں خاص خیالات رکھتے ہیں۔ یہ شور شرابا کرنے کی بجائے خاموشی سے کام کرتے ہیں ایسے افراد اس چیز سے انکار کرتے ہیں جو زیادہ مقبول ہو گئی ہو۔ مثال کے طور پر ایسی کتاب کو پڑھنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ جو وسیع پیمانے پر مقبول ہو جاتی ہو۔ یہ انفرادیت اور روایت پسندی قبول نہ کرنے کا رویہ اس وقت قابل قبول ہو سکتا ہے۔ جب اس کی صحیح تفہیم کی جائے اور اس کو عملی استعمال میں لایا جائے۔ یہ ہمدردانہ ساتھی بنانے میں کامیاب ہوتے نظر آتے ہیں۔ یہ دونوں اقسام ایک دوسرے کے بارے میں غلط فہمی کا شکار جلدی ہو جاتی ہیں۔ محض ایک دوسرے کی کمزوریاں ہی تلاش کرتے ہیں۔ اس لیے بیرون بین کے لیے اندرون بین خود پرست اور خشک مزاج جبکہ اندرون بین بیرون بین کو سطحی اور غیر مخلص خیال کرتا ہے۔

محمد حامد سراج کے افسانوں کے نسائی کرداروں میں دونوں کے کردار ہمارے سامنے آتے ہیں۔ آپ کے افسانے "رومی" میں نسائی کردار رومی اندرون بین خصوصیات کے حامل ہے۔ اس افسانے کی فضا درد اور کرب سے بھری ہوئی ہے۔ اس میں دو مرکزی کردار ہیں۔ ایک مرد اور عورت، دونوں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور خاموش محبت کرتے ہیں۔ لڑکا اپنے چچا کے گھر رہا کرتا ہے۔ رومی ان کی ہمسائی ہوتی ہے۔ لڑکا اپنے پڑھائی مکمل کرنے کے بعد اپنے گھر چلا جاتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی یاد میں زندگی گزارتے ہیں۔ لڑکی اندرون بین ہوتی ہے

اور اپنے جذبات کا اظہار کسی کے آگے نہیں کرتی ہے۔ وہ اپنے اندر محبت کا کرب رکھتی ہے۔ وہ درد کو اپنے اندر رکھتی ہے اور اس کی کچھ عرصے بعد یاداشت چلی جاتی ہے۔ دہ کافی بیمار ہو جاتی ہے۔ کافی عرصے بعد اس لڑکے کو ہسپتال میں ملتی ہے تو اس کو پہچان نہیں پاتی اور خاموشی سے دیکھتی رہتی ہے۔

محمد حامد سراج کے افسانوں کے اکثر کردار بے نام ہیں۔ آپ کا افسانہ "اور یگان" میں دو کردار مرد اور عورت ہیں۔ مرد پیسا کمانے میں مصروف ہے۔ وہ اپنے رشتوں اور وطن کو بھول گیا ہے۔ اس کی بیوی عتیقہ ہر وقت پاکستان اور اپنے عزیز و اقارب کو یاد کرتی ہے۔ وہ تنہائی اور کرب میں اپنی ساری زندگی گزار دیتی ہے۔ اس افسانے میں عتیقہ اندرون بین کردار ہے۔ وہ کتابیں پڑھتی رہتی ہے۔ اور اپنی ذات تک محدود رہتی ہے۔ اپنے آپ میں ہی رہتی ہے، اس کے میاں کے پاس عتیقہ کے لیے وقت نہیں ہوتا ہے۔ اس کی تنہائی کو کم کرنے کے لیے وقت نہیں ہوتا۔ وہ دکھ درد کو اندر پی پی کے تھک جاتی ہے۔ آخر کار وہ مر جاتی ہے۔

افسانہ "مرصع آئینے" میں علیزہ کا کردار میں بیرن بین کی خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ وہ اپنے منگیتر کو بالا جھجک دوسرے مرد فیض احمد کا بتا کر اس سے شادی کر لیتی اور کہتی ہے کہ وہ بیمار ہے۔ اس کی زندگی کے تھوڑے سے دن رہتے ہیں اس کو کینسر ہے۔ جب وہ مر جائے گا وہ اس کے پاس لوٹ آئے گی اور پھر اس سے شادی کر کے بیرون ملک چلی جاتی ہے۔ وہ فیض احمد اس کو جھوٹ بول کر لے جاتا ہے۔ اس میں وہ بیمار نہیں ہوتا، جب علیزہ کو پتا چلتا ہے تو وہ اپنے منگیتر کو کال کر کے بتاتی ہے کہ اس کے شوہر نے اس سے جھوٹ بولا تھا۔ اس کا منگیتر پہلے کی طرح خاموش رہتا ہے۔ بیر دن بین انسان کو ہر وقت ہنسی مزاق اور بولنا اس کی عادت ہوتی ہے۔ علیزہ بعد کی زندگی خوشی خوشی فیض احمد کے ساتھ گزارتی ہے۔ محمد حامد سراج کے بشتر افسانوں میں ملک ''کویت'' کا ذکر ملتا ہے۔ حامد سراج خود حصول ملازمت کے لیے کویت گئے تھے۔

افسانہ "عادت ہی بناڈالی" کو پڑھ کر گماں ہوتا ہے کہ اس میں پاکستانی لڑکا حامد سراج خود ہیں۔ اس افسانے میں فاطمہ نامی لڑکی ہے جو کویت موسیقی کی دکان پر کام کرتی ہے۔ اس کے پاس مختلف ممالک کے گیت ہیں۔ وہ اکثر پاکستانی گیت بلند آواز میں لگاتی ہے۔ مرد کردار سن کر دکان کے پاس سے گزرتا ہے۔ تو پاکستانی غزلیں سن کر دکان میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ان دونوں کی دوستی ہو جاتی ہے دونوں میں مثبت رشتہ بن جاتا ہے۔ فاطمہ میں اندروں بین اور بیرون بین دونوں کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ وہ اندروں بین اس طرح سے ہے کہ اس کے گھر کے اخراجات کو پورا کرنے والا کوئی نہیں۔ وہ اس غم اور مجبوری میں دوسرے ملک روزی کمانے آتی ہے۔ باظاہر وہ خوب صورت اور ہنس مکھ لڑکی لیکن اندر سے غمگیں تھی۔ بیرون بین اس لیے آئی ہے کہ وہ اپنا جسم فروش کر کے گھر کے اخراجات کو

پورا کرتی ہے لیکن جو پاکستانی لڑکے کو اپنے غم بتا دیتی ہے۔ جسم فروش کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہوتی بلکہ بہت بڑا دل چاہیے ہوتا ہے۔

افسانہ "چائے کی پیالی" چھمیں عورت کردار ارینہ اندرون بین خصوصیات کی مالک ہے۔ وہ اپنے شوہر کے شک کو دور نہیں کر سکتی کیونکہ وہ بہت خوب صورت ہوتی ہے اور اس کا شوہر اس کو کہتا ہے کہ شادی سے پہلے تمہارے بہت چاہنے والے ہوں گے۔ یہ بات اس کو توڑ کر رکھ دیتی ہے۔ اسی وجہ سے دونوں کے درمیان دوری بڑھتی جاتی ہے۔ وہ اس دکھ و کرب کو کسی کو نہیں بتاتی اپنے اندر برداشت کرتی رہتی ہے۔ وہ ہمت کر کے اپنے اندر سپنوں کا گھر بناتی ہے۔ عدم توجہی انسان کے اندر نئے کرداروں کو جنم دیتی ہے۔ جیسا کہ اس افسانے میں ارینہ کے ساتھ ہوا جب ارد گرد کے ماحول سے وہ توجہ، پیار، شفقت والتفات کی کمی کو پورا کرنے کے لیے اپنے اندر نئی شخصیت کو جنم دیتا ہے۔ خیالی کرداروں سے تسکین حاصل کرنا شروع کرتا ہے جو کہ اس کو اس کی اصل زندگی میں قریبی رشتہ داروں سے چاہیے ہوتا ہے۔ اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ زندگی میں غلط راہ پکڑنے کی بجائے خیالات رو کو ایک نئے راستے پر ڈال دیا جاتا ہے۔ اس دنیا کو اپنی اصل زندگی پر جان بوجھ کر حاوی کر لیا جاتا ہے تاکہ اپنی ٹوٹی ہوئی انا کو بیان کرنے کی ایک سعی ہوتی ہے۔ ارینہ کے اس قصے میں کامیاب لائحہ عمل اور ترکیب تھی جو اس نے اختیار کی۔ دراصل ارینہ کے کردار سے حقیقی زندگی کی تلخیوں سے جان چھڑانے کے لیے غیر حقیقی زندگی اور کردار بنے جو کہ اصل میں نفسیاتی تکنیک "فرار" ہے جو کہ حقیقی زندگی سے دوری حاصل کرنے اور معاشرتی طور پر بھی قابل قبول راہ اختیار کرنے کا نام ہے۔ ارینہ بھی اپنے کے دکھ درد کو اپنی اندر کی تخلیق کی ہوئی دنیا کے کرداروں کو بتاتی ہے۔ وہ کسی حقیقی شخص سے اپنے درد و غم کا ذکر نہیں کرتی ہے۔

افسانہ "مہر دین" میں نسائی کردار ستو اندرون بین اور بیرون بین دونوں خصوصیات کے حامل ہے۔ لیکن اندرون بین خصوصیات زیادہ حاوی ہے۔ اس میں ستو ایک ان پڑھ، غریب اور مجبور لڑکی ہے۔ وہ ایک مزارع کی بیٹی ہے۔ ستو مہر دین کے گھر کام کرنے جاتی ہے۔ اس کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ وہ ایک امیر کی بیٹی ہوتی لیکن وہ یہ خواہش کسی کو نہیں بتاتی ہے۔ ایک دن وہ مہر دین کی بیوی کے زیورات اور چیزیں دیکھتی ہے تو اس کے اندر انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ درج ذیل اقتباس سے ستو کے اندرونی انتشار کو اس کی خود کلامی سے واضح ہوتا ہے۔

> زیورات آہستہ آہستہ وہ اپنے بدن پر سجانے لگی پہلے اس نے کانوں میں بڑے بڑے جھمکے ڈالے، گانی اور پھر کنٹھا لا ڈال کر انہیں غور سے دیکھنے لگی یہ میں ہوں ستو۔۔۔؟ یا کوئی اور ہے میں یونہی اپنے تھا پتی اور زندگی برباد کرتی رہی اک ذرا سی دیر میں کیسے زندگی بدل گئی۔ [۲۵]

افسانہ "مہردین" میں ایک اور نسائی کردار مہردین کی بیوی بہت خوب صورت ہوتی ہے۔ مہردین پہلی رات ہی اپنا روب جمانے کے لیے طلاق کی دھمکی دیتا ہے۔اس دھمکی کی وجہ سے وہ ساری زندگی کرب و تکلیف میں رہتی ہے۔افسانہ نگار نے عورت کے اس کردار کی داخلی ذہنی کیفیت اور کرب کی عمدہ تصویر کشی کی ہے۔وہ آخر میں تنگ آکر اپنے شوہر سے طلاق مانگ لیتی ہے کیونکہ بعض اوقات اندرون بین اپنے اندر باتوں اور رویوں کو برداشت کر کر کے تھک جاتے ہیں اور اندرون بین منہ پھٹ جاتے ہیں۔مہردین کی بیوی بھی بغاوت پر اتر آتی ہے۔اس طرح وہ بھی تنگ آکر اپنا رشتہ ختم کر دیتی ہے۔

مجموعہ برائے فروخت کا آخری افسانہ "موم بتی اور دیاسلائی" میں مرد اور عورت ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔نسائی کردار اندرون بین وہ جس سے محبت کرتی ہے۔وہ ساری زندگی اسی سے ہی محبت کرتی رہتی ہے۔وہ یہ دوری اور تنہائی کا کرب اکیلے برداشت کرتی ہے اور کسی کے آگے ذکر نہیں کرتی۔وہ ساری زندگی ماضی کی یاد میں گزار دیتی ہے۔عرصے بعد اسی مرد سے ملاقات ہوتی ہے جس سے محبت کرتی ہے۔وہ پوچھتا ہے کہ یاد ہیں تو وہ بہت دیر چپ رہتی ہے کہ میں بھول گئی حالانکہ اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو ہوتے ہیں۔

افسانوی مجموعہ چوب دار کا افسانہ "ڈائنگ روم اک گزر گاہ" میں عورت کا کردار اندرون بین اور بیرون بین دونوں خصوصیات پائی جاتی ہیں۔اندرون بین بدرجہ اتم موجود ہیں یہ افسانہ حامد سراج کی زندگی کا ایک ورق ہے لیکن یہ کہانی فرضی بھی ہو سکتی ہے۔اس افسانے میں افسانہ نگار نے معاشرے میں جاگیر دارانہ نظام کے ساتھ اس سوچ کو بھی بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو سات (۷) پردوں میں رکھنا چاہتے ہیں اور وہ عورتیں اپنی گھٹن کو ختم کرنے کے لیے کتاب یا دوسرا سہارا لیتی ہیں۔اس افسانے میں عورت کا مرد (حامد سراج) کے ساتھ ایک ایسا تعلق ہوتا ہے۔جس کا کوئی نام نہیں وہ اپنا دکھ درد مرد کو سناتی ہے اور بتاتی ہے کہ وہ ایک ایسی حویلی میں رہتی ہے۔جس کی بلند دیواریں ہیں وہ باہر جاتی ہے تو پردے میں جاتی ہے۔ساتھ دو نوکرانیاں بھی ہوتی ہیں۔وہ بتاتی ہے ایک شخص اس کا رشتہ دیکھنے آیا تھا۔وہ زیادہ امیر نہیں تھا۔اس نے ادھا کپ چائے کا پیا اور چلا گیا۔وہ مرد میرے دل میں بیٹھ گیا ہے۔اس روز سے وہ دو کپ چائے کے پیتی ہے۔ایک اس مرد کا دوسرا اپنا پیتی تھی۔وہ اندرون بین انسان ہے کیونکہ وہ اپنی تنہائی کو کتابیں پڑھ کر دور کرتی ہے۔وہ حامد سراج کو آپ کے افسانے پڑھ کر پہچانتی ہے اور پھر کال پر آپ سے رابطہ کرتی ہے۔

بیرون بین خصوصیات کے حامل اس طرح سے ہے کہ وہ اپنے دل کی بات کا اظہار ایک اجنبی کے سامنے کرتی ہے۔اپنا درد حامد سراج کو سناتی ہے اور اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتی ہے۔اندرون بین خصوصیات زیادہ حاوی ہیں کیونکہ وہ سب اکیلے برداشت کرتی ہے۔اس کے گھر والوں کو کچھ علم نہیں ہوتا وہ سب اپنے اندر رکھتی ہے۔اس کو کینسر ہو جاتا

ہے اور وہ ابدی نیند سو جاتی ہے۔ وہ افسانہ نگار کو کہتی ہے مجھ پر ایک افسانہ لکھنا میں افسانے میں ہی زندہ رہوں گی۔ اس حوالے سے اقتباس درجہ ذیل ہے۔

سر جھوٹ اور وہ بھی آپ سے۔۔۔۔۔ سر یہ ممکن نہیں ہے نابس ہو گیا کینسر بلڈ کینسر۔۔۔ کیوں، کیسے، کب؟ سر ان سوالوں کے جواب تو نہیں ہوتے نا آپ ایک افسانہ لکھ ڈالیے میں کسی کے دل میں نہ سہی آپ کے افسانے میں زندہ رہوں گی۔[11]

افسانوی مجموعہ بخیہ گری کا افسانہ "وہ بے خبر تھا" کی عورت اندرون بین اور بیرون بین دونوں خصوصیات کے حامل ہے۔ وہ اپنی دوست کو اس مرد کے غم کے بارے میں بتاتی ہے جس کی بیوی اور بچے دھماکے میں مر جاتے ہیں۔ جب وہ اس مرد سے اکتا ارلے کر بجاتی ہے تو اس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہنا شروع ہو جاتے ہیں۔ وہ اس مرد کے دکھ کو محسوس کرتی ہے اور شہر واپس آ کر اس کو چین نہیں آتا بلکہ اس مرد کے درد سے بے چین رہتی ہے۔ کوئی بھی انسان نہ تو مکمل طور پر اندرون بین ہوتا ہے اور نہ ہی بیرون ہوتا ہے۔ دونوں کی کچھ کچھ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ کچھ انسانوں پر زیادہ اندرون بین خصوصیات حاوی ہو جاتی ہیں تو اس کو اندرون بین کا نام دیا جاتا ہے اور کچھ پر زیادہ بیرون بین خصوصیات حاوی ہوتی ہیں۔ وہ گھومنے پھرنے والی اور ایک آزاد لڑکی ہے۔

آپ کے ایک اور افسانہ "کلائی" میں لڑکی مندری کا کردار بیرون بین ہے۔ وہ ایک مانگنے والی ہوتی ہے۔ وہ باکردار لڑکی ہوتی ہے۔ وہ پیسے مانگ کر لا کر ماں کو دیتی ہے لیکن کچھ عرصہ ماں کو پیسے سارے نہیں دیتی بلکہ ان میں سے کچھ اپنے پاس رکھ لیتی ہے۔ وہ بے باکی سے ہر بات کا ذکر کرتی نظر آتی ہے۔ وہ اپنی محسوسات اور جذبات کو بے باقی سے بیان کرتی ہے۔ وہ ایک لڑکا جس کا نام شیرو ہوتا ہے۔ اس سے بے پناہ محبت کرتی ہے اور اس کے لیے پیسے اکٹھے کر کے کپڑے لیتی ہے۔ بیرون بین نوجوان ملنے چلنے والے ہوتے ہیں۔ وہ لوگوں کو آگے بڑھ کر ملتے ہیں۔ وہ ہر شے اور چیزوں میں دلچسپی رکھتے ہیں اور اپنے جذبات کو آسانی سے کسی کے سامنے بیان کر سکتے ہیں۔ اسی طرح مندری بھی اپنے جذبات کو شیرو سے بیان کرتی ہے۔ وہ کسی سے نہیں ڈرتی وہ سب سے اپنا جسم بچا بچا کر چلتی ہے لیکن ایک امیر بھیڑیا اس کی زبردستی عزت لوٹ لیتا ہے۔ وہ اس کے بعد خاموش اور اندر سے بکھر جاتی ہے۔

حامد سراج کا افسانہ "نماز قصر" میں افسانہ نگار کے جذبات نظر آتے ہیں۔ ایک باپ کے جذبات جو اپنی بیٹی کی رخصتی پر رکھتا ہے۔ اسی طرح اس میں مرکزی نسائی کردار جس کا نام افسانہ نگار نے واضح ہیں کیا۔ وہ اندرون بین خصوصیات کے حامل ہے۔ وہ شادی کے موقع پر سارے دکھ درد کو برداشت کرتی ہے اور چپ رہتی ہے۔ وہ شادی کے بعد اپنے میکے آتی ہے اور آ کر باپ سے پوچھتی ہے کہ میں اب اس گھر میں نماز قصر ادا کروں گی۔ تو اس کا باپ کہتا ہے ہاں بیٹا نماز قصر ادا کرو گی۔ اب یہ تمہارا گھر نہیں بلکہ شوہر کا گھر ہی تمہارا اصل گھر ہے۔ اس میں معاشرے اور اسلام

میں عورت کے مقام کو بتایاہے کہ شادی کے بعد شوہر کا گھر ہی عورت کا اصل گھر ہوتا ہے۔ماں باپ کے گھر میں وہ ساری زندگی بڑی ہوتی ہے۔وہ گھر عورت کے لیے اپنا نہیں رہتا۔ وہ ماں باپ کے گھر میں نماز قصر پڑھ سکتی ہے۔ وہ شادی کے بعد دل ہی دل میں ماں باپ کے گھر اٹھائے ہوئے لاڈ پیار کو یاد کرتی رہتی ہے۔

افسانہ "نصف مکمل" میں عورت کا کردار جو نعیم کی دوست ہے۔وہ اندرون بین ہے۔وہ ایک مصور ہے اپنے اندر کی کیفیات کو پینٹنگ کے ذریعے بیان کرتی ہے۔وہ معاشرے کے مختلف موضوعات پر تصویریں بناتی ہے۔اسی افسانے ایک اور نسائی کردار نعیم کی بیوی اندرون اور بیرون بین دونوں خصوصیات کے حامل ہے۔اسی طرح وہ شادی سے پہلے کسی اور کو پسند کرتی ہے اور شادی کے بعد ساری زندگی اس غم میں گزار دیتی ہے۔وہ اس درد کو محسوس کرتی ہے۔ وہ بالکل خاموش رہتی ہے۔اپنے شوہر کے ے ساتھ مطلب کی بات کرتی ہے۔وہ آخر میں تنگ آ کر اپنے شوہر سے طلاق مانگ لیتی ہے۔

افسانہ "ہونٹ کنارے " میں زیتون اندرون بین کردار ہے۔وہ اپنی جوانی میں جس مرد سے محبت کرتی تھی۔اب بھی اس کو یاد رکھا ہوا ہے۔اس کو یاد کرتی رہتی ہے۔اس بات کا علم اس نے کسی کو نہیں ہونے دیا نہ ہی کسی کا محسوس ہوا۔ سلیم الرحمن جس سے محبت کرتی ہے۔وہ بہت سالوں بعد گاوں آتا ہے۔تو وہ اسی خوشی اور مسکراہٹ کے ساتھ سلام کرتی ہے۔وہ اندرون بین ہے۔اور اا پنے جذبات کو دل میں ہی دبائے رکھتی ہے۔

افسانہ "ایک اور داوٗ" میں شمائلہ کا کردار بیرن بین ہے۔وہ افسانے کا مرکزی کردار ہے۔وہ بڑے زمین دار کی بیٹی اور شہر میں پڑھتی ہے۔پہلے رواج نہیں ہوتا کہ گاوں کی عورتیں کبڈی کا میچ دیکھیں لیکن وہ اپنے گاوں کی روایت کے خلاف جاکر باپ کو کبڈی کا کھیل دیکھنے پر راضی کرتی ہے۔بیرون بین انسان کی طرح شمائلہ باتونی ہوتی ہے اور اپنے سخت باپ کو آمادہ کر لیتی ہے۔جب کبڈی کے کھیل میں وہ شکیل کو کھیلتا دیکھتی ہے تو اپنا دل شکیل کو دے بیٹھتی ہے۔ وہ خود شکیل کو اظہار محبت کرتی ہے اور ملنے کا کہتی ہے۔دونوں میں دوستی ہو جاتی ہے۔ شمائلہ باپ کے ذریعے شکیل کو پولیس میں ملازمت بھی دلواتی ہے۔وہ آزاد خیال اور باغی دماغ رکھتی ہے۔جو کام روایت کے خلاف ہوتا ہے۔وہ وہی کرتی ہے۔وہ شکیل کو ملنے کے لیے شہر میں بولاتی ہے۔عام عورتوں کی طرح وہ اپنے جذبات واحساسات کو چھپاتی نہیں ہے لیکن مردوں کی طرح کھل کر بیان کرتی ہے۔بیرون بین خصوصیات درجہ ذیل اقتباس سے واضح ہوتی ہیں۔

> تم بزدل نہیں ہو تم نے دوسرے مردوں کی طرح میری کلائی تھام لی ہے۔مجھے بزدل مرد ایک آنکھ نہیں بھاتے جو حرکات وسکنات کو ہی بہادری سمجھتے ہیں ۔ مجھے تو موبائل پر محبت جھاڑنے والوں سے بھی الجھن ہوتی ہے۔ عورت کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے چاہنے والا باہمت ہو۔ [۲۱]

افسانوی مجموعہ برادہ کا افسانہ "کنواریاں" میں عورت کا کردار اندرون بین ہے۔افسانہ نگار نے اس عورت کی

جوانی کو کپاس کے پھول سے تشبیہ دی ہے کیونکہ عورت کی عزت بہت نازک ہوتی ہے۔ عورت اپنی عزت سنبھال سنبھال کر رکھتی ہے۔ اس افسانے میں عورت کے پیچھے کچھ نوجوان لگ جاتے ہیں اور اس کو گڈریا بچاتا ہے۔ وہ لڑکی گھر آ کر کچھ نہیں بتاتی اور خوف زدہ ہو جاتی ہے۔ جب دوبارہ یہ واقع اس کے ساتھ پیش آتا ہے۔ پہلے کی طرح کچھ نوجوان اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں تب بھی گڈریا اس کی جان بچاتا ہے۔ وہ ماں کو کہتی ہے کہ ماں میری شادی کروا دو۔ پھر بھی ماں کو اصل حقیقت نہیں بتاتی ہے۔ وہ یہ خوف و غم اپنے اندر رکھتی ہے۔ وہ ہر خود ہی برداشت کرتی رہتی ہے۔ وہ گڈریا کو پسند کرتی ہے۔ اس لڑکی کو گڈریا کے بجائے کسی اور سے ہو جاتی ہے۔ شادی کی پہلی رات جب اس کا شوہر کمرے میں آتا ہے تو وہ اسے دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتی ہے۔ وہ اس کو دیکھ کر بھیڑیا چلاتی ہے اور بھاگ جاتی ہے۔ شادی سے پہلے تو وہ خوف اور برے رویوں کو چھپا لیتی ہے۔ لیکن اچانک ہی منہ پھٹ ہو جاتی ہے اور سب کو بتاتی ہے کہ اس کا شوہر بھیڑیا ہے۔ اندرون بین کی خصوصیت ہے کہ وہ برداشت کر کے تھک جاتے ہیں تو پھٹ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح لڑکی بھی منہ پھٹ ہو جاتے ہیں۔

افسانہ "خناس "میں مرکزی کردار دو ہیں۔ ایک میاں اور دوسرا بیوی، اس میں نسائی کردار اندرون بین ہے۔ عورت کا شوہر پانچ وقت کا نمازی ہوتا ہے لیکن وہ دوسری عورتوں میں دلچسپی لیتا ہے۔ وہ عورتوں کو بری نظر سے دیکھتا ہے۔ اس کی بیوی کو بہت برا لگتا ہے۔ وہ منع کرتی ہے۔ اس شخص کا ایک عورت کے ساتھ تعلق ناجائز رشتہ ہوتا ہے لیکن جب وہ بیوی کی نہیں سنتا تو باقی عورتوں کی طرح یہ عورت شور یا جھگڑا نہیں کرتی بلکہ خاموشی سے ایسے مرد کے ساتھ زندگی گزار دیتی ہے اور اپنے دکھ درد کو کسی کو بیان نہیں کرتی۔ اسی طرح اس کا شوہر گھر میں کیبل لگواتا ہے۔ وہ اس بات کے خلاف ہوتی ہے۔ شوہر کو منع کرنے کے بعد بھی وہ کیبل لگواتا ہے۔ وہ بچوں کو لے کر الگ کمرے میں سو جاتی تھی اور چپ کر کے اپنے اندر کا دکھ درد کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے۔ اس عورت پر اندرون بین کی خصوصیات زیادہ حاوی ہیں۔

"لرزیدہ لمحوں کا تاوان " میں عورت کا کردار بیرون بین ہے وہ نوجوان لڑکی ہوتی ہے اور بوڑھے آدمی کو کال کر کے تنگ کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ میں نے اس کو خط لکھا تھا اور تم مجھے بھول گئے ہو۔ وہ کہتی ہے کہ میں نے نہ یہ خط کتاب میں رکھا تھا وہ بوڑھا آدمی سب نہیں مانتا کہ اس کی زندگی میں کوئی ایسی لڑکی نہیں آئی۔ وہ اس آدمی کو روز کال کرتی ہے پہلے وہ انکار کرتا ہے بعد میں اس کو بھی عادت ہو جاتی ہے۔ جب اس لڑکی کا رشتہ ہو جاتا ہے تو اس آدمی کو بتا دیتی ہے کہ وہ تو صرف اپنا وقت گزار رہی تھی یہ لڑکی بیرون بین ہے اور وہ کسی کے جذبات کے ساتھ کھیلتی ہے اور پھر اس کو چھوڑ کر شادی کر لیتی ہے۔ بیرون بین جلدی ہی تعلق بنا کر پھر جلدی گھبرا جاتے ہیں۔ وہ لڑکی بھی بیرون بین

کی طرح جلدی تعلق توڑ دیتی ہے۔

افسانہ "اندراج" میں دو نسائی کردار ہیں۔ایک ثوبیہ اور دوسرا نفیسہ،ثوبیہ بیرون بین ہے اور نفیسہ اندرون بین ہے۔ثوبیہ بیرون بین کی خصوصیات زیادہ حاوی ہیں۔وہ اپنے کزن عادل کو اسٹیشن پر خود لینے جاتی ہے۔وہ اس سے محبت کرتی ہے اور وہ اس بیان کے آنے کا انتظار کر رہی ہوتی ہے۔راستے میں عادل کے جھوتے ٹوٹ جاتے ہیں لیکن وہ اس کو برانڈ جوتی لے دیتی ہے۔وہ بہت بے باک ہوتی ہے۔اپنے دل کا حال بے باکی سے کر دیتی ہے۔وہ اس کو کہتی ہے کہ وہ اس سے کیوں ڈرتی ہے۔اس کے برعکس نفیسہ اندرون بین انسان ہے۔وہ اپنے دل کا حال کسی کو نہیں بتاتی ہے۔ثوبیہ تو اپنی حواس کو پورا کرنے کے لیے عادل سے جسمانی رشتہ رکھتی ہے جبکہ نفیسہ اپنی جنسی حواس کو مارنے کے لیے ٹیوڈ کلب کا سہارا لیتی ہے۔وہ اپنے اندرونی جذبات کسی کے آگے نہیں بتاتی بلکہ خود ہی حواس کو پورا کرتی ہے۔

افسانہ "لالٹین جلتی رہے" میں عورت کا کردار بیرون بین ہے۔دونوں میاں بیوی اکٹھے رہتے ہیں۔ان کے بچوں کی شادیاں ہو گئی ہیں۔اب آخری عمر میں اکیلے رہتے ہیں۔عورت کا نام خوش بخت ہے۔وہ ہر وقت شکوہ کرتی ہے کہ آخری عمر میں ہم تنہا ہو گے ہیں اور جب دل بھر جاتا تو رو بھی لیتی تھی جبکہ مرد کردار اندرون بین ہے۔وہ ہر وقت خوش بخت کو تسلید یتا رہتا ہے کہ خیر ہے۔وہ جہاں ہیں خوش رہیں۔

افسانہ "بوسیدہ آدمی کی محبت" میں عورت کا کردار اندرون بین ہے۔وہ مرد سے بہت محبت کرتی ہے۔اس نے اتنا ٹوٹ کے چاہتی ہے کبھی کسی کو کسی نے نہ چاہا ہو صرف وہ ہی لڑکی اس مرد کا دکھ سکھ محسوس کرتی ہے۔مرد کہتا ہے کہ اگر وہ اس کی باتوں اور یادوں کی ڈائری کا ایک ایک ورق کھول کر تمہارے سامنے رکھ دوں تو کہانی کار ٹالسٹائی کے ناول سے بڑا اور شاہنکار ناول تحریر کرے گا۔وہ اپنے جذبات صرف اس مرد کو بتاتی ہے کہ میرا دل تمہارے لیے ایک دیے کی مانند جلتا رہے گا آنسوں کے تیل سے اس کو روشن رکھوں گی اگر میں مر بھی گئی تو تمہارے انتظار میں یہ آنکھیں کھولی رہے گی۔وہ اپنے محبت بھرے جذبات اپنے دل میں رکھتی ہے۔

افسانہ امام "غزالی کا گم شدہ کردار" میں عورت کا کردار بیرون بین ہیں اس میں دو کردار ہیں ایک میاں دوسری بیوی دونوں کی بے جوڑ شادی ہوئی دونوں ایسے رہتے ہیں۔جیسے وہ ریلوے اسٹیشن کے ایک پرانے بنچ کے مخالف سروں پر بیٹھے ہیں کئی برس گزرنے کے بعد بھی بنچ کا فاصلہ بتدریج بیٹھنے کے بجائے پھیل رہا ہے۔بیوی بیرون بین ہے وہ جس بات کو برا سمجھتی ہے وہ منہ پر بول دیتی ہے اور ہر وقت اونچا بولنا اور چیخنا اس کی عادت بن گئی ہے۔لیکن اس کا مرد اندرون بین کی طرح چپ چاپ سب برداشت کرتا رہتا ہے۔

افسانہ "ہذیان" میں نسائی کردار اندرون بین ہے حامد سراج نے اس کو کوئی نام نہیں دیا۔وہ اپنے اندر اپنے

گھر کے تمام افراد کی بے حسی اور نفسانی خواہشات کے بے لگام ہونے پر شدت سے محسوس ہونے والا واحد ایک ہی جذبہ رکھتی ہے جو کہ نفرت ہے۔ اور اس نفرت کو اپنے اندر ہی اندر پروان چڑھتی رہتی ہے۔ وہ لڑکی کسی سے ذکر نہیں کرتی ہے۔ یہاں تک کہ سائیکٹرسٹ اس جذبے کو کھوج نکالتا ہے کہ اس کے اندر دماغ اور خون میں بھی نفرت پنپ رہی ہے۔ جس کو افسانہ نگار نے پہلے مادہ اور دماغ میں بھورا، قد آور اور مضبوط درخت قرار دیا ہے۔ اندرون بین کی خصوصیت ہے کہ جب وہ برداشت کر کر کے تھک جاتے ہیں تو بالا آخر پھٹ پڑتے ہیں۔ اسی طرح وہ لڑکی بھی سائیکٹرسٹ کے سامنے پھٹ پڑتی ہے اور اپنی ساری کہانی اور نفرت کو اس کے سامنے کھول دیتی ہے۔ اس بات کی وضاحت درجہ ذیل اقتباس سے ہوتی ہے

> یہ سارے مرد ایک سے ہوتے ہیں۔ حرام زادے۔۔۔ یہ اپنی کچلی سے عورت کا بدن نوچنے والے سور ہیں۔ یہ دنیا مرد کی ہے۔ وہ ایک ہی تھا جس نے ہر رات مجھے برباد کیا ہے۔ میری ماں کنجری تھی اسی نے مجھے اس کے حوالے کیا بکتی تھی کہ شریف لڑکا ہے تیرا خیال رکھے گا میں ساری رات لٹتی رہی۔ مجھے ساری دنیا سے شدید نفرت ہے۔[۱۳]

افسانہ "چمکیلی چیخ" میں لڑکی کا کردار بیرون بین ہے۔ وہ ایک لڑکے سے محبت کرتی ہے اور اس کو اپنے جذبات کھل کر بیان کرتی ہے۔ وہ لڑکی مزدور طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔ جب وہ کام سے فارغ ہو جاتی ہے تو اپنے محبوب سے ملنے آتی ہے۔ وہ اس لڑکے کو کہتی ہے کہ مجھے اپنے لمس جمع کرنے دو کسی دن اچانک مجھے جانا ہو گا۔ وہ چاہتی ہے کہ وہ جائے تو خالی ہاتھ نہ جائے کیونکہ عورت کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ کوئی اس کو ٹوٹ کر چاہے۔ وہ اپنی یہ خواہش پوری کرنا چاہتی ہے۔ اس مزدور لڑکی نے اپنے محبوب سے اپنے جذبات کا اظہار کر کیا ہے۔ وہ اس لڑکے کو یہ بھی اجازت دے دیتی ہے کہ وہ جب چاہے اس کے جسم کو چھو لے کیونکہ اس مرد نے اس لڑکی کی روح کو چھو لیا ہے اور روح سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا ہے۔ وہ کہتی ہے میری شادی جس مرضی مزدور سے ہو جائے وہ مرد میری روح تک نہیں پہنچ سکتا۔ وہ اپنے محبوب کو ایک سونے کا بندہ دیتی ہے۔ وہ لڑکی اس کو کہتی ہے کہ جب میں کہیں چلی جاؤں تو مجھے ڈھونڈ کر وہ سونے کا بندہ اس کے کان میں ڈال دے گا تو وہ مکمل ہو جائے گی۔ اس لڑکی کی روح کو تسلی حاصل ہو گی۔

افسانے میں عورت اپنے سارے جذبات و محسوسات کو کھل کر اپنے محبوب کے آگے بیان کرتی ہے اندرون بین خصوصیات بھی اس لڑکی میں پائی جاتی ہیں کیونکہ کوئی بھی انسان مکمل طور پر اندرون بین ہو سکتا ہے۔ وہ اپنی محبت کے بارے میں کسی کو نہیں بتاتی لڑکا اس سے ملنے جاتا ہے تو اس جگہ پر ڈران حملہ ہوا ہوتا ہے اور سب کچھ تباہ ہو جاتا ہے۔ جب اس کے برباد گھر میں جا کر دیکھتا ہے تو دور سے چمکتا ہوا سونے کا بندہ دیکھائی دیتا ہے۔

محمد حامد سراج کا ناولٹ آشوب گاہ میں نسائی کردار خدیجہ اندرون بین اور بیرون بین کے حامل کردار ہے۔

اس ناولٹ میں دو مرکزی کردار ہیں ایک خدیجہ اور دوسرا خلجی خدیجہ خلجی سے بے پناہ محبت کرتی ہوتی ہے جب وہ میٹرک کا امتحان پاس کر لیتی ہے۔ تو چھٹیاں گزرنے اپنے پھوپھو کے گھر جاتی ہے وہ پھوپھی کے گھر نہیں جانا چاہتی کیونکہ وہ بہت دور ہوتا ہے اور وہ خلجی سے دور نہیں جاسکتی وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے اس لیے یہ سوچ کر اس کی جان نکلتی ہے وہ اپنے تعلق کو کسی کو نہیں بتاتے بس محبت کرتے رہتے ہیں۔ خدیجہ جس روز ٹرین کے ذریعے اپنی پھوپھو کے گھر جاتی ہے تب ریلوے اسٹیشن پر خلجی بھی اس کو دیکھنے آتا ہے کہ پھر پتہ نہیں خدیجہ کب واپس آئے اس لیے وہ آخری دفعہ دیکھنا چاہتا ہے۔ خدیجہ جب جب دیکھتی ہے کہ خلجی کسی مرد کے ساتھ بنچ پر بیٹھا ہے اس کا دل کرتا ہے کہ وہ اس شخص کی جگہ پر خلجی کے ساتھ بیٹھ جائے اس اندر کرب کی ہر شروع ہو جاتی ہے۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی ہوتی ہے کہ میں میٹرک کا ایک پرچہ نہ دیتی تو آج خلجی سے دور نہ ہوتی آگے پھوپھی اور اماں ابا کہے گے ادھر شہر کے کالج میں داخلہ لے لو۔ کب واپس آکر اپنی روح سے مل سکوں گی کیا میں واقع خلجی سے دور ہو رہی ہوں؟ اس کے جذبات قابو میں نہیں آرہے تھے اور آنسوندی کی صورت میں بہے رہے تھے۔ وہ جدائی کا سوچ سوچ کر خود کو ہلکان کر رہی تھی یہ سب اس کے اندر چل رہا تھا۔ خدیجہ کی ماں خوش تھی اور اس کا گماں تھا کہ وہ بھی خوش ہے کہ وہ شہر جا کر اپنی آگے کی پڑھائی جاری رکھ سکے گی۔ وہ وہاں جا کر کالج میں داخلہ لے لیتی ہے لیکن خلجی کی یاد اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی اور وہ کالج کی زندگی میں کھو جانا چاہتی ہے لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ خلجی اس کے اندر اتر چکا ہوتا ہے۔ وہ روز ایک خط لکھتی ہے اور روز ہی پھاڑ دیتی ہے۔ ایک دن وہ جذبات سے بھرپور خط لکھتی ہے اور پوسٹ کر دیتی ہے۔ خدیجہ خط میں لکھتی ہے کہ کالج جانے کے لیے جب آئینے کے سامنے کھڑی ہوتی ہوں تو میں خدیجہ نہیں خلجی ہوتی ہوں۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میں نے ہزار بار اپنے آپ کو آنکھیں مل مل کر دیکھا وہ وہاں کہیں نہیں تھی بس مجھے تم ہی تم میرے وجود میں نظر آئے ہو۔ وہ اپنے جذبات کو ایک خط میں سمو لیتی ہے اور اپنی پھوپھی ذات بہن کو بھی کچھ نہیں بتاتی۔ خط کے درجہ ذیل اقتباس سے اندرون مین کردار کے جذبات کی شدت واضح ہوتی ہے۔

> خلجی جب محبت صرف محبت ہو ضرورت اور وقت گزاری کا مشغلہ نہ ہو تو وجود اس آگ میں تپ کر کندن ہو جاتا ہے۔ روح عشق کا سراغ پالیتی ہے عشق سب کے نصیب میں نہیں ہوتا یہ جس کا نصیب ہو جائے وہ کوئلہ ہو کر ہیرا بن جاتا ہے۔ [۱۲]

خدیجہ خلجی سے محبت تو دل و جان سے کرتی ہے لیکن معاشرے کی کڑی زنجیروں سے ڈرتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ میں اس معاشرے میں کیوں پیدا ہوئی زنجیر کی ایک کڑی توڑنا میرے جیسی کمزور لڑکی کے بس کا روگ نہیں۔ میں تمہیں خلجی کبھی تنہا نہ ہونے دیتی میں کیا کروں۔

خدیجہ یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کر لیتی ہے تب وہ خلجی کو بلاتی ہے۔وہ اس کو خلجی کی جدائی نے خدیجہ کو مار ڈالا ہے۔جب خلجی اس کو ملنے آتا ہے تو خدیجہ اس کو کہتی ہے کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد میرے ماں باپ کو میری شادی کی فکر ہو رہی ہے۔بہت سے رشتے بھی آئے ہیں۔میں کب تک انکار کروں گی خلجی اس کو کہتا ہے کہ تھوڑا سا انتظار کر و۔وہ جواب دیتی ہے کہ میں پوری زندگی تمہارا انتظار کر سکتی ہوں لیکن گھر والے اس کے جذبات نہیں سمجھے گے۔وہ پھر چپ ہو جاتی ہے۔خدیجہ خلجی سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔اس کو اندر ہی اندر یہ دکھ ہوتا ہے کہ خلجی اس کے ساتھ شادی کرنے کے لیے کچھ خاص نہیں کرتا۔وہ پھر بھی اس کے کہنے پر اس کا انتظار کرتی ہے اور اپنے ہر آئے ہوئے رشتے کو ٹھکرا دیتی ہے۔خدیجہ اپنے آپ کو بہت مصروف کر لیتی ہے۔وہ خلجی کی یادوں کو کم کرنے کے لیے پڑھائی کو جاری رکھتی ہے۔وہ یہ سوچتی ہے کہ اگر تعلیم حاصل نہیں کرے گی تو خلجی کی یادیں اور جدائی خدیجہ کو مار دے گی۔وہ اس لیے مقابلے کا امتحان کی تیاری کرتی ہے اور اس میں کامیاب ہو جاتی ہے۔خلجی اس کو ملنے گاؤں آتا ہے اور خدیجہ کو اپنے گھر کھانے کی دعوت دیتا ہے۔وہ خلجی کی جدائی کو برداشت کر کر کے تھک گئی ہوتی ہے۔وہ خلجی کی ماں کو کہتی ہے ادھر میرا بچپن گم ہو گیا ہے۔مجھے ڈھونڈ دو میں تھک گی ہوں۔وہ خلجی کو کہتی ہے میری سلیٹ واپس کر دو اس سلیٹ کی یاد نے مجھے دیمک کی طرح کھا لیا ہے۔وہ اندر ہی اندر ٹوٹ چکی ہوتی ہے اس سے مزید درد برداشت نہیں ہو رہا ہوتا ہے۔وہ بیرون بین کی طرح تعلق کو وقتی نہیں رکھتی بلکہ اندرون بین کی طرح یادوں کے سہارے زندگی گزر دیتی ہے۔

خلجی اس سے پوچھتا ہے کہ کیسی ہو تو وہ جواب دیتی ہے کہ سانس آ جا رہی ہے میں نے مستقبل کی ناو کو وقت کے سمندر میں چھوڑ دیا ہے۔خلجی اس کو کہتا ہے کہ تم کسی سے شادی کر لو وہ بہت حیرانی سے اس کی طرف دیکھتی ہے کہ تم وہ ہی خلجی ہو کہیں تبدیل تو نہیں ہو گئے۔ایسے الفاظ تم خود مجھے اپنے منہ سے کہہ رہے ہو ایسا کبھی نہیں ہو گا وہ خلجی کو کہتی ہے کہ میں صرف تمہاری ہی ہوں یہاں پر اس کے دکھ درد کا احساس ہوتا ہے کہ اس نے تنہا زندگی گزار دی۔وہ جس مرد کا ساری زندگی انتظار کرتی رہی وہ ہی مرد اس کو کہتا ہے۔کہ شادی کر لو اگر شادی کسی اور سے کرنی ہی تھی تو اتنی جدائی کی اذیش برداشت کیوں کروائی وہ خود میں ہی الجھ گئی۔خلجی اس کو کہتا ہے کہ وہ شوہر ہو گا تمہارا وہ آگے سے جواب دیتی ہے کوئی تیرے سوا میرا شوہر ہو سکتا ہے جب تم نہیں تو دنیا میں کوئی نہیں۔وہ خلجی کو کہتی ہے کہ تمہیں sex کا خوف ہے نہ sex تو زندگی کا ایک ٹکڑا ہے اور باقی ننانوے ٹکڑے ہیں۔اس ایک ٹکڑے کو میں زندگی کی تھوڑی سی کمی تو مان سکتی ہوں لیکن ایسی کمی نہیں جو جینے بھی نہ دے۔

شادی کر لوں گی نا۔تو sex کا ایک ٹکڑا حاصل کر لوں گی باقی ننانوے ٹکڑے تم نے لے رکھے ہیں اس ایک ٹکڑے کو میں نے کیا کرنا ہے موضوع کو۔۔۔بہت سال گزار چکی ہوں چند اور جمع کر لو۔۔۔وہ

بھی گزار جاؤں گی لیکن تیری خدیجہ کا کسی کا نہیں ہونے دوں گی اب تو مضبوط فیصلے کرنے کی عادی ہو گئی ہوں خدیجہ عمر کا ایک حصہ ہوتا ہے تنہائی کاٹتی ہے تمھاری یاد تنہا ہونے دے گی کیا۔[۶۵]

وہ لوگوں کو خاموش کرواتے کرواتے تھک گئی ہے کہ وہ کیوں چپ نہیں ہوتے۔ اس لیے وہ شہر سے نقل مکانی کرتی ہے کیونکہ وہ شادی نہ کرنے کی وجہ کسی کو بھی نہیں بتاتی اور کہتی ہے کہ وہ اس شہر کو چھوڑ کر چلی جائے گی۔ وہ اپنا آبائی گھر اپنے بھائی سے خرید لیتی اور خلجی کو کہتی ہے کہ اس گھر میں میری یادیں ہیں۔ میری زندگی میں تمہاری اور بچپن کی یاد کے علاوہ کچھ نہیں اس کے سہارے ہی باقی سانسوں کو کاٹنا ہے۔ وہ اس بات کو اپنی ماں کو بھی نہیں بتاتی اور سب درد اپنے اندر رکھتی ہے۔ خلجی سے بھی شکایت نہیں کرتی۔

وہ اپنے درد اور تکلیف خلجی کو بتاتی ہے کہ اس پر کیا گزرتی ہے کہ جب خلجی کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ تو میں بہت تڑپی تھی۔ وہ وقت میرے لیے قیامت سے کم نہیں تھا۔ میں دعا مکمل کر لینے کے بعد دوسری بار تمہارے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتی تھی۔ جس میں صرف تم ہوتے تھے اور اس دعا میں کسی کو شامل نہیں کرتے تھی۔ اس حوالے سے اقتباس درجہ ذیل ہے۔

میں بہت تڑپی تھی۔۔۔ کوئی قیامت سی قیامت تھی۔۔۔ یقین تو مجھے پہلے دن سے ہے میں تم میں فنا ہو چکی ہوں لیکن وہ سارے دن۔۔۔ خلجی زمین تانبے کی اور سورج سوا نیزے پر تھا جو عشق اور جنون کی منزل میں نہیں ہوتے وہ اس تڑپ کو سمجھ نہیں سکتے لیکن؟۔۔۔۔[۶۶]

خدیجہ اور خلجی ایک دوسرے کے خط لکھتے تھے اور اپنے اندر کا درد کو ایک دوسرے کو بتاتے ہیں۔ خلجی خدیجہ کے خط بار بار پڑھتا رہتا ہے اور خدیجہ بھی خلجی کے خط سنبھال کر رکھتی ہے۔ دونوں اسی خطوں کے سہارے زندہ رہتے ہیں۔ خدیجہ نے ہارٹ اٹیک کے مواقع پر لکھتی ہے۔ کہ آج کا دن بہت عجیب سا گزرا اداسی صبح کی خبر مجھے بستر پر ہی مل گئی تھی۔ اندر امنڈتے آنسوؤں کو اندر دھکیلتی آفس کی طرف روانگی ہوئی۔ راستے میں ملنے والے بے شمار اجنبی چہروں کو وہ بڑی آس سے دیکھ رہی تھی کہ کوئی تو جھوٹی تسلی دے اور وہ اس سے لپٹ کر رو دے۔ اس دن خدیجہ نے خلجی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی اور کامیاب بھی ہو گی۔ خلجی چیک آپ کروانے جا رہے تھے۔ خدیجہ نے سوچا کہ اتنے لوگ بیمار ہوتے ہیں۔۔ بے شمار لوگ مرتے ہیں۔ ان میں خلجی بھی ایک ہوتا، سنتی کہ مر گیا افسوس کرتی اور آگے بڑھ جاتی۔ اپنے معمولات میں مصروف ہو جاتی۔ وہ اپنی تکلیف کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ اس درد سے نکلنا چاہتی ہے۔ وہ چاہ کر بھی ایسا نہیں کر سکتی۔ وہ جان کر بھی خود کو خلجی کی یادوں سے الگ نہیں ہو پاتی اور اس کی تکلیف مزید بڑھ جاتی ہے۔ اس کی دھڑکنیں بے ربط ہو رہی ہوتی ہیں اور سینے پر بہت بوجھ ہوتا ہے۔

وہ خلجی کو بتاتی ہے کہ وہ خلجی کو اندر سے کتنا جانتی ہے۔ جب خلجی بہت دکھی یا پریشان ہوتا ہے تو وہ جی بھر کر اور شوخی سمو کر بات کرتا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ تمہاری زندہ شوخ آواز میں کھو کر تمہاری اداسی، دکھ، اور تکلیف سب سمجھ آجاتا ہے۔ خلجی بالکل اچھے اداکار نہیں ہو آپ اپنے آپ کو مجھ سے نہیں چھپا سکتے۔ اس حوالے سے اقتباس درجہ ذیل ہے۔

> میں محض تمہاری سانس سے سانس لینے تک کا تمہارے اندر اتر کر تمہارا حال جانجاتی ہوں۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہاری کیفیت کے سب ڈھنگ سے آشنا ہوں۔ کب کس کس کے ساتھ بیٹھے ہو؟ کہاں بیٹھے ہو؟ تمہارا لہجہ پل بھر میں تمہارے آس پاس کا پورا منظر نامے کھول کر رکھ دیتا ہے۔ [۱۷]

خدیجہ اور خلجی کی آخری ملاقات وہی ہوتی ہے جب خدیجہ خلجی کے گھر دعوت پر جاتی ہے۔ اس کے بعد ان کی ملاقات نہیں ہوئی۔ کئی برس خط و کتابت نہیں ہوتی، بہت سالوں بعد خدیجہ کا خط آتا ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ جب اس کی بیرون ملک نوکری لگی تو وہ آخری دفعہ خلجی سے ملنے پہاڑی اسٹیشن گئی۔ وہاں خلجی نہیں تھا وہاں صرف اس کی خوشبو تھی۔ وہ ساری رات ادھر رہتی ہے۔ اگلی صبح واپس آجاتی ہے اور پھر باہر چلی جاتی ہے۔ وہ باقی کی زندگی بیرون ملک گزارتی ہے اور واپس نہیں آتی۔ اس طرح اپنے درد اور یادوں کے سہارے زندگی گزرتی ہے۔

کوئی بھی شخص مکمل طور پر نہ تو اندرون بین ہوتا ہے اور نہ ہی بیرون بین ہوتے ہیں۔ اس ناولٹ "آشوب گاہ" مرکزی کردار خدیجہ اندرون بین خصوصیات کے ساتھ ساتھ بیرون بین ہے۔ خلجی اور خدیجہ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ سب سوچ کر اس کی جان نکلتی ہے۔ جب خلجی یہ بتاتا ہے کہ وہ اس کا رشتہ نہیں مانگ سکتا تو وہ خلجی کو کہتی ہے کہ ہم بھاگ کر شادی کر لیتے ہیں۔ عام طور پر بھاگ کر شادی کرنے کی ہمت لڑکوں میں زیادہ ہوتی ہے لیکن اس کہانی میں ایک لڑکی بھاگنے کا کہتی ہے۔ اس بات سے واضح ہوتا ہے کہ لڑکی ایک بہادر لڑکی ہے اپنے جذبات کو صرف اندر نہیں رکھتی بلکہ اظہار بھی کرتی ہے اور وہ یہ کام روایت کے برعکس کرتی ہے۔

اسی طرح جب خدیجہ اپنی پھوپھو کے گھر چھٹیاں گزرنے جاتی ہے۔ وہاں ڈاک کا نظام اچھا نہیں ہوتا ہے۔ وہ ڈاکیے کو پراٹھے کھیلاتی ہے تاکہ وہ اس کے خط خلجی تک پہنچادے۔ وہ ایک لڑکی ہو کر ڈاکیے کو پراٹھے کھیلاتی ہے۔ اس کے علاوہ خدیجہ یونیورسٹی میں خلجی کو ملنے بولاتی ہے۔ خلجی جب یونیورسٹی آتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے کہ اس کو کیوں بولایا ہے تو وہ جواب دیتی ہے۔ کوئی وجہ ہو تب ملتے ہیں، بہت یاد آرہی تھی تو بولا لیا۔ اس بات سے واضح ہوتا ہے کہ لڑکی بیرون بین اور بے باک لڑکی ہے۔ اس حوالے سے اقتباس درجہ ذیل ہے۔

> کیوں بلوایا ہے مجھے۔۔۔؟
>
> خلجی تمہیں بلوانے کے لیے کسی Reason کا ہونا ضروری ہے کیا؟

تمہارا ہاتھ چوم لوں۔۔۔۔؟ کتنی بار کہا ہے کہ نہ پوچھا کرو۔[۱۸]

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیرون بین انسان کی طرح خدیجہ اپنے جذبات کا اظہار کھل کر کرتی ہے۔ وہ خود ہی چومنے کا کہتی ہے اور خلجی کو چوم لیتی ہے۔ خدیجہ اندرون بین اور بیرون بین دونوں خصوصیات کی مالک ہے لیکن اندرون بین خصوصیات زیادہ حاوی ہیں۔

اس ناولٹ آشوب گاہ کا موضوع محبت اور رومان ہے۔ محبت کے موضوع پر بہت سی داستانیں ہزاروں سالوں سے تحریر ہوتی چلی آ رہی ہیں اور بغیر کسی نمایاں فرق کے ہر سماج کے کار ٹیکس میں محفوظ اور متحرک ہیں۔ بعض اوقات خارج اور باطن میں وہ بحران اٹھتے ہیں جو انفرادی یا سماجی انقلاب کا شاخسانہ بھی ٹھہرتے ہیں۔ ادب چونکہ مجموعی حیات کا ایک موثر جزو ہے لہذا اسے بھی محبت جیسے قوت آور جذبے سے مفر ممکن نہیں۔ اس ناولٹ کی مجموعی فضا میں درد، دکھ، غم، افسردگی، نراجیت اور پھیکی مسکراہٹیں جابجا بکھری ہوئی ہیں۔ یہ ناولٹ ٹرین کی پٹڑی کی طرح ہموار اور سیدھے پلاٹ پر سادگی سے رواں ہے۔ چھوٹے چھوٹے اور گرد ہوتے ہوئے واقعات کا بیان دلچسپی کے ذائقے بدلنے کی خاطر آتے ہیں۔ اسی طرح اس کہانی میں خدیجہ کے علاوہ بھی نسائی کردار موجود ہیں جو اندرون اور بیرون بین خصوصیات کے مالک ہیں۔

اس ناولٹ میں ایک اور نسائی کردار ''نوربی بی'' اندرون بین شخصیت ہے۔ نوربی بی عمر جہاں سے محبت کرتی ہے۔ جب نوربی بی پنگھٹ پر جب ناریاں پانی بھرنے کو آئی تھیں تو ان کی جوانیاں پانی کے گاگروں کی طرح بریز جھلکتی تھیں۔ عمر جہاں داد خان ایک بار گھوڑے پر گزرا اور حواس کھو بیٹھا۔ نوربی بی بھی اپنی الڑ جوانی سنبھال نہ پائی اور اس لڑکے پر مر مٹی۔ یہ بات پورے گاؤں میں پھیل گئی۔ عمر جہاں داد خان نوربی بی کو کہتا ہے کہ وہ اس کا رشتہ مانگنا چاہتا ہے۔ وہ اس کو منع کر دیتی ہے۔ وہ جواب دیتی ہے کہ میرے گھر والے رشتہ نہیں دیں گے اور میں یہ دکھ برداشت نہیں کر سکتی کہ آپ کو نہ ہو۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے رہیں گے۔ ہم جیے مرئے گے تو اکٹھے مرے گے۔ نوربی بی اندرون بین شخصیت کی مالک ہے۔ وہ اپنی ماں کو اپنی پسند کا نہیں بتا سکتی کیونکہ وہ جذبات کا اظہار کھل کر نہیں کر سکتی تھی۔ عمر جہاں داد کے ایک دوست کو شرارت سوجی وہ نوربی بی کے گھر گیا تب وہ جھاڑو لگا رہی تھی۔ اس نے نوربی بی کی ماں سے کہا عمر جہاں داد خان گھڑ دوڑ میں گھوڑے سے گرا اور دم توڑ گیا ہے۔ نوربی بی کے ہاتھ اور جھاڑو دونوں منجمد ہو گئے۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں گومیں اور وہ وہیں ڈھیر ہو گی۔ ادھر ہی اس کا دم نکل گیا اور مر گئی۔ گھر میں کہرام مچ گیا۔ دوست نے یہ کیفیت دیکھی تو الٹے پاؤں عمر جہاں داد خان کی طرف بھاگ گیا۔ وہ اپنا حقہ گڑ گڑا رہا تھا۔ اس نے دوست کے حواس باختہ دیکھ کر پوچھا خیریت ہے۔ اس کے دوست نے جواب دیا کہ نور بی بی مر گئی

ہے۔ عمر جہاں داد خان یہ بات سن کر کٹے ہوئے شہتیر کی طرح گرااور مر گیا۔ دونوں کا جنازہ اٹھا تو گاؤں کا انسان تو انسان در و دیوار بھی دھاڑیں مار مار کر روئے۔ نور بی بی اپنے جذبات کا اظہار کھل کر کسی کے سامنے نہیں کرتی تھی۔ وہ اپنے اندر درد رکھتی تھی۔ جب اس نے عمر جہاں داد کا درد سنا تو وہ یہ برداشت نہ کر سکی اور مر گئی۔

آشوب گاہ کا ایک اور نسائی کردار جو بے نام ہے۔ حامد سراج نے اس کا نام واضح نہیں کیا۔ یہ کردار بھی اندرون بین شخصیت کا مالک ہے۔ خدیجہ اپنی دوست کے ساتھ اس عورت کے پاس جاتی ہے۔ وہ عورت خاموش طبیعت کی مالک ہوتی ہے۔ اس عورت کی عمر پچاس برس ہے۔ جب خدیجہ نے غور سے اس عورت کی طرف دیکھا اس کو لگا کہ اس کا خلجی اس کے اندر زندہ ہے۔ اس عورت کی ایک عادت ہوتی ہے کہ وہ تنا دور درخت کی جڑوں میں باقاعدگی سے پانی دیتی ہے اور اس کی گوڈی کرتی ہے۔ وہ اس کے نیچے بیٹھ کر چائے پیتی ہے۔ اس عورت کی آنکھوں میں دور تک اداسی بچھی نظر آئی ہے۔ وہ اس درخت سے مانوس لگتی ہے۔ وہ ہمیشہ چپ رہتی ہے۔ خدیجہ سے تیسری چوتھی ملاقات پر اپنا درد بتاتی ہے۔ خدیجہ پوچھتی ہے آپ اس درخت سے زیادہ مانوس ہیں کوئی یاد جڑی ہے؟ وہ عورت پوچھتی ہے کہ تمہیں اس کا خیال آیا؟ خدیجہ جواب دیتی ہے کہ آپ کی آنکھوں میں وقت رکا ہوا ہے۔ وہ پھر اپنی کہانی بتاتی ہے۔ ایک شخص تھا۔ جب اس کے ساتھ چائے پی تھی تو ننھا سا پودا لگا تھا۔ میں نے تب سے فیصلہ کیا تھا کہ ساری زندگی گزر دی ہے۔ خدیجہ پوچھتی کہ اس شخص کی یاد ستاتی ہے۔ وہ عورت جواب دیتی ہے۔

> میں تیس برس کی تھی جب وہ مر گیا پچاس پچپن برس سے روزانہ سہ پہر میں اس لان میں ٹھیک اس وقت چائے پیتی ہوں۔ جس وقت اس کے ساتھ آخری چائے پی تھی۔ اتنے برس کی مصروفیات نے گرد نہیں ڈالی یادوں پر میں روز گرد آنسوؤں سے دھو ڈالتی ہوں۔ [۹۱]

یہ عورت اندرون بین خصوصیات کی مالک ہے۔ ساری زندگی اس مرد کی یاد میں گزر دیتی ہے۔ بیر دن بین کی طرح دنیا میں ماگن نہیں ہوتی بلکہ ایک یاد اور درد کے ساتھ زندگی گزر دیتی ہے۔

حنا بھی آشوب گاہ ناولٹ کا نسائی کردار ہے۔ حنا خدیجہ کی دوست ہوتی ہے۔ اس کی ماں مر گئی ہوتی ہے اور اپنے باپ کے ساتھ رہتی ہے۔ وہ بھی اندرون بین شخصیت کی مالک ہے۔ حنا اور خدیجہ کا ایک کلاس فیلو ہوتا ہے۔ جس کا نام ریحان ہوتا ہے۔ وہ حنا سے محبت کرتا ہے۔ وہ اس سے اظہار محبت کرتا ہے اور وہ مان جاتی ہے۔ وہ کئی بار کوشش کرتی ہے کہ وہ اپنے کو بتا سکے کہ وہ ریحان کو پسند کرتی ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ وہ کوشش کرنے کے بعد بھی ہمت نہیں کر سکتی۔ وہ اندرون بین شخصیت کی مالک ہے تب ہی اپنے جذبات کا اظہار اپنے باپ کے سامنے نہیں کر سکتی۔ حنا کو اس بات کا پتہ ہوتا ہے کہ اس کی پوری زندگی کا معاملہ ہے۔ اگر آج نہ بولی تو کبھی بھی نہیں بول پائے گی ہو سکتا ہے۔ اس کا باپ لاعلمی میں کسی اور سے نہ شادی کر دے۔ اتنا علم ہونے کے باوجود وہ اپنے کا اظہار نہیں کر سکتی۔

اندرون بین انسانوں کی طرح اپنے جذبات کی جلتی ہوئی بھٹی کو اپنے اندر ہی رکھتی ہے۔ ریحان اپنی محبت کو پانے کے لیے حنا کے باپ سے ہمت کر کے بات کرتا ہے۔ وہ اس کے باپ سے کہتا ہے کہ انکل ایک عجیب سی الجھن ہے۔ حنا کا باپ کہتا ہے کہ تم میرے ساتھ اپنا دکھ بانٹ سکتے ہو ریحان جواب دیتا ہے۔ مسلہ میرا نہیں ہے بلکہ حنا کا ہے۔ اگر بیٹی حنا کا ہے تو وہ مجھ سے خود بات کرے۔ ریحان جواب دیتا ہے کہ وہ آپ سے جھجکتی ہے۔ ہم شادی کرنا چاہتے ہیں تو اس کا باپ کہتا ہے رشتہ لے آو میں فیصلے کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس طرح ریحان کی ہمت سے دونوں کی شاد ہو جاتی ہے اور ان کی زندگی کا نیا آغاز ہو جاتا ہے۔

اس ناولٹ میں ایک اور نسائی کردار جو بے نام ہے۔ یہ عورت سامری جس کو خلجی ساحر کے نام سے یاد کرتا ہے، اس کی محبوبہ ہے۔ وہ بھی اندرون بین خصوصیات کی مالک ہے۔ وہ سامری سے محبت کرتی ہے۔ اس لڑکی کی شادی ماں باپ اور جگہ کر دیتے ہیں۔ وہ سامری کو کہتی ہے کہ وہ ساری عمر اپنی لاش اپنے کندھے پر اٹھائے پھرے گی۔ اس لڑکی نے شادی کو خودکشی سے تشبیہ دیتی ہے۔ اس نے شادی نہیں کی بلکہ خودکشی کی ہے۔ وہ سامری کو کہتی ہے کہ عورت کو اس کی مرضی کے خلاف کسی کے ساتھ باندھ دیا جائے تو وہ عورت مر جاتی ہے۔ وہ صبح اپنی لاش ڈھوتی ہے۔ وہ ساری عمر اپنے درد کو اندر رکھ کر زندگی گزرتی ہے۔

محمد حامد سراج کے افسانوی نسائی کرداروں کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو آپ کے افسانوی نسائی کردار مختلف نوعیت کے ہیں۔ مندرجہ بالا سبق میں افسانوی نسائی کرداروں کا نفسیاتی تجزیہ کارل گستاؤ ژونگ کے نظریہ تحلیل نفسی کے ذریعے کیا گیا ہے۔ آپ کے افسانوی نسائی کرداروں میں تحلیل نفسی کے عناصر موجود ہیں آپ کے افسانوی نسائی کرداروں میں الجھاؤ موجود ہے اور ہر کردار کا الجھاؤ مختلف ہے۔ ہر نسائی کردار کی ذہنی کیفیت مختلف ہے۔ مثال کے طور پر افسانہ "سناٹا کہاں گیا"، چہم کا نسائی کردار اور افسانہ "چائے کی پیالی" کا نسائی کردار کے الجھاؤ میں فرق ہے۔ سناٹا کہاں گیا میں عورت الجھاؤ کا شکار ہے۔ جس لڑکے سے وہ محبت کرتی ہے وہ اس قابل ہے کہ اپنا سب کچھ لوٹا دوں۔ وہ اسی الجھن میں پھنسی رہتی ہے اور اس لڑکے سے دور ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس افسانہ چائے کی پیالی کا نسائی کردار ارینہ اپنے شوہر کے بجا شک کی وجہ سے الجھاؤ کا شکار ہے۔ اس کے شوہر کے مطابق وہ بہت خوب صورت ہے اور کوئی بھی مرد ارینہ کو دیکھے گا تو وہ دل ہار جائے گا۔ وہ اس الجھن میں رہتی ہے کہ اس میں اس کا کیا قصور ہے۔ وہ یہ سوچتی ہے کہ کاش میں خوب صورت نہ ہوتی اور اس کا شوہر اس کی سیرت کو دیکھتا، وہ اسی الجھاؤ میں اپنے اندر کردار تخلیق کر لیتی ہے اور اس سے بات کرتی ہے۔ تحلیل نفسی کا عنصر اجتماعی لاشعور کے مختلف اساسی نقوش بھی حامد سراج کے افسانوی نسائی کرداروں میں موجود ہیں۔ آپ کے افسانوی نسائی کرداروں میں اجتماعی لاشعور کی نوعیت مختلف ہے۔ کسی کردار میں

سایہ موجود ہے تو کسی میں نقاب اور کسی میں تصویر مردوزن موجود ہیں۔ نفسیاتی لحاظ سے انسان کے کردار کو دو گرہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ا۔ اندرون بین ۲۔ بیرون بین، حامد سراج کے افسانوی نسائی کرداروں میں دونوں خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ کچھ کردار دونوں خصوصیات کے مالک ہوتے ہیں۔ اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو زیادہ تر حد حامد سراج کے افسانوی نسائی کردار اندرون بین ہیں۔ محمد حامد سراج نے مختلف کرداروں کے ذریعے انسان کی نفسیات سے پردہ اٹھایا ہے اس لیے ہر کردار کی نوعیت مختلف ہے۔

حوالہ جات

۱۔ منیر احمد فردوس، ”حامد سراج بطور حیات نگار“(غیر مطبوعہ و مملوکہ حامد سراج)۲۰۰۴ء۔

۲۔ کارل گستاؤ ژونگ، الجھاؤ دسمبر، ۲۰۱۹ء، ۱۰:۲

(https://en.m wikipedia.org/wiki/complex_psychology)

۳۔ محمد حامد سراج، مجوعہ محمد حامد سراج(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص۳۱۷۔

۴۔ محمد حامد سراج، بخیہ گری(راولپنڈی: الفتح پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص۱۳۲۔

۵۔ محمد حامد سراج، برادہ(لاہور: بی پی ایچ پرنٹرز، ۲۰۱۸ء)، ص۱۱۶۔

۶۔ محمد حامد سراج، مجموعہ محمد حامد سراج، ص۴۸۔

۷۔ محمد حامد سراج، برادہ، ص۱۸۔

۸۔ شہزاد احمد، ژونگ نفسیات اور مخفی علوم ،(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء)، ص۶۶۔

۹۔ محمد حامد سراج، مجموعہ محمد حامد سراج، ص۶۲۸۔

۱۰۔ محمد حامد سراج، مجموعہ محمد حامد سراج، ص۳۶۷۔

۱۱۔ محمد حامد سراج، مجموعہ محمد حامد سراج، ص۵۱۲۔

۱۲۔ محمد حامد سراج، بخیہ گری، ص۳۷۔

۱۳۔ محمد حامد سراج، برادہ، ص۱۲۰۔

۱۴۔ محمد حامد سراج، مجموعہ محمد حامد سراج، ص۶۰۱۔

۱۵۔ محمد حامد سراج، مجموعہ محمد حامد سراج، ص۶۳۷۔

۱۶۔ محمد حامد سراج، مجموعہ محمد حامد سراج، ص۶۳۹۔

۱۷۔ محمد حامد سراج، مجموعہ محمد حامد سراج، ص۶۶۵۔

۱۸۔ محمد حامد سراج، مجموعہ محمد حامد سراج، ص۶۱۵۔

۱۹۔ محمد حامد سراج، مجموعہ محمد حامد سراج، ص۶۴۵۔

باب چہارم:

مرد کرداروں کی تحلیل نفسی

باب چہارم:

مرد کرداروں کی تحلیل نفسی

اس باب میں محمد حامد سراج کے افسانوی مرد کرداروں کا نفسیاتی تجزیہ کارل گستاژونگ کی تھیوری تحلیل نفسی کے مطابق کیا جائے گا۔ذاتی لاشعور انسانی شعور سے جنم لیتاہے۔یہ شعوری انا سے ملحق ہے۔ذاتی لاشعور فرد کے ایسے تجربات پر مشتمل ہوتا کے بچپن کے مشاغل اور خواہشات کے پورا نہ ہونے کی صورت میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔اس میں لاتعداد بھولے ہوئے تجربات شامل ہیں ۔ فرد کے ذاتی لاشعور کی یاداشتیں پوری طرح انسانی ارادے کے بس میں نہیں ہوتیں کیونکہ وہ دبائے جانے کی وجہ سے کمزور ہو جاتی ہیں۔ مگر ان کو دوبارہ یاداشت میں واپس لایا جاسکتا ہے ۔ مثال کے طور پر خواب کے ذریعے لاشعور سے شعور میں آجاتی ہیں۔ بعض اوقات خود ہی اپنی مرضی سے شعور میں آجاتی ہیں اور بعض دفعہ کسی حادثے کی وجہ سے بھی دوبارہ لاشعور میں آجاتی ہیں۔

ہمارے بیشتر افسانہ نگاروں نے انسان کے اندر کی انتہائی گہرائیوں تک رسائی کے لیے علم النفس سے اچھی طرح کام لیا ہے۔ علم النفس دراصل انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی پہلوں کے مطالعے سے ذہن انسانی کے رموز کو لو تلاش کرنا ہے۔اس حوالے سے جنسی نفسیات، تصوف اور رومانیت کے عناصر بھی حقیقت کے اظہار کی مختلف صورتیں ہیں۔ان کا تعلق انسانی زندگی سے گہرا ہے۔ڈاکٹر سلیم اختر اپنے مضمون "افسانہ اور لاشعور" میں افسانہ نگار کے لیے جنس کے مطالعہ کو اس لیے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ انسانی ذہن کی الجھنوں کو بہ آسانی پیش کرنے کا شعور حاصل کر سکے۔

> جنس سے معرا نفسیاتی مطالعہ کرنے والا افسانہ نگار جلدی خود کو بند گلی میں پائے گا اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت ہے کہ جنس کا مطالعہ افسانہ نگار کو کردار کی بھول بھلیاں میں پھنسا سکتا ہے۔اس سے بچ کے نکلنے کے لیے جس حقیقت پسندانہ نگاہ، تجربات سے پاک ذہن اور غیر متعصبانہ رویے کی ضرورت ہوتی ہے۔وہ ہر افسانہ نگار کے پاس نہیں ہوتا۔[1]

حامد سراج نے اپنے افسانوی ادب میں جنسی اور نفسیاتی مسائل و معاملات کو ہنر مندی سے پیش کیا ہے۔اس میں فرد اور سماج کی مجموعی زندگی اپنے اصلی روپ میں جلوہ گر ہے۔ جس میں افسانہ نگار کی حقیقت پسندی کو بڑا دخل ہے۔ حامد سراج نے جو اس حوالے سے افسانے لکھے ہیں۔ان میں لذت اور کشش پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ اس میں انسان کی داخلی کیفیت کو محسوس کرنے کا عنصر پایا جاتا ہے۔ جس کے لیے آپ کے افسانوں میں "نقش

گر"، "مرصع آئینے"، "کیڑا"، "بے انت صحرا" اور "آخری آئس کیوب" کی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔

محمد حامد سراج کے افسانے ''خواب میں پیوست کانٹا'' کا مرد کردار اپنے ذاتی لاشعور کے الجھاؤ میں بے چین ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار غیاث الدین کو خواب آتے ہیں۔ یہ خواب اس کو داخلی کرب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ وہ ایک شخص کے پاس جاتا ہے اور اس کو بتاتا ہے کہ مجھے خواب آتے ہیں۔ جب وہ شخص سے اپنی ذات کے متعلق پوچھتا ہے تو بحث کے بعد معاملہ حقوق العباد کا نکلتا ہے۔ غیاث الدین چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) کا مقروض ہوتا ہے۔ وہ شخص اس کو ادا کرنے کو کہتا ہے۔ اس افسانے کا اسلوب علامتی اور بڑا معنی خیز ہے۔ یہاں آدمی کی ذات میں چھپے ایک نئے انسان کی تلاش کا رجحان ملتا ہے۔ انسان کے لیے رحمت کے دروازے آخری وقت تک کھلے رہتے ہیں۔ انسان کو اپنی سمت کا صحیح تعین کرنا چاہیے۔ انسان کا ضمیر اور ذاتی لاشعور وقتاً فوقتاً اس کو ادا نہ کیے جانے والے حقوق و فرائض پر ملامت کرتا رہتا ہے۔ اس کو یاد دلا کر اس طرف ہانکتا کہ جاؤ اور جا کر حق ادا کر لو اس سے پہلے وقت کی مہلت ختم ہو جائے اور نماز کی ادائیگی کی بجائے تمام افراد اس انسان کی نماز کی تیاریوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

آپ کا افسانہ "رونے کی آواز" جو آپ کے افسانوی مجموعے برائے فروخت میں شامل ہے۔ اس افسانے میں مرد کردار رفیق شاہ خوف کا شکار ہے۔ اسے کسی چیز میں اور کہیں سکون نہیں ملتا۔ اس کو بلی کے رونے کی آواز سنائی دیتی ہے اور اس کو لگتا ہے جب بھی کوئی بلی روتی ہے تو کسی عزیز کی موت واقع ہوتی ہے۔ یہ خوف اس کے ذاتی لاشعور کا حصہ ہوتا ہے دفعہ بلی کے رونے کی آواز سنی تھی تو اس کے بھائی کی موت واقع ہوئی تھی۔ اس کے لاشعور میں یہ خوف بیٹھ گیا۔ وہ اپنے خوف کو دور کرنے کی بہت کوشش کرتا ہے لیکن وہ دور نہیں کر پاتا۔ بچپن میں ایک بار اس کے دادا نے کہا تھا کہ بلی روئی تھی اور ہندوستان کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے تب سے اس کے ذہن میں خوف بیٹھ گیا تھا۔

> ایک روز ان کے چھپر پر بلی روئی تھی اور ہندوستان دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔ یہ بلی ہر جگہ موجود رہتی ہے۔ یہ یقیناً اس وقت بھی روئی ہو گی جب پاکستان دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔ [۲۷]

افسانہ "خناس" میں مرد کردار اپنے ضمیر اور ذاتی لاشعور کی وجہ سے بے چین ہے۔ وہ پانچ وقت کا نمازی ہے لیکن وہ عورتوں میں دلچسپی لیتا ہے۔ وہ ان کو بری نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کی بیوی کو بھی اس کا بری نظر سے دیکھنا برا لگتا ہے۔ اس کی بیوی خاموشی سے اس کے ساتھ زندگی گزار دیتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ کیبل لگواتا ہے۔ سب محلے والے پوچھتے ہیں کہ تم اتنے نمازی ہو کیبل جیسی لعنت گھر میں کیوں لگواتے ہو۔ اس شخص نے جواب دیا کہ کیبل پر اسلامی چینل آتے ہیں اور روز تلاوت سنتا ہوں۔ حقیقت میں وہ شخص رات کی تنہائی میں الگ کمرے میں اوباش فلمیں دیکھتا ہے۔ آہستہ آہستہ اس کا سکون ختم ہو جاتا ہے۔ اس کو کسی جگہ سکون نہیں ملتا اور اس کا ضمیر اس کو بے سکون

رکھتا ہے۔اس کے ذاتی لاشعور میں جو چیزیں چل رہی ہوتی ہیں۔وہ اس کو بے چین رکھتی ہیں۔ لیکن اس کو شعوری طور پر پتا نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔

ذاتی لاشعور میں مختلف تجربات اور واقعات جمع ہوتے رہتے ہیں۔ان میں ایک جیسے تجربات اکھٹے ہو کر گرہوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں خیالات کے ان مجموعوں یا گرہوں کا ایک مرکز ہوتا ہے۔جو مقناطیسی حیثیت رکھتا ہے۔یہ مرکز (مرکزی حصہ جس کے گرد اور چیزیں جمع ہوتی ہیں، نباتاتی اور حیواناتی حصہ) متعلقہ خیالات کو گروہ کی شکل دیتا ہے۔ مرکزہ جتنا طاقتور ہو گا اتنا تجربات کو اپنی طرف کھینچے گا۔مشابہ خصوصیات والے ان گرہوں کو کارل گستاژونگ الجھاؤ کا نام دیتا ہے۔الجھاؤ مختلف نوعیت کے ہو سکتے ہیں۔الجھاؤ دراصل اچانک اثر انداز ہوتے ہیں اور انسانی مستقبل پر،احساسات اور منصوبوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

محمد حامد سراج کے افسانوی مرد کرداروں میں بھی الجھاؤ پایا جاتا ہے۔آپ کے پہلے افسانوی مجموعے وقت کی فصیل کے افسانہ "اندر" میں مرد کردار نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہے۔ وہ روز مرہ کی زندگی اور دنیاوی مشکلات اور مصائب کا سامنا کرتے کرتے تھک گیا ہے اس کو ایسا لگتا ہے کہ اس کے اندر کچھ ٹوٹ گیا ہے۔اس افسانے میں آج کی تیز ترین زندگی میں پیسے اور دنیا کے پیچھے بھگنا انسان کا شیوہ ہے۔انسان کو خدا بھول گیا ہے۔آج کا انسان خدا کی بجائے لوگوں پر انحصار کرتا ہے۔ جس وجہ سے مرد کردار انتشار کی حالت میں ہے۔وہ ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے کچھ اخراجات کو کم کرتا ہے اور ضروری چیزیں خریدتا ہے۔اس کا ذہن الجھتا جاتا ہے کہ باقی کے اخراجات کیسے پورے کروں اور وہ دنیا کے مسائل میں الجھا رہتا ہے۔

افسانہ "دہاڑی" میں لفظ دہاڑی خود کئی طرح کے الجھاؤ کو ظاہر کر رہا ہے۔اس افسانے کا مرکزی کردار افسانہ نگار خود ہے۔سب سے پہلے وہ خود الجھاؤ کو محسوس کرتا ہے۔وہ بے بسی محسوس کرتا ہے۔اس کا دل چاہ رہا ہوتا ہے کہ وہ کچھ تخلیق کرے۔ کوئی نیا موضوع ہو مگر وہ الجھاؤ کا شکار ہے کہ کس موضوع کا انتخاب کرے۔وہ یہ سوچتا رہا کہ پرندوں کے بیان کردہ قصوں سے کہانی تخلیق کرے یا پھر وہ خود کسی اور موضوع کو لکھنے لگے۔دوسرا الجھاؤ تب سامنے آتا ہے جب چاہتے ہوئے بھی وہ اپنے ذہن میں آئے چنگیز بیچنے والی کی مدد کے خیالات اور اس پر عمل نہ کر سکنے پر وہ الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔اس عورت کے بارے میں سوچتا جاتا ہے کہ بھوک اصل محرک ہے یا کھانا خود محرک ہے کہ کوئی چنگیز بیچنے یا اس کو خریدے۔آخری الجھاؤ تب پیدا ہوا جب ایک پٹھان مزدور اور اس کہانی کار کی ملاقات ہوئی اور مزدور کی بات سن کر کہانی کار حیرت زدہ رہ گیا کہ تعویز سے مسائل کا حل کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔آخری الجھاؤ نقشش یا تعویز کو لے اڑنے والے کوے کی۔اس حرکت نے پیدا کیا کہ پیٹ یا بھوک بہت ظالم شے ہے کہ بے تکی چیزوں کو چن لیا

جاتا ہے چاہے وہ بھوک مٹا سکیں بھی کہ نہیں۔

آپ کے افسانے "امام غزالی کا گم شدہ کردار" میں مرد کردار الجھاؤ کا شکار ہے۔ وہ زندگی کے مختلف مسائل میں الجھا ہوا ہے۔ اس کی شادی کامیاب شادی نہیں ہے بلکہ اس کو لگتا ہے کہ دونوں میاں بیوی ریلوے اسٹیشن کے ایک پرانے بینچ کے مخالف سروں پر بیٹھے ہوں۔ وہ اپنے اندر مختلف الجھنوں میں پھنسا ہوا ہے۔ وہ اپنی بیوی کی اچھی بری بات خاموشی سے سن لیتا تھا لیکن ایک دن ڈانٹ دیتا ہے تو ڈانٹنے کے بعد الجھاؤ کا شکار ہو جاتا ہے کہ روز کے معمول کی طرح اپنی بیوی منالوں۔ یہ نہیں قصور تو اسی کا ہے۔ صبر کی کوئی حد ہوتی ہے۔ میں کتنا صبر کروں مسطع الرحمن اپنے اندر مختلف الجھنوں میں پھنسا ہوا تھا۔

وہ سوچتا تھا کوئی بات کوئی ایسا خوبصورت لمحہ جو اس کی تکان اتار ڈالے لیکن مصروفیات کی خودار جھاڑیوں میں اس کا ذہن الجھاؤ ہوا تھا۔ [۲۲]

افسانوی مجموعہ چوب دار کا افسانہ "ذہن بازار" میں مرد کردار الجھاؤ کا شکار ہے۔ اس کو زندگی کے مختلف مسائل نے گھیر رکھا ہے۔ وہ بہت ہی غریب انسان ہے۔ وہ اپنی زندگی گزارنے کی چھوٹی چھوٹی ضروریات کے لیے بہت پریشان ہے۔ جب وہ اپنی جیب میں محدود رقم دیکھتا ہے۔ الجھن میں پڑھ جاتا ہے۔ اس نے سبزی بھی لینی ہوتی ہے۔ چھوٹی بیٹی کے جوتے بھی لینے ہیں۔ بیٹا بیمار ہے اس کو دوائی لینی ہوتی ہے۔ سائیکل کا پنکچر لگوانا ہے۔ بیوی کا ڈوپٹہ بھی رنگوانا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہر کام ضروری لیکن اتنی کم رقم میں سب خریدنا ممکن نہیں ہے۔ ان تمام مسائل اور الجھنوں میں وہ زندگی گزار دیتا ہے۔ اس افسانے میں آج کل کے نوجوانوں کی سوچ اور نفسیات کو بھی دیکھا گیا ہے۔ اس باپ مر جائے گا۔ اسی دن ہی کیبل لگوائے گا کیونکہ اس کا باپ اس وجہ سے کیبل سے منع کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے بچوں کو نماز روزہ کی نصیحت کرتا رہتا ہے۔ اس کے باپ کے مطابق کیبل لگوانے سے بچے نماز روزے سے دور ہو جائے گے۔ پہلے بزرگوں اور بڑوں کی عزت و احترام ہوتا تھا لیکن آج کا انسان مادہ پرست ہو گیا ہے۔ وہ چیزوں کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ آج کا انسان اسی وجہ سے زندگی کی مختلف الجھنوں میں الجھا رہتا ہے۔ اسی طرح یہ باپ بھی آج کی نسل اور مسائل میں الجھا ہوا ہے۔ درجہ ذیل اقتباس سے اس مجبور باپ کی الجھنیں محسوس کی جاسکتی ہیں۔

ذہن کے بازار میں پریشانیوں کے سوا کوئی اور دکان نہیں سجی تھی۔ اس نے اپنے طور کوشش کی تھی کہ اس کے ذہن میں کچھ دکانیں سکھ اور آرام کی بھی کھل جائے لیکن وہ ناکام رہا۔ [۲۳]

افسانہ "بہت گرمی ہے" میں باپ کا کردار داخلی کرب اور الجھن کا شکار ہے۔ وہ ائیر کنڈیشنز کمرے میں بیٹھا ہوتا ہے۔ اس کو اچانک بہت بے چینی ہوتی ہے۔ اتنی آرام دہ جگہ پر بھی اس سے نہیں بیٹھا جاتا۔ وہ باہر نکل کے دیکھتا ہے تو ہر گھر میں یہ مشین لگی ہوتی ہے۔ اس کا دل کرتا ہے کہ ہر گھر سے اس مشین کو اتارے۔ اس افسانے میں بنیادی

طور پر ایک باپ کا بیٹی کے لیے پریشانی اور الجھن کو دیکھایا گیا ہے۔ وہ خود اے۔ سی میں بیٹھا ہوتا ہے پھر بھی اس کے دل میں گھبراہٹ ہوتی ہے اس کا ذہن اس لیے الجھا ہوتا ہے وہ خود ائیر کنڈیشنر میں بیٹھا ہے اور اس کی بیٹی ایسی جگہ ہوتی ہے جہاں اس کو یہ سب سہولتیں موجود نہیں ہوتی ہیں۔ بہت گرمی کی وجہ سے وہ الجھن کا شکار ہوتا ہے۔ اس کو اس بات کا پچھتاوا ہے کہ اس نے بیٹی کی شادی ایسی جگہ کر دی ہے جو اس کے معیار کے مطابق نہیں ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا ضمیر ملامت کرتا ہے، اس کو بے چین اور الجھاؤ میں مبتلا کرتا ہے۔

محمد حامد سراج کا افسانہ "نصف مکمل" میں مرد کردار نعیم الجھاؤ کا شکار ہے۔ اس میں نعیم اور اس کی بیوی شادی شدہ زندگی تو گزار رہے تھے لیکن ان کا رشتہ ایسا ہوتا ہے جیسے ریل گاڑی کی پیٹری ہو۔ وہ ساتھ زندگی گزار رہے ہیں لیکن نعیم تنہائی کا اتنا شکار ہوتا ہے۔ وہ اسلام آباد کی سڑکوں پر بے مقصد گھومتا رہتا ہے۔ اس کو اپنی الجھن کا پتا نہیں چلتا ہے۔ وہ ساری عمر اپنی خوشیوں کو تلاش کرتا ہے لیکن اس کی الجھن ختم نہیں ہوتی اور وہ خود سے بھی جدا ہونا چاہتا ہے۔

سر دست ذہنی انتشار کی وجہ سے وہ کسی پر سکون مقام پر الگ تھلگ اپنے آپ سے بھی جدا ہونا چاہتا تھا۔ [۵]

جس عورت کے ساتھ نعیم کی شادی ہوئی، وہ پہلے سے کسی اور مرد کو پسند کرتی ہے۔ اس کے ماں باپ نے نعیم سے شادی کروادی اور اس بات کا علم نعیم کو شادی کے بعد ہوا کہ اس کی بیوی کسی اور سے محبت کرتی ہے۔ اس نے نعیم کو جسم تو عطا کر دیا تھا لیکن روح تک رسائی نہیں دی تھی۔ اس لیے اس کی زندگی الجھنوں میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ ذہنی انتشار میں اپنی ساری زندگی گزار دیتا ہے۔

افسانہ "موچی جوتے پالش کر رہا تھا" کا مرد کردار الجھاؤ کا شکار ہے۔ افسانہ نگار نے اس کردار کا نام واضح نہیں کیا۔ ایک شخص کے ذہن میں بہت سے سوالات ہیں اور ان کے جوابات تلاش کر کر کے نہیں مل رہے۔ وہ اپنے سوالوں کا جواب ڈھونڈنے ایک ایسی جگہ جاتا ہے۔ جہاں مکینک، مستری، لوہار، الیکٹریشن، قلفی کا تانگہ بھیڑنے والے، چنگ چی ڈرائیور سبزی بیچنے والا، موچی، نائی، پان فروش، ہوٹل سب ایک درخت (ٹاہلی) کے نیچے اور آس پاس جمع ہیں۔ وہ سب کی طرف دیکھتا ہے لیکن اس کو اس کے سوالات کے جوابات نہیں ملتے کہ وہ کون ہے؟ اس کی پہچان کیا ہے؟ یہ انسانوں میں تنہائی کہاں سے آگئی ہے؟ وہ ساری زندگی ان ہی سوالوں کی تلاش میں ادھر سے ادھر بھٹکتا پھرتا ہے۔ وہ ان سب سوالوں سے الجھاؤ کا شکار رہتا ہے۔ وہ یہ سوچتا ہے کہ زمانہ بدل گیا ہے۔ وہ اس سوچ میں جارہا ہوتا ہے کہ گاڑی اس کچل کر رکھ دیتی ہے۔ وہ مرنے کے بعد ان سوالوں کی کش مکش میں رہتا ہے۔ اسے یہ بھی نہیں پتا ہوتا کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے۔

افسانہ "خناس" میں مرد کردار اپنی زندگی میں الجھاؤ کا شکار ہے۔ وہ پانچ وقت کا نمازی ہے لیکن وہ عورتوں میں دلچسپی لیتا ہے۔ وہ عورتوں کو بری نظر سے دیکھتا ہے۔ اس کی نظر اس کی بیوی کو بھی ناپسند ہے۔ اپنی غلط سوچ کی وجہ سے الجھاؤ کا شکار ہے۔ وہ کیبل لگواتا ہے۔ جب اس سے محلے والے پوچھتے ہیں کہ یہ لعنت اپنے گھر میں کیوں آنے دی تو وہ ان کو وہ یہ کہہ کر مطمئن کر دیتا ہے۔ وہ اسلامی چینل دیکھتا ہے اور روز تلاوت سنتا ہے۔ اصل میں وہ تنہائی میں اوباش فلمیں اور گانے سنتا ہے۔ جب سے وہ ایسے کام شروع کرتا ہے تب سے اس کا ذہن الجھتا جاتا ہے۔ وہ یہ سوچتا رہتا ہے وہ جانور ہے کہ انسان ہے، زندہ ہے کہ مر گیا ہے۔ وہ مرد زندگی بھر الجھن میں گزار دیتا ہے۔

افسانہ "چھپید ہسٹری" حامد سراج کے مجموعے برادہ سے لیا گیا ہے اس افسانے کا مرد کردار الجھاؤ کا شکار ہے۔ اس کے ذہن میں کسی ایک چیز کی فلم نہیں چل رہی ہوتی بلکہ وہ مختلف چیزوں کو سوچ رہا ہوتا ہے۔ وہ جس خطے میں رہتا ہے اس خطے کے تمام مسائل اس کے ذہن کو الجھا رہے ہیں۔ وہ خود ایک ہسپتال میں بیٹھا ہوا ہے۔ وہ زندگی کو وال کلاک کہتا ہے۔ اس مرد کے مطابق جب تک یہ وال کلاک چلتی رہے گی تب تک زندگی کے مسائل مزید بڑھتے رہے گے۔ اسی طرح اس کے ذہن میں چھپید ہسٹری بن گیا ہے۔ یہ افسانہ جس دور میں لکھا ہے اس وقت پاکستان میں اٹیم بم کی بہتات تھی۔ اس کا ذہن بارود کی وجہ سے الجھا ہوا ہے۔ وہ اس دھرتی سے بارود کو مٹانا چاہتا ہے کیونکہ اس سے نسل انسانی بہت خطرے میں ہے اس کے علاوہ وہ پاکستان کے علاقے "سندھ میں تھر" کے قحط کی بات کرتا ہے۔ پھر اس کا ذہن اس میں الجھ جاتا ہے کہ قحط کو کیسے ختم کروں؟ جس میں لاکھوں انسان بھوک سے مر رہے ہیں۔ اس کو صرف اپنے خطے کے لوگوں کی پریشانی نہیں ہے بلکہ اس دنیا میں جیسے ایتھوپیا کا قحط ہے۔ وہ اس کی وجہ سے بھی الجھا ہوا اور پریشان ہے اور وہ ہر قحط کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ پھر وہ سوچتا ہے کہ وال کلاک کب ٹک ٹک کرنا بند کرے گی۔

اسی طرح اس کے ذہن میں پورے ملک کی غربت آ جاتی ہے اس غربت کو کیسے ختم کروں۔ وہ کہتا ہے چیلیں اپنی ہم جنس ماس نوچنے کو تیار ہیں۔ شاہین معصوم پرندوں کو اپنے پنجوں بھبوڑنے میں مگن ہے۔ جنگل میں شیر شکار کر رہا ہے لیکن ایک میں ہی غربت کے چمگادڑ کو نوچ نہیں سکتا۔ اس مرد کے ذہن میں معاشرے کے لاتعداد دکھ اور مسائل ہیں۔ جن کو وہ برداشت کرتے کرتے تھک گیا ہے اور مزید برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ اس لیے وہ وال کلاک کے رک جانے کے انتظار میں ہے۔

محمد حامد سراج کا افسانہ "اعلان" میں خود کہانی کار الجھاؤ کا شکار ہے۔ افسانہ نگار کہتا ہے کہ دنیا میں اتنے بہت سے مسائل الجھے ہوئے ہیں۔ وہ الجھے ہونے کے باوجود موجود ہیں۔ اس لیے اگر ایک الجھا ہوا افسانہ اپنے قاری کے سامنے رکھ دوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ قاری خود ہی مسلے کو حل کر لیں گے۔

افسانہ الجھ گیا ہے۔ میں کئی ماہ سے افسانے میں ذہن کھپا رہا ہوں۔ ایک سرا پکڑا ہوں تو دوسرا ہاتھ سے نکل جاتا ہے پھر مجھے خیال آیا دنیا میں اتنے مسائل الجھے ہوئے ہیں۔ الجھے ہوئے ہونے کے باوجود وہ موجود ہیں تو میں اگر ایک الجھا ہوا افسانہ اپنے قاری کے سامنے رکھ دیا تو کون سی مشکل آن پڑے گی۔ میرا قاری خود ہی مسلے کو حل کرے گا۔[۲]

اس میں افسانہ نگار شدید الجھاؤ کا شکار ہے۔ جس خطے میں رہتا ہے۔ اس میں اٹیم بم، قتل، چوری وغیرہ عام ہے اور وہاں عام آدمی متاثر ہو رہا ہے۔ اس وجہ سے افسانہ نگار کو سمجھ نہیں آ رہی ان مسائل کا کیا حال ہے۔ ایٹمی طاقتیں دنیا میں ہونے کی باوجود ان مسائل کو حل نہیں کر سکتی پھر افسانہ نگار ای افسانے میں ایک غریب مزدور کا قتل ہو جاتا ہے۔ چور اس سے موٹر سائیکل اور پیسے لے کر بھاگ جاتے ہیں ساتھ ہی اس کو مار جاتے ہیں۔ پورے گاؤں میں خوف کا عالم ہے۔ افسانہ نگار الجھا ہوا ہے کہ اس مزدور کی دنیا ویران کر کے کیا ملا۔ اگر موٹر سائیکل لینا تھا تو صرف موٹر سائیکل لے کے بھاگتے، جانے پولیس والے کیوں نہیں پکڑ سکے۔ یہ سارا افسانہ شدید الجھاؤ کا شکار ہے۔

افسانہ "چوب دار" میں مرد کردار الجھاؤ کا شکار ہے۔ اس مرد کو دنیا کے مسائل نے الجھایا ہوا ہے۔ چوب دار افسانے میں خاتمے کی کتھا ہے۔ جس میں چوب دار آخری ذی حیات کی علامت ہے۔ اس میں وسیع تر معنوں میں پوری انسانیت اور اس کے منطقی انجام کا منظر نامہ ہے۔ جس میں وہ مقام آتا ہے جہاں زندگی اور زمانے کی گذشتہ آہٹیں سنائی دیتی ہیں۔ اس افسانے کا مرکزی کردار اپنی کم عقلی کی وجہ سے عمومیت کو تہ و بالا کرنے کل انسانیت کے عروج کے نقطہ آغاز تک جا پہنچتا ہے۔ جہاں حدیث نبیؐ کے مطابق انسانیت کو از سر نو تہذیبی نکتہ آغاز کی ضرورت محسوس ہو گی۔ علامتی طور پر یہ افسانہ تاریخ انسانی کو ایک نوع کے پنیوراما میں دکھانے کی سعی جڑا دکھائی دیتا ہے۔ افسانہ نگار شدید الجھا ہوا ہے اور وہ ان مسائل کا حل اس کے پاس نہیں کے لیے الجھا ہوا ہے۔

افسانہ "کاغذ کی راکھ" میں مرد کردار الجھاؤ کا شکار ہے۔ یہ افسانہ اس خلش کو بے نقاب کرتا ہے جو رزق حرام کی بدولت ہے۔ بعض جگہ صرف نشان دہی ہی نہیں کی گئی بلکہ ان کے جواز واثرات کو بھی ہمراہ رکھا گیا ہے۔ رزق حرام کے حتمی نتائج فرد واحد سے نسل، حتیٰ کہ پورے عمرانی دائرے کو محیط ہو جاتے ہیں۔ ان کے نقصانات روحانی ،ناداری، بے سکونی، طبعی معذوری یا ذہنی کاہلی کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس افسانے میں ایک بوڑھا آدمی اپنے دوست کے بیٹے کو فون کرتا ہے اور اس کو اپنی الجھنیں بتاتا ہے۔ وہ بوڑھا کہتا ہے کہ وہ بوڑھا ہو گیا ہے۔ سناٹا اس کا مقدر بن گیا ہے۔ وہ مرنا چاہتا ہے لیکن موت بھی نہیں آتی ہے۔ وہ کہتا ہے الجھنیں اندر سے دیمک کی طرح کھا رہی ہیں۔ سب سے بڑا تنہائی کا ہے۔ میں تنہا رہ گیا ہوں۔ وہ بتاتا ہے کہ کالج میں لیکچر تھا۔ ایک لڑکا اس کے پاس آیا۔ استاد صاحب اپنی بیٹھک میں بیٹھا امتحانی پرچوں پر نمبر لگا رہا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی باہر نکل کر دیکھا تو ایک

نوجوان کھڑا تھا۔ وہ اس کے آگے گڑ گڑ رہا تھا کہ میرا پرچہ پاس کر دو میرا آخری چانس ہے۔ وہ کشمکش میں گرفتار ہو گیا کہ اب کیا کرئے۔ جب اس نے نوجوان کے چہرے کی طرف دیکھا تو اس کو ترس کھا کر اس کا پرچہ دوبارہ دیکھا۔ اس بچے کو پاس ہونے کے لیے (۵) پانچ روپے درکار تھے اور ایک صفحہ ایسا تھا جس پر کراس نہیں لگا تھا۔ اس نے نوجوان کو ایک سوال حل کرنے کو کھا اور اس کا پرچہ پاس کر دیا۔ اس لڑکے نے ہزار (۱۰۰۰) کا نوٹ اس کی میز پر رکھا اور چلا گیا۔ اس پر اس لیکچرر کو بہت غصہ آیا اس کا دل کیا کہ وہ اس کا کاروبار فیل کر دے کہ یہ حرام ہے۔ اس کی روزی حرام کی آمیزش نہیں ہے۔ اس کا ضمیر اس کو کوسنے لگا یہ جنگ کئی دن تک اس کے اندر لگی رہی۔ جب جنگ سرد ہوئی تو وہ ایک ہزار کا نوٹ اس کی جیب میں تھا اسی طرح نوٹوں نے اس کی بیٹھک کا دروازہ دیکھ لیا۔

چند دنوں میں ادھار اتر گیا اور پریشانیاں گھر کی دیوار پر چڑھ آئی۔ اس بوڑھے کا ذہن بہت الجھا ہوا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے وہ سارے طالب علم سونے نہیں دیتے۔ ان کی آنکھوں میں انگار بھرے ہوئے نظر آتے ہیں جو اس کو کھانے آئے ہیں۔ وہ ہر طالب علم کا ایک ایک پیسا واپس کرنا چاہتا ہے لیکن وہ ان سب کو کہاں سے ڈھونڈے۔ وہ بہت بے چین تھا۔ اس بوڑھے آدمی کو اس کے دوست کا بیٹا مشورہ دیتا ہے کہ طالب علموں کے نام سے وہ پیسے صدقہ دے دیجیے دیتا ہے اور اللہ سے معافی مانگو۔ اس کے بعد اس بوڑھے کا فون بند ہو جاتا ہے۔ فون بند ہونے کے بعد اس لڑکے نے وہ ہی درد محسوس ہوا جو اس بوڑھے کو لاحق تھا۔ اس لڑکے نے خود کو اس ہی کی طرح الجھا ہوا محسوس کیا۔ درجہ ذیل اقتباس سے اس لڑکے کا الجھاؤ محسوس کیا جا سکتا ہے۔

> میں نے آنکھیں موند کر اپنے والد محترم کے دوست کا دکھ اپنے اندر اترا محسوس کیا۔ میرے سامنے پیپر زرکھے تھے اور پیپر ویٹ کے نیچے پانچ ہزار کا نوٹ! میں نے غور سے دیکھا میرا پورا گھر راکھ ہو چکا تھا۔ [۲]

افسانہ "ٹاؤن کمیٹی" میں مرد کردار الجھاؤ کا شکار ہے۔ اس افسانے میں کرداروں کے ناموں کو واضح نہیں کیا۔ اس افسانے میں الجھاؤ کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ مرد کردار نے ایسی گھڑی کھو دیتا ہے جو اس کے باپ نے پانچویں جماعت میں پاس پاس ہونے پر، تحفے کے طور پر دی تھی۔ وہ اس گھڑی کے کھو جانے پر الجھا رہتا ہے۔ زمان و مکان کی قید سے بظاہر آزاد ہو کر بزرگ بوڑھے درخت کے ساتھ کھڑے کھڑے احساس کرتا ہے کہ وہ خود بزرگ ہے اور مخاتب کرنے والے اب اس کو باباجی کہہ کر پکار رہے ہیں۔ وہ شاہ پور صدر میں کھڑا ہے اور اس کی میں بہت زیادہ فرق آ گیا ہے جبکہ وہ اپنی گم شدہ گھڑی کا سوگ منانے میں مصروف ہے۔ وہ اپنی زندگی میں عمر کے بدلاو کا بھی احساس نہ ہوا کہ کب بچپن سے اس نے بڑھاپے کا سفر طے کر ڈالا اور جب اس کو احساس ہوا تو وقت کے بدلاو پر حیران تھا کہ سب جس میں

کھو یا تھا کس طرح یک دم تبدیل ہو گیا۔ وہ ان سب تغیرات کو اپنی دنیا میں مست ہونے کی وجہ سے محسوس تک نہ کر پایا۔ درجہ ذیل اقتباس سے اس کردار کی اس کیفیت کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔

> وہ الٹے قدم چلتا ہوا شاہ پور صدر کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچا۔ اسے اپنی گم شدہ نسل کی تلاش تھی وہ شکستہ بنچ پر بیٹھ کر ٹرین کا انتظار کھینچنے لگا۔ ایک بلی اس کے پاؤں میں سے گزر گئی۔ ایک کتا جنگلی کیکروں کے درمیان ستا رہا تھا۔ ایک چرواہا وہاں سے گزرا تو اس پوچھا۔۔۔ بابا جی اس اسٹیشن پر اب کوئی ٹرین نہیں رکتی۔ یہ کئی سال سے ویران ہے۔ ایک زمانہ تھا۔ شاہ پور صدر ضلع تھا۔ اب تحصیل بھی نہیں رہا یونین کونسل کا ایک دفتر ہے بس۔۔۔۔۔ رہے نام اللہ کا۔۔۔! پھیپڑوں میں کھنچی اور خود کلامی کی چادر لپیٹ کرے سمت چل پڑا۔[۸]

افسانہ "برادہ" میں مرد کردار الجھاؤ کا شکار ہے۔ وہ کردار سوچ میں گم ہوتا ہے۔ وہ اپنی سوچوں کے دھاگے سلجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں اس کی زندگی کے کئی لمحے اٹکے ہوئے ہیں۔ وہ بیزار تو نہیں ہے لیکن چہرے پر بیزاری پڑھنا آسان ہے۔ میز کے کونے سے لکڑی اکھڑی ہوئی تھی۔ اس نے غور سے دیکھا رہا ہوتا ہے۔ اس لکڑی کی میز کے برادے میں اس کی موت کی تاریخ لکھی ہے۔ وہ کوشش کر رہا ہے کہ پڑھ لے لیکن وہ نہیں پڑھ پاتا۔ اس لیے الجھ کر رہ جاتا ہے کہ میں کہاں ہوں زندہ بھی ہوں کے نہیں۔ وہ اپنے آپ کو سوچ سے نکالنے کے لیے اپنے بچپن میں جھک کر دیکھتا ہے۔ وہ قلفی کو یاد کرتا ہے جس کو کھاتے ہوئے کتنا مزہ آتا تھا۔ پھر وہ شخص زندگی کو ایک قلفی کی مانند قرار دیتا ہے۔ زندگی قلفی ہے اس سے انسان لطف اندوز نہیں ہو گا تو تھک جائے گا تھکن اور مایوسی موت ہے وہ بچپن میں اسکول کو یاد کرتا ہے کہ ماسٹر داخل ہونے پر بچے سہم جاتے تھے۔ مسجد، مندر اور کلیسا کا فرق معلوم نہیں تھا بس اتنا پتا تھا کہ انسان ان جگہوں پر عبادت کرتے ہیں۔ پھر اس شخص کو علامہ محمد اقبال کی مشہور نظم یاد آ جاتی ہے۔

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

اس کے بعد وہ مدرسے میں قرآن پڑھنے اور قاری سے ڈانٹ پڑنے کو یاد کرتا ہے۔ ان یادوں کے باوجود اس کے ذہن سے موت کا خیال نہیں جاتا ہے۔ وہ بچپن سے انگلی چھڑاتا ہے پھر اس میز کو کھورنے لگ جاتا ہے کہ اس کی زندگی اور موت کا اندراج، لکڑی کی جھڑی عمر کی بوڑھی میز میں پنہا ہے۔ وہ اس درد تکلیف میں مبتلا اکیلا ہی سفر کرتا آ رہا ہے اور خود سے الجھتا رہتا ہے۔

افسانہ "نصف مکمل" میں نعیم کا کردار الجھا ہوا ہے۔ وہ ایک الجھا ہوا اور تنہائی کا مارا ہوا شخص ہے۔ وہ اپنے اندر

کے الجھاؤ کو دور کرنے کے لیے بے مقصد اسلام آباد کی سڑکوں پر کار چلاتا ہے۔ اس کو سمجھ نہیں آتی کہ اسے کس چیز سے خوشی حاصل ہوگی۔ وہ ہمیشہ الجھن کا شکار رہتا ہے۔ وہ اپنی ہم جماعت کو دل کی بات بتاتا ہے کہ ایک لڑکی ہے جس سے میں محبت کرتا ہوں مجھے نہ یہ پتا ہے کہ وہ کہاں رہتی ہے اور نہ یہ پتا ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ میری جس لڑکی سے شادی ہوئی ہے وہ کسی اور سے محبت کرتی ہے۔ میری ذات کبھی تکمیل نہیں ہوئی نہ تو میں کسی کو ٹوٹ کر چاہ سکا ہوں اور نہ ہی کسی نے مجھے چاہا ہے۔ اس کو سمجھ نہیں آتا کہ باطنی خوشی کیا ہے؟ وہ ساری زندگی اپنے اندر خود کو تلاش کرتا رہتا ہے۔ درجہ ذیل اقتباس سے نعیم کا الجھاؤ کو دیکھ سکتے ہیں۔

> بس ایک لڑکی ہے کون ہے؟ نہیں معلوم کہاں رہتی ہے؟ یہ بھی خبر نہیں، وہ کیا چاہتی ہے؟ میں کیا چاہتا ہوں؟ بے خبری سی ہے بس ایک عجیب الجھن نے آگھیرا ہے۔ ممکن ہوا تو تمہارے ساتھ اپنا غم ڈسکس کروں گا لیکن ابھی نہیں۔[9]

محمد حامد سراج کا ناولٹ آشوب گاہ میں دو مرکزی کردار ہیں۔ ایک کردار خلجی اور دوسرا کردار خدیجہ ہے۔ اس کہانی میں خلجی الجھاؤ کا شکار ہے۔ وہ زندگی کے مختلف مسائل میں الجھا ہوا ہے۔ سب سے بڑی الجھن اس کو یہ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے اس کو کیسے حاصل کرے۔ اس کو یہ کام نہ ممکن لگ رہا ہے۔ الغرض کہانی کئی ٹکڑوں میں آگے بڑھتی ہے۔ خدیجہ خلجی سے جدا ہو کر بہ غرض تعلیم کسی اور شہر میں، اپنی پھوپھی کے ہاں جا بستی ہے۔ خلجی کا بقیہ وقت کبھی اجنبی سامری کے ساتھ اور کبھی ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر تنہا چہل قدمی کرتے کرتے گزرنے لگتا ہے۔ اس سامری کا کام لوگوں کے کتبے جمع کرنا ہے۔ وہ سامری بتاتا ہے کہ اس کے پاس خدیجہ کا کتبہ ہوتا ہے۔ خلجی الجھ کر رہ جاتا ہے کہ خدیجہ ابھی اٹھارہ برس کی ہے۔ اس کا کتبہ اتنی جلدی تیار ہو گیا۔ کیا وہ پھوپھو کے گھر جا رہی ہے تو واپس نہیں آئے گی؟ میں کیسے روکوں خلجی یہ باتیں سوچ سوچ کر الجھ رہا ہوتا ہے۔ وہ یہ سوچتا ہے کہ کیا وہ باقی کی زندگی ریلوے اسٹیشن پر گزرے گا۔ اس کا سر درد سے پھٹ رہا ہوتا ہے۔ اس کے پاس اپنے سوالات کے جوابات نہیں تھے۔ صرف سوال ہی سوال تھے جو لاینحل تھے۔

خلجی سامری کی وجہ سے بھی الجھاؤ کا شکار ہے۔ وہ اس بات میں الجھا ہوا ہے کہ سامری اس کے اندر کے خیالات کیسے پڑھ لیتا ہے۔ وہ یہ سوچتا ہے کہ میرے خیالات تو میرے ذہن میں رینگتے رہتے ہیں تو وہ سامری کے دماغ میں کیسے آتے ہیں۔ اس بات نے خلجی کو بہت الجھا رکھا ہے۔ سب سے بڑی بات جو الجھاؤ کا سبب ہے وہ خلجی اور خدیجہ کا ایک ہونا ہے۔ وہ سوچتا رہتا ہے کہ وہ کیسے کرے۔ اس کا ذہن ٹریفک کی مانند چل رہا تھا جس میں ایک ٹیکسی میں خلجی اپنی سوچوں میں گم سم بیٹھا مستقبل کے تانے بانے بن رہا تھا۔ اس کا مستقبل اس کے ہاتھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ خدیجہ کے ساتھ شادی عدالت کے ذریعے کرے لیکن ان سب کے آگے گھر کے حالات آ رہے

تھے۔ خلجی کی بہن کی شادی کے کچھ عرصے بعد اس کے بہنوئی ایک خود کش دھماکے میں زندگی ہار گیا۔ بہن کی روبہ زوال صحت بھی اس گھر کا ایک بڑا مسلہ تھی۔ علاج معالجے کی وہ آسانیاں انہیں میسر نہ تھیں جس سے وہ مطمئن ہو پاتا۔ وہ اپنی الجھی سوچوں میں گم تھا کہ وہ کیا کرے۔

خلجی زمان و مکان کی قید سے نکل جانا چاہتا تھا۔ وہ اپنا حافظہ کھو دینا چاہتا تھا۔ وہ خدیجہ کو بھول جانا چاہتا تھا۔ وقت نے اس کے وجود میں اتنے چھید کر دیتے تھے کہ وہ اپنا یوم پیدائش ایک دن قریبی نہر میں پھینک آیا۔ وہ پانی کے بہاو پر تیرتے تنکوں کو دیکھتے ہوئے خود کلامی کرتا رہا اس حوالے سے درجہ ذیل اقتباس یہ ہے۔

کتنا رہنا ہے زمین پر۔۔۔۔۔۔۔؟

عمر کتنی ہے میری۔۔۔۔۔۔۔؟

ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟

جھیلے۔۔۔وہ ساری زندگی کے۔۔ نہیں نہیں

میرا کوئی جھمیلا نہیں۔ میں نے خدیجہ کو اپنے من میں

سانس کرنا ہے۔ کیا مجھے شادی کر لینا چاہیے۔۔۔؟ [۱۱]

ان سوچوں نے اس کو الجھا کر رکھ دیا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس کے علاوہ وہ خلجی کی زندگی میں سامری کا آنا اور جانے نے بھی الجھا رکھا تھا۔

اجتماعی لاشعور ژونگ کے نظریے تحلیل نفسی میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے۔ اس وقت بچے کو جسمانی خصوصیات کے نفسیاتی خصوصیات بھی ورثہ میں ملتی ہیں۔ نفسیاتی خصوصیات انسان کے ان تجربات پر مشتمل ہیں جو انسان خاندان اور مذہب پر محیط ہوتا ہے۔ اجتماعی لاشعور انسان ہزاروں سالوں کے تجربات کا نچوڑ ہے۔ اس کو نخستمثال (Archetpet) کہتے ہیں۔ نخستمثال کو اساسی نقوش بھی کہتے ہیں۔ کارل گستا ژونگ کے تین اساسی نقوش درجہ ذیل ہیں۔

ا۔ نقاب (Mask)

۲۔ سایہ (Shadow)

۳۔ تصویر مرد و زن (Animus and Amine)

محمد حامد سراج کے مرد کرداروں میں اجتماعی لاشعور کے اساسی نقوش کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ آپ کا افسانہ "کیڑا" میں مرد کردار شہباز میں اجتماعی لاشعور کا عنصر سایہ موجود ہے۔ اس افسانے کا موضوع کیڑا ہے۔ افسانے کا موضوع کیڑا جنسی حوالے سے ایک علامت کے طور پر موزوں نظر آتا ہے۔ یہاں نفس امادہ جبلی قوت کو کیڑے کی

شکل میں لیا جائے تو یہ اپنے وسیع مفہوم اور کردار کے باعث انسان کے باطن میں مسلسل غلبہ کیے ہوئے ہے۔ اس میں شہباز اپنی جنسی بھوک گھر کی نوکرانیوں سے پوری کرتا ہے۔ باظاہر وہ ایک شریف انسان ہے لیکن وہ اپنی منفی سوچ اور افعال کو بھی سرانجام دیتا ہے۔ وہ ہر وقت شکار کی تلاش میں ہوتا ہے کہ کوئی اس نوکرانی اس کے چکر میں آجائے۔ وہ اپنی حواس کو پورا کرواس میں سایہ کے عنصر نمایاں ہے۔

شہباز نظریں اتنی بہت سی نوکرانیوں میں شمو کو کھوجتی رہیں۔ وہ رسالے کی اوٹ سے بدن کی سیر میں کھویا رہتا ہے۔ وہ شکار کی تاک میں تھا۔[۱۱]

نقاب سے مراد وہ ظاہری روپ ہے۔ جو انسان دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے بلکہ وہ روپ کی توقع کی جاتی ہے۔ انسان کا ہر ایک سے برتاو ایک جیسا نہیں ہوتا۔ کارل گستاژونگ نے پرسونا کا نام دیا ہے۔ پرسونا ایک ایسا ماسک ہوتا تھا جو قدیم زمانے میں ایکٹر پہنا کرتے تھے تاکہ وہ اس کردار کی پوری نمائندگی کر سکیں۔ نقاب ایک اجتماعی مظہر ہے۔ زندگی کا ایک ایسا رخ ہے جو کسی اور کا بھی ہو سکتا ہے۔ محمد حامد سراج کے تیسرے مجموعے چوب دار کا افسانہ "لرزیدہ لمحوں کا تاوان" کے مرد کردار میں اجتماعی لاشعور کے احساسی نقش نقاب کا عنصر پایا جاتا ہے۔ اس میں ایک بوڑھا آدمی کا کردار ہوتا ہے جس کو ایک عورت فون کرتی ہے اور کہتی ہے کہ بچپن میں اسے فرد کو خط دیا تھا اور تم مجھے بھول گئے ہو۔ وہ کہتی ہے کہ میں نے اس کی کتاب میں خط رکھا تھا۔ وہ نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ میں نے اپنی زندگی کی کتاب کے ہر صفحے کو پلٹ کر دیکھا ہے۔ مجھے کسی بھی صفحہ پر تمہارے نشانات تک نہیں ملتے اور کہتا کہ وہ عورت سے بات نہیں کرنا چاہتا کیونکہ وہ اب بوڑھا ہو چکا ہے۔ پھر بھی وہ دوبارہ فون کرنے پر بات کرتا ہے اور اس کی عادت بن جاتی ہے۔ روز اس کے فون کا انتظار کرتا ہے۔ اس میں اجتماعی لاشعور کا نقش نقاب موجود ہے۔ کیونکہ نقاب میں انسان ہر ایک کے ساتھ ایک روپ نہیں رکھ سکتا۔ اسی طرح وہ عورت سے چھپ کر باتیں کرتا ہے۔ وہ اپنی پرانی کتابوں میں سے خط ڈھونڈنے کے لیے بیٹے کو کہتا ہے کہ ٹرانگ سٹور سے نکال دے۔ جب بیٹا نکال دیتا ہے تو وہ بوڑھا شخص کمرا بند کر کے ساری کتابوں میں سے خط کو تلاش کرتا ہے۔ اس کو کسی بھی کتاب میں خط نہیں ملتا۔ کچھ عرصے بعد لڑکی اس کو فون پر بتا دیتی ہے کہ وہ مذاق کر رہی تھی اور تو اس کو بے وقوف بنا رہی تھی۔ وہ اپنا ٹائم پاس کر رہی تھی۔ اس بوڑھے میں نقاب کا عنصر دیکھائی دیتا ہے۔ وہ اپنے بیٹے اور بہو کو نہیں دیکھتا کہ وہ چھپ کر کمرے میں خط ڈھونڈ رہا ہے۔

افسانوی مجموعہ چوب دار کا افسانہ "بے انت صحرا" میں مرد کردار میں اجتماعی لاشعور کا عنصر سایہ موجود ہے۔ افسانہ خناس اور بے انت صحرا کی کہانیاں تقریباً ملتی جلتی ہیں۔ اس مرد کو عورتوں کے بدن کی بھوک ہوتی ہے اور لذت محسوس کرتا ہے۔ وہ ہر عورت کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتا ہے۔ وہ تہجد گزار آدمی ہوتا ہے لیکن اپنی بری عادت عورتوں کی بھوک کو ختم نہیں کرتا اور اپنی منفی عادات چھپاتا ہے۔ جب بیوی کو اس کو کہتی ہے کہ مجھے ایسے کیوں

دیکھ رہے ہو۔ وہ کہتا ہے بیوی کو دیکھنا ثواب کا کام ہے۔ وہ مرد پھر اپنے گھر کیبل لگواتا ہے۔ فلمیں اور ڈرامے دیکھتا ہے۔ وہ یہ سب منفی کام اپنی جبلت کے ہاتھوں مجبور ہو کر کرتا ہے۔ اس سے جب محلے والے پوچھتے ہیں کہ کیبل کیوں لگوائی تو وہ جواب دیتا ہے کہ وہ تلاوت اور اسلامی چینل دیکھتا ہے۔

افسانوی مجموعہ بخیہ گری کا افسانہ "سیاہ کار" میں دو مرد کردار ہیں۔ ایک نعیم اور دوسرا ذاکر، دونوں میں اجتماعی لاشعور کا نقش سایہ موجود ہے۔ ذاکر شادی شدہ آدمی ہے اس کی بیوی اور وہ ملازمت کرتے ہیں۔ دونوں کے پاس ایک دوسرے کے لیے اتنا وقت نہیں ہوتا جتنا ہونا چاہیے۔ ذاکر کسی اور عورت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ جسمانی تعلق بھی قائم کرتا ہے۔ وہ اپنے غلط کام اور گناہ کو اپنی بیوی سے چھپاتا ہے۔ اس بات سے سایہ کی خصوصیات واضح ہوتی ہیں کیونکہ وہ اپنی منفی کام کو چھپاتا ہے اور بیوی کے سامنے پاک دامن بنا رہتا ہے۔

اسی طرح نعیم میں بھی دوغلا پن موجود ہے۔ وہ بہت بڑا بزنس مین ہے۔ وہ ایک ہی وقت میں بیوی کے علاوہ سات عورتوں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ وہ اپنے غلط کام اپنی بیوی سے چھپاتا ہے۔ وہ زکیہ کو کہتا ہے کہ سات عورتیں میری زندگی میں ہیں مہینے میں ایک بار اس کی باری آئے گی۔ جب اس کی بیوی امریکہ جاتی ہے تو پیچھے سے وہ عورتوں کو گھر اپنے گھر بولتا ہے۔ اس حوالے سے اقتباس ملاحظہ ہو۔

تمہیں مہینے میں صرف ایک بار میرے پاس آنا ہے۔

ایک بار کیوں؟

تمہاری باری ایک بنتی ہے۔

بیوی کے علاوہ ایک ہی وقت میں سات عورتوں سے اپنا تعلق نبھاتا ہوں۔ [۲۱]

حامد سراج کے افسانوی مجموعہ برادہ کا افسانہ "کنواریاں میں آج کل کے جاہل اور غیر تہذیب یافتہ نوجوانوں کے لیے بھیڑیا کا لفظ استعار لیا ہے۔ اس میں نوجوانوں میں اجتماعی لاشعور کا نقش سایہ موجود ہے۔ اس افسانے میں کچھ نوجوان کپاس کے کھیت میں کام کرنے والی لڑکی کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ وہ اس گناہ کو چھپ کر کرنا چاہتے ہیں۔ سرعام لڑکی کو کچھ نہیں کہتے اور چھپ کر اس کی عزت مٹی میں ملانا چاہتے ہیں۔ جب گڈریا آتا ہے تو وہ بھاگ جاتے ہیں۔ وہ اپنے منفی اور بیچ کام کو دوسروں کے سامنے نہیں لاچاہتے۔ لڑکی ان نوجوانوں کے خوف سے اپنی ماں کو کہتی ہے کہ میری شادی کروا دے۔ اس لڑکی کو گڈریے کے علاوہ سب بھیڑیے لگتے ہیں۔

افسانہ مار گزیدہ میں دو مرد کردار ہیں۔ اجتماعی لاشعور کا عنصر سایہ پایا جاتا ہے۔ دونوں دوست ہوتے ہیں۔ ایک دوست ایک لڑکی کے ساتھ دوستی کر لیتا ہے اور دوست اس لڑکی ملنے کو بلاتے ہیں۔ اس کو گاڑی میں بیٹھا کر اپنے گھر لے جاتا ہے اور اپنی ماں کو کہتا یہ میری دوست کی بیوی ہے۔ اس پاگل پن کے دورے پڑتے ہیں اگر کمرے

سے آوازیں آئیں تو گھبرانا نہیں یہ پاگل ہے۔ آپ سکون سے سو جائیں۔ جب دونوں اس لڑکی کی عزت لوٹتے ہیں۔ وہ زور زور سے چیختی ہے تو اس کی ماں آ کر دروازے پر دستک دیتی ہے اور پوچھتی ہے کہ کیا ہوا ہے۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ دوست کی بیوی کو پاگل پن کے دورے پڑتے ہیں وہ ساری رات درندوں کی طرح نوچتے ہیں۔ جب صبح ہوتی ہے تو دور جا کر سڑک پر چھوڑ آتے ہیں۔ اس افسانے میں یہ دو مرد کردار اپنے گھٹیا فعل کو چھپاتے ہیں اور ماں کو جھوٹ بولتے ہیں کہ یہ لڑکی پاگل ہے۔ ان میں لاشعور کا اساسی نقش سایہ موجود ہے۔ جو اپنے غلط کام کو ماں سے چھپاتے ہیں اور ان کی نظر میں خود کو پاک دامن قرار دیتے ہیں۔ انسان اپنے منفی رویوں کو دوسروں کے سامنے پیش نہیں کرتا بلکہ کبھی غصے کی صورت میں اظہار ہو جاتا ہے۔

افسانہ "خناس" میں کردار جس کا افسانہ نگار نے نام ظاہر نہیں کیا۔ اس کردار میں اجتماعی لاشعور کا عنصر سایہ موجود ہے۔ سایہ میں انسان اپنے منفی رویے اور کاموں کو دوسروں کے آگے بیان نہیں کرتا نہ ہی شعوری طور پر ظاہر کرتا ہے۔ اس افسانے کا کردار بظاہر پانچ وقت کا نمازی ہے۔ پورا محلہ اس کی عزت کرتا ہے لیکن وہ عورت پر بری نگاہ رکھنے والا مرد ہے۔ اس کی زندگی میں بیوی کے علاوہ کئی عورتیں ہیں۔ جن کا علم صرف اس کی بیوی کو ہوتا ہے۔ وہ اپنے ان برے افعال کو کسی کے سامنے نہیں آنے دیتا اور وہ بظاہر نیک آدمی کے طور پر معاشرے میں عزت بنائے رکھتا ہے۔

افسانہ "چمکیلی چیخ" میں وارثت میں ملنے والے ذہنی الجھاؤ کا ذکر ہے۔ جس کو مرد کردار نے دماغ میں لگنے والی دیمک کہا ہے اور لکھاری نے بیان کیا ہے۔ کہ فرائڈ ایسے جذبات کو انفرادی لاشعور اور ژونگ اس کو اجتماعی لاشعور کا نام دیتا ہے۔ مرد کردار کو اپنے دماغ میں دیمک یعنی کہ تمام پرانی باتیں یادیں ختم ہوتی نظر آ رہی تھیں اور اس کی شدید خواہش تھی کہ اس کے دل و دماغ سے اسکی محبوبہ کا بندہ اور اسکی خوب صورتی اس بندے سے جڑی ہر بات نہ مٹ پائے۔

محمد حامد سراج کا ناولٹ آشوب گاہ میں ایک کردار ٹوکن مین میں اجتماعی لاشعور کا عنصر سایہ موجود ہے۔ وہ جس ریلوے اسٹیشن ماسٹر ہے۔ اس میں ایک ٹوکن مین ہے اس میں اجتماعی لاشعور کا عنصر سایہ موجود ہے۔ وہ دوسرے تیسرے مہینے ایک عورت کہی سے ڈھونڈ لاتا ہے اور صبح ہونے سے پہلے وہ عورت چلی جاتی ہے۔ وہ یہ کام چھپ کر کرتا ہے۔ باظاہر وہ ایک شریف آدمی ہے جو سب کے کام کرتا ہے۔ سب کے آگے جی حضوری کرتا ہے لیکن اپنے اس منفی کام کو کسی کو نہیں بتاتا اور رات کے اندھیرے میں ہی عورت لاتا ہے۔ پھر صبح ہونے سے پہلے چھوڑ آتا ہے جب اسٹیشن ماسٹر کو پتا چلتا ہے کہ یہ منفی کام سر انجام دیتا ہے تو جب اسٹیشن ماسٹر پوچھتا ہے تو آگے سے کہتا ہے۔ صاحب میری ضرورت ہے۔ مجبور ہوں تب سے اسٹیشن ماسٹر اس کو ضرورت مند کے نام سے پکارتا ہے۔

ٹوکن مین کو آپ ضرورت مند کیوں پکارتے ہیں ؟اس کم بخت کی ضرورتیں عجیب وغریب ہیں بھکاریوں جیسی عادتیں ہیں۔اس کی ہر دوسرے تیسرے مہینے ایک عورت کہیں سے اپنے کوارٹر کو آباد کرنے کے لیے ڈھونڈلاتا ہے کہتا ہے،صاحب وہ میری ضرورت ہے۔کیا کروں مجبور ہوں۔ [۳۱]

انسان کی نفسیاتی خصوصیات ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ کارل گستاژونگ شخصیت کے دو روپ متعارف کرواتے ہیں۔ا۔اندرون بین،۲۔بیرون بین

یہ دونوں اقسام ایک دوسرے کی ضد ہیں۔اندرون بین انسان اپنی ذات پر توجہ دیتا ہے۔بیرونی حالات اور لوگوں میں دلچسپی لینے کی بجائے اپنی ذہنی سوچوں اور اندرونی کیفیات پر زیادہ توجہ دیتا ہے۔ کوئی بھی انسان مکمل طور پر نہ بیرون بین ہوتا ہے۔ محمد حامد سراج کے افسانوں کا نفسیاتی جائزہ لیں تو دونوں اقسام کے افراد ہمارے سامنے آتے ہیں۔آپ کے افسانے "ڈنگ" کا کردار بشارت احمد اندرون بین ہے۔ڈنگ ایک ایسی بستی تھی۔ جس کو حکومت نے خالی کرایااور اس میں بسنے والے لوگوں کو دوسری جگہ منتقل ہونے کا حکم دیا تھا۔ سارے گاوں میں بے چینی کی فضا عروج پر تھی۔بشارت احمد اس افسانے کا ایسا کردار ہے جو اپنی بستی کی دوری کے احساس اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔یہ خوف پوری بستی میں ہے جب بشارت احمد گھر سے باہر نکلتا ہے تو دیکھتا ہے۔اس کی ماں خاموش بیٹھی ہے اور پوچھتا ہے کہ آج بھینسوں کا دودھ نہیں نکالا تو وہ جواب دیتی ہے کہ بستی ابھی چھوڑنی ہے۔بشارت احمد ماضی کا سارا منظر اپنے تخیل میں سالیتا ہے اور اس کو دیکھتا رہتا ہے کہ گاؤں کو خالی کر یا جا چکا ہے۔وہ سوچتا ہے کہ وہ ساری بستی کو اپنے اندر سالے۔وہ اپنے اندر بستی کو تعمیر کرنے کے لیے دوبارہ بستی میں جاتا ہے۔اس بستی پر فوجی پیرادے رہے ہوتے ہیں۔وہ بشارت احمد کو اجازت دے دیتے ہیں۔اس کو راستے اپنا دوست غلام علی ملتا ہے۔وہ بشارت احمد کو کہتا ہے کہ حقیقت کی دنیا میں واپس آجاو اب وہ بستی موجود نہیں ہے،کھنڈر بن گئی ہے۔ بشارت احمد ذہنی طور پر یہ سب ماننے کو تیار نہیں ہے۔وہ بستی میں جاکر وہ سب چیزوں کو محسوس کرتا ہے جو ڈنگ میں موجود تھی۔ بشارت کا کردار موجودہ زندگی میں نہیں جی رہا بلکہ وہ اپنی پرانی بستی میں گزری ہوئی زندگی اور ماحول کی یاد کے شدید لپیٹ میں ہے۔ شدت غم سے اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی بڑی جزری ہے۔وہ اپنی بستی کے جانوروں سے بھی انسیت محسوس کرتا ہے۔وہ اپنی بستی کو بھول نہیں سکتا۔ بشارت کا کردار اندرون بین ہے جو اپنے علاقے کی محبت اور ماضی کی یادیں لپٹے ہوئے ہے۔بشارت احمد نے ممکنہ نقل مکانی سے پیشتر اپنے گھر اور گاوں کی ہر شے اور نظاروں کو دل میں محفوظ کر لیا۔ مگر یہ اسے یقینی الیے سے مامون رکھنے میں ناکافی ثابت ہوا کئی مہاجروں کا دکھ ظاہری و باطنی یادوں کو اوپر نیچے کر کے رکھ دیتا ہے۔وہ جیسے صدیوں کی تھکاوٹ سے نڈھال ہو کر رہ جاتا ہے۔

ڈنگ ذاتی تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں لکھا گیا پر افسانہ جس میں بے زمین ہونے کا دکھ اور

مہاجرت کا کرتھا ٹھیں مار رہا ہے اپنی جنم بھومی سے جدائی اور اس کی یاد تمام تر شدت کے ساتھ ابھرتی ہے۔ [۱۴]

محمد حامد سراج کے افسانے "مرصع آئینے" میں مرد کردار فیض احمد اور امداد اندرون بین انسان ہیں۔ اس میں لڑکے اور لڑکی کی محبت کو دیکھایا گیا ہے۔ فیض احمد بیرون بین انسان ہے۔ امداد اور علیزہ مینگتر ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں فیض احمد کو علیزہ پسند آجاتی ہے اور وہ علیزہ کو اپنی باتوں، جھوٹ اور فریب میں پھنسا لیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں کچھ دنوں کا مہمان ہوں پھر مر جاوں گا۔ کچھ دن کی خوشی ہے میرے لیے مجھ سے شادی کر لو۔ وہ فیض احمد کی باتوں میں آجاتی ہے اور فیض احمد سے شادی کر لیتی ہے۔ اسی طرح جب علیزہ امداد کو بتاتی ہے تو امداد خاموش سب برداشت کر لیتا ہے اور علیزہ کو کچھ نہیں کہتا اور اس کی جدائی کو اکیلے برداشت کرتا ہے۔ امداد اندرون بین اانسان ہے وہ سارا درد خود برداشت کرتا ہے۔ علیزہ کو شادی کے بعد پتہ چلتا ہے کہ فیض احمد بیمار نہیں اس نے جھوٹ بولا ہے۔ جب علیزہ امداد چپ کر کے فون سن کر بند کر کے اندر ہی اندر ٹوٹ جاتا ہے۔

افسانہ "پچھلا دروازہ" میں بے نام مرد کردار ہے لیکن یہ کردار اپنے اندر کے درد و کرب اور الجھنوں کو قبروں سے بیان کر رہا ہے۔ اس کو اس بات پہ یقین ہو گیا ہے کہ ماں کے بعد دنیا ویران ہے افسانہ نگار کے مطابق ماں بعد دنیا کے سب رنگ پھیکے ہیں۔ وہ قبر پر جا کر اپنے دکھ بیان کرتا ہے۔

> زندگی میں تو کسی کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ کوئی اس کی باتیں سنتا۔ سب کو اپنے دھندے پیارے تھے اپنی الجھنیں اور مسائل تھے بس ایک ہی شہر تھا شہر خموشاں جہاں وہ اپنے دل کی باتیں لے کر آنکلتا۔ [۱۵]

افسانہ "بخت جلے" کا مرد کردار میں اندرون بین انسان کی خصوصیات نمایاں ہیں۔ اس مرد کا بھی حامد سراج نے نام واضح نہیں کیا۔ اس افسانے میں مرد کرردار کے بھائی اس کو جائیداد میں حصہ نہیں دیتے۔ اس کو اپنے بھائیوں کی زیادتیوں کا احساس بہت ہے لیکن پھر بھی چپ ہے۔ وہ سب جان کر بھی جائیداد میں حصہ نہیں لیتا ہے۔ جب وہ اپنے ابائی گھر میں جاتا ہے تو سب بچے حیران ہو کر پوچھتے ہیں کہ یہ کون ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے؟ جب وہ کھانے کی میز پر بیٹھتا ہے تو ایک بچہ پوچھتا ہے کہ کھانے کی میز پر تو صرف اپنے خاندان کے لوگ بیٹھتے ہیں۔ یہ انکل کیوں بیٹھے ہیں؟ تو وہ مرد جواب دیتا ہے کہ بیٹھا خاندان کی روایت ٹوٹ گی ہے اور میں باہر کا بندہ ہوں۔ وہ شخص سب درد اپنے اندر سمو لیتا ہے کسی کو کچھ نہیں کہتا ہے۔ وہ سب کے رد یے کو خاموشی سے برداشت کرتا ہے۔ اس کو جائیداد نہ لینے کا اتنا دکھ نہیں ہے جتنا اپنے خونی رشتے کو کھو دینے کا دکھ ہے۔ وہ خود کرب کا شکار رہتا ہے لیکن بھائیوں کو دستاویزات پر دستخط کر دیتا

ہے۔اس افسانے میں آج کے خونی رشتے کی ذہنی حالت کو دیکھایا گیا ہے کہ لوگ مادہ پرست زیادہ ہیں رشتوں کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی جس وجہ سے انسان اندرونی طور پر تنہائی اور ڈپریشن کا شکار ہو رہا ہے۔

افسانہ "مے خوار" میں مرد کردار شراب پیتا ہے۔اس افسانے میں اس شخص کی زندگی کی داخلی تجربات، نفسیاتی کیفیات اور تاثرات کو خود کلامی کے ذریعے واضح کیا ہے۔مے خوری کے باعث اس کے دوست، احباب، پڑوسی اور بازار والے اس سے نفرت کرتے ہیں۔ حالانکہ ارد گرد رہنے والے سبھی کردار بڑے بے عیاں ہیں۔ بالا آخر وہ شراب کو چھوڑ کر نئے شہر میں آکر آباد ہو جاتا ہے۔افسانے کے اس کردار میں بیرون بین واندرون بین دونوں خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اس شخص کو لوگوں کے رویوں سے الجھن ہوتی ہے۔وہ اس لیے شہر چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ اندرون بین اس لیے کہ وہ اندر ہی اندر کرب کا شکار ہوتا ہے اور وہ اپنے دوستوں اور رشتے داروں کو نہیں سمجھا سکتا کہ وہ شراب پی کر اپنے گناہ بڑھا رہا ہے۔وہ کسی کی ذات کو نقصان نہیں پہنچا رہا۔اس لیے وہ شراب پینا چھوڑ دیتا ہے۔

محمد حامد سراج کا افسانہ "جرابوں کی تدفین" میں احسن اندرون بین کردار ہے۔وہ ایک نرس سے محبت کرتا ہے لیکن وہ اس کو صرف اتنا کہتا ہے کہ آپ کے پاؤں بہت خوب صورت ہیں۔اس کے بعد احسن کی بہن ہسپتال سے ڈس چارج(Discharge)ہو جاتی ہے۔اس نرس کی تعریف کے بعد وہ بہت بے چین ہونے لگ جاتا ہے۔وہ اپنے کرب کو کسی کو نہیں بتاتا ہے۔اس کی ماں بہت پریشان ہو جاتی ہے کہ اس کے بیٹے کو دن بدن کیا ہوتا جا رہا ہے۔وہ کمرے میں پڑا رہتا ہے اور چپ بیٹھا رہتا ہے۔وہ اپنے دل کا حال اپنی بڑی بہن کو بھی نہیں بتاتا اور اس نرس کی محبت میں گھلتا جاتا ہے۔آخر میں اس کو روحانی سکون اللہ کے نام میں ہی ملتا ہے۔وہ زندگی میں آگے بڑھ جاتا ہے۔ وہ دین اسلام کی تعلیم میں مگن ہو جاتا ہے۔وقت چلتا رہا وہ اپنی خاموش محبت کا ذکر کسی کے آگے نہیں کرتا ہے۔وہ کسی سے شادی کر لیتا ہے۔یہاں تک کہ اس کے بچے بھی جوان ہو جاتے ہیں۔ایک دن وہ اخبار میں خبر پڑھتا ہے کہ ایک نرس نے وصیت کی کہ مجھے جرابوں کے سمیت دفن کیا جائے۔یہ وہی نرس تھی جس کے پاؤں کی تعریف احسن نے کی تھی۔جب وہ یہ خبر پڑھتا ہے تو اس کے ہاتھ سے چائے کی پیالی گر جاتی ہے۔وہ ادھر ہی اپنی آنکھیں موند لیتا ہے۔بند آنکھیں ایسے ہی بند رہے جاتی ہیں اور وہ مر جاتا ہے۔احسن پر اندرون بین خصوصیات حاوی ہوتی ہیں۔وہ ساری زندگی خاموش محبت کرتا ہے اور اس دکھ و کرب میں کسی کو اپنا شریک نہیں ٹھہراتا اور ابدی نیند سو جاتا ہے۔

"گھڑی، سمت، سوئیاں" کا مرد کردار احساسی اندرون بین ہے۔احساسی اندرون بین کی خصوصیات کے مالک فرد باطنی عناصر چھائے رہتے ہیں، گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کرتا لیکن ان کے جذبات میں شدت پائی جاتی ہے۔اس افسانے میں افسانہ نگار احساسی اندرون بین ہے۔یونس ویر بلیو پرنٹ کی سی ڈیز فروخت کرتا ہے۔اس بات پر افسانہ نگار

کو بہت غصہ آتا ہے۔ وہ یہ سب ختم کرنا چاہتا ہے لیکن کسی کو کچھ کہے نہیں سکتا۔ اسی طرح یونس ویر اپنے برے کام کو کسی سے نہیں چھپاتا۔ وہ بیرون بین خصوصیات کے حامل انسان ہے۔ اس بات کا اس کو کوئی پچھتاوا نہیں ہے کہ اس کا ضمیر سویا ہوا ہے۔

"آخری آئس کیوب" میں افسانہ فلیش بیک کے ساتھ اور جدید Stream of Conciousness کی تکنیک کے ساتھ متاثر کرنے میں کامیاب رہا ہے۔ اس افسانے کا مرد کردار اندرون بین ہے۔ اس کو بچپن ہی سے اپنی کزن سے محبت ہو جاتی ہے اور وہ جیسے بڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کی کزن اس سے دور ہو جاتی ہے۔ لڑکا احساسی اندرون بین انسان ہے۔ اس کے جذبات میں درد و شدت تو پائی جاتی ہے لیکن وہ اپنے درد و تنہائی کا اظہار کسی کے آگے نہیں کرتا بلکہ خود سے باتیں کرتا ہے۔ وہ یادوں میں کھو یا رہتا ہے۔ کہ کیسے ہم اکٹھے کھیلتے رہتے تھے اور کیسے میں نے شادی کے لیے راضی کرنا چاہا تھا۔ وہ اسی غم و درد میں اپنی زندگی گزار دیتا ہے۔

افسانہ "جھونکا ہوا کا" میں مرد کردار عبداللہ احساسی بیرون بین ہے۔ احساسی بیرون کا تعلق رشتوں سے ہوتا ہے۔ دنیا کے ساتھ پوری مفاہمت رکھتا ہے۔ اس افسانے میں عبداللہ کو بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔ اس کا دل بڑھ جاتا ہے۔ وہ بیماری سے دل برداشتہ نہیں ہوتا اور دوستوں کے ساتھ میل جول رکھتا ہے۔ اس کے اندر اداسی ہوتی ہے کہ وہ اپنے رشتوں سے الگ ہو جائے گا۔ خالد قیوم تنولی کے بقول

> محمد حامد سراج اپنے کرداروں کی تشکیل کرتے وقت درد، یاسیت اور کرب کو لاشعوری طور پر شامل کر دیتے ہیں۔ [۱۹]

اس افسانے میں اداسی عروج پر ہے۔ وہ اپنے کالج کے دنوں کو یاد کرتا ہے اور الماری سے کالج کی یادیں نکلتا ہے کہ ان کو دیکھ کر خوش ہوگا لیکن وہ خوش ہونے کے بجائے ویسے ہی اداس رہتا ہے جیسے اس کا اندر مر چکا ہو۔

افسانہ "کالی دیواریں" کا مرد کردار بے نام ہے۔ حامد سراج کے بیشتر کردار بے نام ہیں لیکن کسی نہ کسی جذبے کی مکمل تصویر ہیں۔ افسانے کا مطالعہ کرتے ہوئے انسان افسانے میں اتنا کھو جاتا ہے کہ کردار محسوس ہوتے ہیں ۔ بے نام کردار ہونے سے فرق نہیں پڑھتا کیونکہ ہم کردار کے سحر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس افسانے کا کردار اندرون بین ہے۔ احساسی اندرون میں باطنی طور پر بہت حساس ہوتے ہیں۔ وہ معاشرے اور آس پاس کی ناہمواریں کو بہت جلد محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح اس افسانے کے کردار نے بھی معاشرے کے ظلم اور جہالت کو محسوس کیا ہے۔ وہ دور رکھتا ہے۔ وہاں سے بھاگنا چاہتا ہے لیکن ایسا کر نہیں سکتا۔ وہ اپنے رشتے داروں کے گھر جاتا ہے۔ اس کا گھر شہر میں ہوتا ہے۔ وہ خوف زدہ ہوتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ شام کے بعد دیواروں سے غراتی آنکھیں نکل آتی ہیں جو انسان کا شکار کرتی ہیں۔ وہ شام سے پہلے اپنے گھر واپس آنا چاہتا ہے لیکن جب وہ اپنے رشتے دار کے گھر جاتا ہے تو وہ اس کو کہتا ہے کہ ادھر

رات کرو وہ نہیں کرتا اور کہتا ہے شام سے پہلے گھر جانا ہے۔جب وہ شہر میں جاتا ہے تو وہاں سناٹا ہوتا ہے۔ کوئی بھی سامنے نہیں تھا وہ سوچتا ہے کہ اس شہر کے باسی کہاں گئے ہیں؟ وہ اپنے رشتے دار کے گھر کھانا کھا کر نماز ظہر ادا کرنے جاتا ہے تو ہر مسجد بند ہوتی ہے۔وہ حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے،الف،ب،ج تمام مکتب فکر کی مساجد تمام بند ہوتی ہیں اور اللہ کے گھر کو تالا ہے۔وہ ایک عورت سے پوچھتا ہے کہ یہ تمام سب کیا ہے تو وہ کہتی ہے یہاں سب کی اپنی اپنی مساجد ضرور ہیں۔ان پر سکہ بند تختیاں لگا کر سب نے اپنے اپنے نام سے منسوب کرتی ہیں۔یہ میرے تین بیٹوں کا خون پی گئی ہیں۔اجنبی واپس چلے جاو ہمارے شہر میں کوئی مسجد نہیں ہے۔ اس علاقے میں قتل وغارات عام ہونے کی وجہ سے سڑکوں پر ویرانی ہے۔ہر بندہ اپنے گھر میں ہے اس لیے مساجد بھی ویران اور تالے لگے ہوئے ہیں۔شیعہ اور سنی کی آپس میں لڑائی ہے اور وہ ایک دوسرے کے مسلک کے لوگوں کو مارتے ہیں۔مذہبی تضادات کی وجہ سے مرد کردار بہت خوف اور شدت جذبات سے بھرا ہوا ہے۔وہ ان کو ٹھیک کرنا چاہتا ہے مگر خوف زدہ ہو کر اپنے گاوں واپس لوٹ جاتا ہے۔حامد سراج کا یہ افسانہ ڈیرہ اسماعیل خان کے مذہبی تضادات پر لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔اس علاقے کی فضا کو افسانے میں آسانی سے محسوس کیا جاتا ہے۔

افسانہ "کھنڈیر" کا کردار احمد بشیر اندرون بین خصوصیات کا مالک ہے۔وہ ماضی اور حال کا موازنہ کرتا رہتا ہے اور اپنے ماضی اور حال کا موازنہ کرتا ہے۔وہ تیزی سے بدلتے ہوئے زمانے کا دکھ اور احساس اس کے اندر موجود ہے۔وہ چپ چاپ اندر ہی اندر کڑتا رہتا ہے اور پھر اپنے ماضی میں جھکتا ہے اور اپنے بچپن میں جاتا ہے کہ بچپن میں رنگ لے کر کیسے دوڑتے تھے۔ کھانا کھانے کی بھی سدھ بدھ نہیں تھی۔ بچپن میں ساری دوپہر گھومتے رہتے تھے۔ جب ظہر کی اذان ہوتی تو فوراً قرآن پڑھنے مسجد میں بھاگتے تھے۔ عمر کے گزرنے کے ساتھ سر گرمیاں تبدیل ہوتی گئی۔ تھوڑے بڑے ہوئے تو رات ٹیلوں پر جمع ہوتے تھے اور وہاں کہانیاں سناتے تھے۔ بہت رونق ہوتی تھی لیکن وقت کے ساتھ بدل گیا۔

افسانہ "کتاباں" میں ایک غریب بچہ اندرون بین انسان ہے۔ جو ہاسٹل میں عقیل کے پاس آتا ہے۔ وہ عقیل کو کہتا ہے مجھ سے سورۃ یسین خرید لو لیکن عقیل اس بچے سے نہیں خریدتا اور بچہ واپس چلا جاتا ہے۔ ایک دن دسمبر کی جھڑی لگی تھی وہ پناہ کے لیے ہاسٹل آجاتا ہے۔وہ بچہ بالکل خاموش رہتا ہے اور کوئی فضول بات نہیں کرتا ہے۔ عقیل بچے سے پوچھتا ہے تم باتیں کیوں نہیں کرتے ہو؟ وہ بچہ اپنی عمر سے بڑھ کر جواب دیتا ہے کہ ہمارے پاس باتیں نہیں ہوتیں، کیونکہ یہ بکتی نہیں۔ میں اپنے پاس صرف بکنے والی چیزیں رکھتا ہوں۔اس جملے سے بچے کے اندر کا کرب اور پریشانیاں واضح ہوتی ہیں کہ وہ اتنی کم عمر میں کتنا بڑا ہو چکا ہے۔ عقیل اس بچے کو امداد کے طور پیسے دینے کی کوشش کرتا

ہے لیکن وہ بچہ پیسے لینے سے منع کر دیتا ہے۔وہ اندر سے خودار ہے۔وہ اپنی خواہشات اپنے اندر ہی رکھتا ہے اور اتنی کم عمر میں ذمہ داریاں نبھاتا ہے۔اس کو پڑھنے لکھنے کا بہت شوق ہوتا ہے لیکن وہ اس بات کو سمجھتا ہے کہ وہ کمائے گا تو تب گھر میں چولہا جلے گا ورنہ گھر والے کہاں سے کھائیں گے۔اس بچے کے مطابق پڑھائی سے بڑھ کر اس کے بزرگ باپ کا سایہ ہے۔کتابیں علم تو دے سکتی ہیں لیکن اس بیمار باپ کا سایہ مہیا نہیں کر سکتی ہیں۔اس لیے وہ ذمہ داریاں نبھاتا ہے اور پڑھنے کی خواہش کو ترک کر دیتا ہے۔یہ بچہ احساسی اندرون بین ہے۔اپنی مجبوریوں اور خواہشات کا ذکر کسی سے نہیں کرتا ہے۔وہ خودار ہوتا ہے عقیل سے پیسے بھی نہیں لیتا ہے۔وہ اپنے زندگی کے بوجھ کو خود اٹھتا ہے۔

محمد حامد سراج کا تیسرا افسانوی مجموعہ کا افسانہ "خوداری کی نیند" کا مرد کردار اندرون بین خصوصیات کے حامل ہے۔ایک شخص کا بیٹا ہوتا ہے۔وہ بہت خوب صورت ہوتا ہے۔اس کی بیوی کہتی ہے کہ اس کا بیٹا اس کی بیوی پر گیا ہے۔وہ اللہ کا شکر گزار ہوتا ہے۔اس کا بیٹا بیمار ہوتا ہے اور مر جاتا ہے۔اس پر بھی اس کے اندر ناشکری نہیں آتی اور وہ کہتا ہے کہ اس نے پہلے ہی اولاد کو سہارا نہیں سمجھا تھا۔اس کے مطابق اصل سہارا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔وہ زندگی کے تمام مسائل خاموشی سے برداشت کرتا ہے۔بیٹے کے مرنے کے بعد وہ ساری زندگی اپنے بیٹے کی یاد میں گزار دیتا ہے۔وہ اپنا سب دکھ درد اپنے اندر رکھتا ہے۔وہ کسی کو نہیں بتاتا ہے۔جب کبھی اس کی بیوی قسمت پر شکوہ کرتی ہے تو اپنی بیوی کو تسلی دیتا ہے اور سارے غم انتہائی خاموشی کے ساتھ برداشت کرتا ہے۔

افسانہ "قدیمی، کرسی اور کتاب کی مرمت" یہ افسانہ کردار متکلم کے داخلی احوال و کوائف اور جذباتی وابستگی کی تخلیقی ترسیل سے عبارت ہے۔اس افسانے میں مرد کردار اندرون بین ہے۔وہ اپنے ندر ہی کھویا ہوا ہے اور اپنے اندر کی کیفیات کو نہیں بتاتا ہے۔اس افسانے میں کردار نے خود کو ماضی کی یادوں سے وابستہ کیا ہوا ہے۔یہ شخص صرف جذبات، رشتوں اور واقعات میں ہی دلچسپی نہیں رکھتا بلکہ بے جان چیزوں سے بھی لگاؤ رکھتا ہے۔جیسا کہ کرسی میز کتابیں وغیرہ بھی اس کی یاد کا حصہ ہوتی ہیں۔اس شخص کے پاس ایک کرسی ہوتی ہے جو قدیم وکٹورین عہد کی یاد دلاتی ہے۔اس مرد کے نانا جان پولیس میں ایس۔پی تھے۔جب وہ کوئٹہ سے ریٹائر واپس گاوں لوٹے تھے تو چھے وکٹورین کرسیاں لائے تھے۔اس نے شعور سنبھالتے ہی نانی سے کرسیاں لے لی تھی۔وہ ان کرسیوں سے اپنی نانی کی محبت اور اس کے پیار کو محسوس کرتا ہے۔اسی طرح وہ اپنی کتابوں کی الماری میں جب کتابوں کا جائزہ لیا تو اس میں کتابیں بوسیدہ ہو چکی ہیں اور کچھ دیمک لگی ہوئی ہوتی ہے۔ایسے میں وہ دل گرفت ہو جاتا ہے۔اسے کتابوں کی ایسی حالت دیکھ کر افسوس ہوتا ہے اس سے محبت محسوس ہوتی ہے۔جب وہ تاریخ کی کتابیں دیکھتا ہے تو اس کی گرفت میں آجاتا ہے۔وہ خود کلامی کرتا ہے کہ تاریخ ہم خود ہیں ہمارے فیصلے تاریخ کے صفحات کو روشن کرتے ہیں۔مرد کردار کے گھر کی دیوار

بھی بوسیدہ ہو گی ہے۔ وہ اس کی مرمت پیسے نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کرتا۔ اس افسانے میں معاشی تنگی بھی کرب کی کیفیت میں مبتلا کرتی ہے۔

افسانہ "میکنک کہاں گیا" کا مرد کردار اندرون بین خصوصیات کے حامل کردار ہے۔ وہ بچپن سے تہذیب یافتہ انسان تھا۔ وہ کبھی باپ کے سامنے گستاخی کا مرتکب نہیں کرتا تھا۔ اس کو باپ غصے میں تھپڑ مارتا تو وہ اس کو چپ چاپ برداشت کر لیتا تھا۔ اس نے ماں کی طرف دیکھا، اس لڑکے کی آنکھوں آنسو تھے لیکن ماں نے دیکھا اور پی گی۔ اس لڑکے کے اندر بہت سے چہرے تھے۔ اس کو مسکرانے والے چہرے ہی پسند آتے تھے۔ ایک چہرہ مولوی مسجد والے کا تھا۔ نورانی چہرے والے مولوی صاحب سے اس کو بہت عقیدت اور گہری محبت تھی۔ باپ کے رویے کی وجہ سے وہ آدھا ادھورا ہو جاتا تھا لیکن اس نے باپ کے سخت رویے کی کبھی شکایت نہیں کی تھی۔ وہ ہر دکھ کو اپنے اندر رکھتا اور برداشت کرتا رہتا تھا۔ وہ فرمابردار بیٹا تھا لیکن پڑھائی میں کمزور تھا۔ وہ ہمیشہ محنت کرتا تھا لیکن اس کو سبق یاد نہیں ہوتا تھا۔ اس کا باپ لڑکے کو طعنے دیتا تھا کہ وہ اچھے نمبر نہیں لیتا ہے۔ وہ اف تک نہیں کرتا تھا۔ اس نے ایف۔ ایس۔ سی تھرڈ ڈویژن میں پاس کی۔ بہت محنت کے باوجود اس کے ذہن میں کوئی چیز نہیں بیٹھتی تھی۔ وہ کسی کو آگے جواب نہیں دیتا تھا۔ بس خود کو کوستا رہتا تھا کہ میرا باپ خواب کیوں دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ ہی سب کو ایک جیسا دماغ دیا ہے نہ ایک جیسی قابلیت دی ہے اور رزق کی تقسیم اسی اوپر والے کے ہاتھ میں ہے۔ وہ دل برداشتہ ہو کر مولوی کے پاس جاتا ہے۔ وہ لڑکا اس مولوی کو سارا معملا بتاتا ہے۔ مولوی اس کو کہتا ہے کہ میرے دوست کی الیکٹرونکس کی دکان ہے اس پر بیٹھ جاؤ اور کام سیکھ لو۔ جب وہ کام سیکھنے لگا تو اس کے باپ نے ڈانٹنا کم دیا تھا۔ اس نے دل جمی سے کام سیکھا اور پہلی دفعہ ٹیلی ویژن کو ٹھیک کیا تو اس کو خود پر اعتماد آ گیا۔ پورے مہینے کے کام کے بعد اور سب خرچ نکال کر ایک ہزار (۱۰۰۰) روپے بچت ہوئی تو وہ پیسے اپنے باپ کو لا کر دیتا ہے۔ اسی طرح وہ آہستہ آہستہ مکینک بن جاتا ہے۔ یہ کردار احساسی اندرون بین خصوصیات کے حامل ہے۔ وہ سب کام محنت سے کرتا ہے اور سب کچھ اپنے اندر رکھتا ہے اور ہر رویے کو محسوس کرتا ہے۔ اس کے جذبات میں شدت پائی جاتی ہے۔ وہ اس شدت کو محنت میں استعمال کرتا ہے۔ وہ ثابت کرتا ہے کہ وہ لائق نہیں تو کیا اس کے رب نے اس میں بہت سی خصوصیات موجود ہوں گی۔ وہ اپنے اندرونی جذبے کی وجہ سے بڑا مکینک بن جاتا ہے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اس مکینک کو کوئی پریشانی نہیں بلکہ اسے اپنے گھر والوں کی پریشانی رہتی ہے لیکن وہ کسی کو محسوس نہیں ہونے دیتا ہے۔ درجہ ذیل اقتباس میں اس کردار کے اندرون بین کی خصوصیات کو دیکھا جا سکتا ہے۔

یار! میں نے اس زمین پر شعور کی آنکھ کھلنے پر جو منظر دیکھے اس میں ایک منظر بہت کرب ناک تھا اور وہ

تھا۔اپنے حصے کا بوجھ ڈھونا۔ میں نے دیکھا ہے ہر انسان کو اپنے حصے کا بوجھ خود ڈھونا ہوتا ہے۔اپنی زندگی کا رتھ خود کھینچنا ہوتا ہے کوئی کسی عمر بھر کام نہیں نبھا سکتا۔[۱۷]

افسانہ "چھید ہسٹری" میں مرد کردار اندرون بین ہے۔ وہ زمانے کے سارے دکھ اپنے اندر سمیٹ ہوئے ہے۔اس کے ذہن میں کسی ایک چیز کی قلم نہیں چل رہی بلکہ وہ مختلف چیزوں کو سوچ رہا ہے۔ وہ جس خطے میں رہتا ہے اس خطے کے تمام مسائل اس کے ذہن میں چل رہے ہوتے ہیں۔ وہ خود ایک ہسپتال میں لیٹا ہوتا ہے اور زندگی کو وال کلاک کہتا ہے کہ جب تک وال کلاک چلتی رہے گی تب تک زندگی کے مسائل مزید بڑھتے رہے گے۔ وہ کہتا ہے کہ ان مسائل کی بدولت اس کے اندر چھید ہسٹری بن گئی ہے۔ یہ افسانہ جس دور میں لکھا گیا ہے اس میں ایٹم بموں کی بہتات تھی۔ وہ اس دھرتی سے بارود کو مٹانا چاہتا ہے۔ کیونکہ اس سے نسل انسانی بہت خطرے میں ہے۔اس کے علاوہ وہ پاکستان کے علاقے "سندھ میں تھر" کے قحط کی بات کرتا ہے۔ وہ صرف پاکستان کا قحط ہی ختم نہیں کرنا چاہتا بلکہ ساری دنیا کی بھوک کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ یہ سب اس کے احساسات کے اندر ہی ہوتا ہے۔ جن کو وہ شدت سے محسوس کرتا ہے لیکن بیمار ہونے کی وجہ کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ غربت کو ختم کرنا چاہتا ہے لیکن وہ یہ نہیں کر پاتا۔ وہ بہت بے بس اور مجبور ہے۔ وہ اس انتظار میں ہے کہ وال کلاک رک جائے اور سب اندرونی کیفیات ختم ہو جائیں۔

چوب دار کا افسانہ "لالٹین جلتی رہے" کا مرد کردار اندرون بین ہے۔اس افسانے میں دو کردار ہیں۔ ایک مرد کردار جس کو حامد سراج نے کوئی نام نہیں دیا۔ اور دوسرا نسانی کردار جس کا نام خوش بخت ہے۔ سب بچوں کی شادی ہو گئی ہے اور سب اپنے اپنے گھر میں مصروف ہیں۔ دونوں میاں بیوی تنہائی کا شکار ہیں۔اس کی بیوی شکایت کرتی رہتی ہے کہ ہم تنہائی کا شکار ہو گئے ہیں تو اس کا شوہر جواب دیتا ہے کہ تنہائی تو انسان کا مقدر ہے۔ وہ شخص اپنے اندر اتنے دکھ و درد لیے ہوئے ہے۔اس کے چہرے پر خاموشی ہے۔ جب بارش میں اس شخص کا بھتیجا آتا ہے تو وہ بہت خوش ہو جاتا ہے وہ اس سوچ میں پڑھ جاتا ہے کہ وہ بھی کیا دور تھا کہ جب مہمان آتے تھے اور مہینہ مہینہ رہتے تھے۔ آج کیسا دور ہے کہ دہاں سہولتیں بہت ہیں لیکن بیماریاں بھی بہت پھیل گئی ہیں۔ وہ اپنے ساتھ ایک پوٹلی لے کر آیا تھا جس میں دکھ رنجش مسائل، رویے غلط فہمیاں اور درد تھے۔اس نے سب اپنے چچا کو بتایا۔ لیکن اس کے چچا نے اپنی روحانی باتوں اور صبر و تحمل سے اس کی تمام الجھنوں کو سلجھا دیتا ہے۔ وہ مرد کردار اپنے بچوں کی دوری برداشت کرتے کرتے تھک گیا تھا۔ وہ ایک دن رو پڑتا ہے اور کہتا ہے کہ آج بچے بہت یاد آرہے ہیں۔ کافی عرصے سے انہوں نے فون کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔

چوب دار کے افسانے "بوسیدہ آدمی کی محبت" میں مرد کردار اندرون اور بیرون بین دونوں خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اس میں دو کردار ہیں۔اس میں محمد حامد سراج نے کرداروں کے نام واضح نہیں کیے۔ ایک مرد کو لڑکی

سے محبت ہوتی ہے۔ وہ ساری زندگی اس کی یاد میں گزر دیتا ہے۔ وہ اس کی یاد سے دل کی محفل سجائے رکھتا ہے۔ وہ اس دکھ کو اپنے اندر دبائے رکھتا ہے اور زندگی اس کی یاد میں گزر دیتا ہے۔ اسی طرح جب وہ مرد برداشت کرتے کرتے تھک جاتا ہے تو وہ اپنے دوست کے پاس جاتا ہے جو کہانی کار ہوتا ہے۔ اس کو کہتا ہے کہ میری محبت کی کہانی لکھو۔ اس کا دوست جواب دیتا ہے کہ یہ موضوع پرانا ہے ہو چکا ہے۔ لوگ اس سے تنگ آ گئے ہیں۔ کوئی اور موضوع بتا دلیکن وہ اپنی کہانی کو خود ہی نام دے دیتا ہے۔ "محبت اور صنف نازک کے موضوع پر" وہ سب درد کرب اپنے اندر برداشت کرتے کرتے تھک گیا ہوتا ہے۔ وہ اپنے دوست کو سب بتا دیتا ہے کہ وہ لڑکی اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ اس نے اتنا ٹوٹ کر چاہا کہ کبھی کسی کو کسی نے نہ چاہا ہو گا۔ صرف وہی میرا دکھ سکھ محسوس کرتی تھی۔ اگر میں اس کی باتوں اور یادوں کی ڈائری کا ایک ایک ورق کھول کر تمہارے سامنے رکھ دوں تو تم ٹالسٹائی کے ناول سے بڑا ناول تحریر کر لو گے۔ وہ اس دوست کو بتاتا ہے کہ وہ لڑکی کہتی ہے، میرا دل تمہارے لیے ایک دیے کی مانند جلتا رہے گا۔ آنسوں کے تیل سے اس کو روشن رکھوں گی۔ اگر میں مر بھی گئی تو تمہارے انتظار میں یہ آنکھیں کھلی رہیں گی۔ اس طرح وہ اپنے کرب کو بتا کر خود کو ہلکا محسوس کرتا ہے اور پر سکون ہو جاتا ہے۔

افسانہ "امام غزالی کا گم شدہ کردار" میں مرد کردار اندرون بین خصوصیات کا حامل ہے۔ اس میں مرد اور عورت دو کردار ہیں۔ وہ دونوں کی بے جوڑ شادی ہوئی ہوتی ہے۔ دونوں ایسے رہتے ہیں کہ جیسے وہ ریلوے اسٹیشن کے ایک پرانے بنچ کے درمیان کا فاصلہ بتدریج سمٹنے کے بجائے پھیل رہا ہے۔ اس کی بیوی ہر وقت لڑتی رہتی ہے۔ مطیع الرحمن چپ کر کے سنتا رہتا ہے۔ اسے ہی زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ پہلے وہ بہت لڑاکا سا ہوتا ہے لیکن اس کا دوست اس کو امام غزالی کی کتاب کو پڑھنے کو کہتا ہے۔ جس کو پڑھ کر اس کی زندگی میں اور مزاج میں ٹھہراو آ جاتا ہے۔ اس میں مرد کردار اپنی بیوی کی ہر بات برداشت ہے۔ جیسا کہ اندرون بین انسان جب برداشت کرتے کرتے تھک جاتے ہیں تو منہ پھٹ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح مرد کردار بھی منہ پھٹ ہو جاتا ہے اور اپنی بیوی کو ڈانٹ دیتا ہے۔ پھر ڈانٹے کے بعد پچھتاوے میں رہتا ہے کہ اس نے کیوں بیوی کو ڈانٹا۔ وہ تو ایسا نہیں تھا۔ اس نے سالوں اس بات کو پی رکھا تھا۔ اس کا من بہت بے چین تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔

افسانہ "ڈرائنگ روم اک گزر گاہ ہے" حامد سراج کی زندگی کا ایک ٹکڑا ہے۔ پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ یہ افسانہ ایک حقیقت ہے۔ اس کے علاوہ معاشرے میں عورت کے مقام اور جاگیرداروں کی پابندیوں کو واضح کیا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اندر ہی گھٹ کر مر جاتی ہیں۔ اس افسانے میں مرد کردار حامد سراج خود ہیں۔ آپ بیرون اور اندرون بین دونوں خصوصیات کے حامل ہیں۔ اس میں ایک لڑکی حامد سراج کو کال کر کے کہتی ہے کہ وہ ایک شاندار حویلی میں

رہتی ہے۔ وہ بچپن سے ہی اس سات پردوں میں ہی رہی ہے اور سکول و کالج میں نظر رکھنے کے لیے نوکرانیاں ساتھ ہوتی ہیں۔ وہ اس ماحول سے تنگ آگئی ہے اور اس کا دم گھٹتا ہے۔ اس نے حامد سراج کی کتاب میا کا مطالعہ کیا تھا میا ماں کے موضوع پر لکھا ہوا خاکہ ہے جو افسانوی رنگ میں تحریر کیا گیا ہے۔ میا پڑھ کر اس عورت کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ حامد سراج سے اپنے سارے دکھ درد بانٹے۔ اس لیے وہ آپ کو کال کرتی رہتی ہے اور اپنی زندگی کے اتار وچڑھاو کے بارے میں بتاتی رہتی ہے۔ حامد سراج اس کے دکھ درد محسوس کرتے ہیں اور ان کا ایسا رشتہ قائم ہوتا ہے جس کا کوئی نام نہیں۔ دونوں میں انسانیت کا رشتہ ہوتا ہے۔ حامد سراج اس کی حویلی پر بھی جاتا ہے کیونکہ اس عورت کی خواہش تھی کہ آپ اس کی حویلی میں آئے۔ حامد سراج اندرون بین خصوصیات کے حامل انسان تھے۔ انہوں نے اس لڑکی کے درد کو محسوس کرتا ہے۔ اس عورت کو کینسر ہو جاتا ہے اور وہ مر جاتی ہے تو آپ نے اس کی زندگی اور آپ کے ساتھ جو باتیں ہوئیں اس کو آپ نے ایک کہانی کی صورت دی دی ہے۔

"ذہن بازار" کا مرد کردار اندورن بین ہے۔ اس کی آمدنی کم اور اخراجات زیادہ ہی۔ ں جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ پریشان رہتا ہے۔ وہ اس پریشانی میں کسی سے شکوہ نہیں کرتا ہے۔ ہمیشہ اپنی آمدنی کے حساب لگا کر گھر کی چیزیں لاتا ہے۔ وہ سب اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہ اپنے بچوں کا خیال رکھتا ہے۔ ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دیتا ہے۔ اس کا بیٹا کہتا ہے کہ کیبل لگوادو لیکن یہ کہتا ہے کہ جب گھروں میں ایسی لعنت آجائے تو انسان اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس مرد کا بیٹا اپنے دوستوں کو کہتا ہے کہ جس دن اس کا باپ مرئے گا تو اسی دن کیبل لگواوں گا۔ اس افسانے میں اس زمانے کی نفسیات کو دیکھایا گیا ہے کہ آج کا نوجوان بزرگوں کو وہ اہمیت نہیں دیتا جو پہلے دور میں بزرگوں اور بڑوں کو اہمیت دی جاتی تھی۔

افسانہ "گرمی بہت ہے" میں مرد کردار اندرون بین انسان ہے۔ اس کی بیٹی شادی اس جگہ ہوئی ہوتی ہے جہاں میکلے جیسے سہولیات موجود نہیں ہوتی ہیں۔ وہ خود ائیر کنڈیشنز میں سویا ہوتا ہے تو اچانک اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ وہ باہر آجاتا ہے۔ وہ ہر جگہ ائیر کنڈیشنز دیکھ کر دل کر کرتا ہے کہ ان مشینوں کو اتار کر پھینک دے۔ اس کی بیوی سو رہی ہوتی ہے۔ وہ اپنی اس کیفیات کو کسی کو نہیں بتاتا خود ہی برداشت کرتا رہتا ہے۔ اس اقتباس سے اس شخص کی اندرونی کیفیات کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔

> درد۔۔۔ کرب۔۔۔۔بے بسی۔۔۔۔ گھٹن۔۔۔ آنسو، رات کا سناٹا اور من گھڑی یہ درد کی کہانی کس
> کے ساتھ اپنا درد جا کر بانٹو نہیں نہیں۔۔۔ یہ میرا درد ہے۔ اسے عام نہیں کرنا خود پینا اور جینا ہے۔ [۱۸]

افسانہ "اعلان" میں افسانہ نگار و اندرون بین ہے۔ اس کو معاشرے کے سب چھوٹے بڑے مسائل نے پریشان رکھا ہوا ہے۔ وہ سب کی تکلیف کو محسوس کرتا ہے اور اندر ہی اندر کرب محسوس کرتا ہے۔ اس افسانے میں افسانہ

نگار خود کلامی کر رہا ہے۔ وہ اپنے دکھ درد کو کسی کو نہیں بتا رہا ہے بلکہ اپنی ذات میں رکھ رہا ہے۔ وہ بہت سے دکھوں کو یاد کرتا ہے جیسا کہ ڈیڑھ سو سالہ غلامی کے جراثیم حکومتی نسل نو کو منتقل ہو رہے ہیں، انسانی خون اور قتل عام، مہنگائی، بیروزگاری، علاقائی سیاست جنگ ایٹم بم وغیرہ۔ اس میں کہانی کار سب خود سے ہی بیان کر رہا ہے۔ وہ پورے خطے کے درد کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

افسانہ "کنجی" میں باپ کا کردار بیرون بین ہے۔ وہ نئی نسل کی وجہ سے پریشان ہے کہ آج کی نوجوان نسل اسلام سے دور ہے اور ماں باپ کے سامنے زبان چلاتی ہے۔ اس کا بیٹا بھی بیرون بین انسان ہے۔ باپ کو جواب دیتا ہے کہ وہ اتنی پابندیوں سے تنگ آ گیا ہے۔ یہ ایسانہ کر و ویسانہ کرہ باپ آگے سے کہتا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سچ کہا ہے کہ مال اور اولاد فتنہ ہے۔ وہ اپنے بچوں کو کہتا ہے کہ ازل سے ماں باپ، نو دس بچوں کو پال لیتے ہیں اور صرف دو ماں باپ اتنے بچوں سے نہیں سنبھال سکتے۔ اس لیے نماز کی کنجی کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ ورنہ دنیا کی پریشانیاں تمہارا کبھی پیچھا نہیں چھوڑیں گی۔

افسانہ "چوب دار" میں مرد کردار اندرون بین ہے۔ اس میں افسانہ نگار نے نام کو واضح نہیں کیا۔ اس میں معاشرے کے مسائل کو واضح کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں جس خطے میں ادیب رہتا ہے اس کے مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ اس دنیا میں خود کو اکیلا اور آخری آدمی سمجھتا ہے کہ صرف وہ پورا آدمی موجود ہے۔ باقی سب کے سر نہیں ہیں۔ جن کے سر نہیں ہیں ان کو خبر بھی نہیں ہیں۔ اس میں علامتی طور پر بتایا ہے کہ احساس جرم کسی میں نہیں سب انسان بے ضمیر ہو گئے ہیں۔ ویسے تو پاکستان ایٹمی طاقت ہے لیکن ایٹمی طاقت کو غلط استعمال کیا جا رہا ہے اور ہر جگہ بم دھماکہ عام ہے۔ انسان کی زندگی کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ یہ درد افسانہ نگار کے اندر ہے کہ ہر جگہ لاشیں ہی لاشیں ہیں اور بے قصور انسان مر رہے ہیں۔ وہ ان مسائل کو حل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کی بس میں نہیں ہے۔ وہ اپنے اندر اس کرب و تکلیف میں خود سے الجھا ہوا ہے۔

افسانہ "ٹاؤن کمیٹی" اس افسانے میں مرد کردار اندرون بین ہے جو کہ خود کلامی کرتا ہے اور زیادہ تر اپنی دنیا میں مست نظر آتا ہے۔ دنیا وقت رشتے ارد گرد کے حالات کا تجزیہ وہ ذات ہی ذات میں خود سے بات کرتے، خود ہی ان چیزوں کو سوچتے ہوئے گزار دیا کرتا ہے۔ ایک مرد جو کہ اس افسانے کا مرکزی کردار ہے۔ وہ اپنا بچپن سے بڑھاپے کا سفر بیان کر رہا ہے کہ کس طرح وہ شاہ پور صدر جاتا ہے اور اسی پانچویں جماعت میں اول آنے پر باپ کی طرف سے دی گئی گھڑی مسجد کے غسل خانے میں گما بیٹھا ہے۔

افسانہ "خراد مشین" میں لڑکا اعجاز اندرون بین شخص ہے۔اس میں دو مرد کردار ہیں۔ایک اعجاز اور دوسرا اس کا استاد، اعجاز اندرون بین ہے اور استاد بیرون بین ہے۔اعجاز کلاس کا نالائق بچہ ہوتا ہے لیکن اس کو اپنا استاد بہت اچھا لگتا ہے۔اس کے پہلے پرچے میں زیرو نمبر آتے ہیں۔وہ پیریڈ ختم ہونے کے بعد "سر" کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے پاس شام کو آپ کے گھر پڑھنے آؤں۔استاد چونکہ بیرون بین خصوصیات کے حامل ہوتا ہے۔وہ فوراً اسے کہتا ہے ہاں جی ضرور آجاؤ۔جب اعجاز پڑھنا شروع کرتا ہے تو اس کے ٹیسٹ میں پورے نمبر آتے ہیں۔وہ اپنے استاد کو لفافہ دیتا ہے جس میں خط ہوتا ہے۔وہ اپنے اندر کے دکھ و کرب کو بتاتا ہے۔اس کو دیکھ کر نہیں لگتا کہ وہ اندر سے اتنا ٹوٹا ہوا انسان ہے۔وہ بتاتا ہے کہ اس کے والد اس کو ہر وقت ڈانٹتے ہیں۔اس کی عزت نفس کو کچل کر رکھ دیتے ہیں۔ہر وقت کی مار کٹائی سے اس کی شخصیت مسخ ہوتی جا رہی ہے۔اس کے والد کے ساتھ اس کی ماں کا رویہ بھی زہریلا ہے اور وہ آخر میں لکھتا ہے کہ وہ خود کو مار دے گا۔استاد یہ سن کر تڑپ جاتا ہے اور بھاگ کر اس کے گھر جاتا ہے۔وہ یہ سوچ کے جاتا ہے کہ کہیں واقع اس بچے نے اپنی جان نہ لے لی ہو۔وہ اعجاز استاد کو ایک پارک میں ملتا ہے۔وہ رو رہا ہوتا ہے۔وہ اس کو تسلی دیتا ہے کہ اس نے خودکشی نہیں کرنی اور اعجاز سے وعدہ لے لیتا ہے۔ میٹرک تک اعجاز کا استاد رہتا ہے۔وہ صرف اپنے اندر اور دخط کے ذریعہ بیان کرتا ہے۔اندرون بین کی طرح منہ سے بتانے کی ہمت نہیں کرتا اور اپنی صلاحیتوں اور اندرونی کیفیات تنہائی میں بہتر طور پر بیان کرتے ہیں۔اس لیے وہ تنہائی میں بیٹھ کر اپنے استاد کو خط لکھتا ہے۔اس کے بعد زندگی یوں ہی چلتی رہتی ہے۔اعجاز ریفریجیٹر کی دوکان کھول لیتا ہے۔پھر افغانستان کے حالات خراب ہوتے ہیں تو وہ سپاہی بن کر جہاد کرنے جاتا ہے۔ وہ آکر سارا قصہ آکر اپنے استاد کو ہی بتاتا ہے کہ ہم ہار گئے ہیں۔طاقت ور بھیڑیوں نے ہمیں گھیر لیا ہے۔وہاں پر ذہنوں میں بارود بھرنے کا کاروبار جاری ہے۔وہاں یہ ذہن بنایا جاتا ہے جو خودکش دھماکہ کرے گا وہ فرشتوں کے مقام تک پہنچ جائے گا۔سر جی مجھ سے لاشیں نہیں دیکھی گئی میں واپس آگیا۔میں یہ سب سوچ کے نہیں گیا تھا اور بتاتے بتاتے رو پڑتا ہے۔

افسانہ "چمکیلی چیخ" میں مرکزی کرداروں میں مرد کا کردار اندرون بین ہے۔دل میں ہی جذبات کو چھپا کر رکھا کرتا ہے۔ کسی کو اپنی محبوبہ کی باتیں یادیں نہیں بتاتا ہے۔ جبکہ وہ بس اپنے ذہن میں محبوبہ کا دیا بندہ اور بندے سے جڑی ہر یاد، بات خیال و خواب کو ہر طرح پوری شدت سے زندہ رکھنا چاہتا تھا۔

> سچ کی تپسیا مان لے۔ میں نے تیرے کان سے گرا بندہ سنبھال کے رکھا ہے۔ یہ ممکن ہی کہاں ہے کہ میں اسے سنبھال کے نہ رکھتا۔ میں نے زندگی کی سانس بھی تو کھینچنا تھی۔ اور ایسا قیمتی اثاثہ کوئی کھونے کا بھلا سوچ بھی سکتا ہے نہیں نا۔۔۔ یہی تو میں نے کہتا ہے کہ میرے دماغ کے لیوں دیمک رینگ رہی ہے نہیں نہیں ہر گز نہیں میں اس دیمک کو تیرے بندے تک ہر گز نہیں پہنچنے دوں گا۔[19]

وہ محبوبہ کی خواہش کو تکمیل دینے کسی کو بنا بتائے اس کے گھر جاتا ہے تو بستی والوں سے اس کو اس کے گھر کے تباہ ہونے کی خبر ملتی ہے کہ ڈرون حملے میں تباہ ہو گیا۔ وہاں پہنچنے پر اس کی نظر بندہ کے دوسرے حصے پر پڑی تو اس محبوبہ والے دوسرے بندے نے ایک چمکیلی چیخ ماری جو صرف اس مرد کردار کو سنائی دی۔

افسانوی مجموعہ بخیہ گری کا افسانہ "وہ بے خبر تھا" کا مرد کردار اندرون بین ہے۔ یہ لاسرحدیت کی ایک گہری حساسیت سے بھرپور کہانی ہے۔ اس میں کردار کا نام واضح نہیں کیا گیا۔ وہ سرحد پار یارو میں اپنا خاندان دفن کر کے لوٹا ہے۔ اس کو سرحدوں کی پہچان نہیں رہی۔ اس نے اپنے اندر ایک الگ ہی دنیا بسائی ہوئی ہے کیونکہ سرحد پار اس نے اپنے بیوی بچوں کو بارود کی نظر کر دیا ہے۔ وہ جب بھی گھر واپس آتا ہے تو بچوں ویسی آواز دیتا ہے جیسے وہ زندہ تھے۔ وہ گھر آتے ہی ان کو آواز دے کر بلاتا تھا۔

بچو۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں آگیا ہوں۔ آج بارود تو نہیں برسا۔۔۔۔۔۔۔۔نا؟

یہ لوٹافیاں چلغوزے مونگ پھلی اخروٹ، خوبانی۔ [۲۲]

وہ اپنے اندر بیوی بچوں کو محسوس کرتا ہے۔ خود سے ہم کلامی کرنے کیلئے اکتارا بجاتا ہے۔ اکتارا سرحدوں کے دونوں طرف پھیلی بارود کی بو کے مقابل امن سکون اور چین کی علامت ہے۔ جو ہر مجبور قبائلی اور افغانی کی دیرینہ خواہش ہے جو اس جبر کے خلاف ایک پرامن احتجاج کے طور پر سامنے آئی ہے۔ لاسرحدیت ان صفوں میں کہ ڈیورنڈ لائن کے ہر دو اعتراف دکھ اور سکھ مشترکہ ہیں اور دشمنوں بھی مشترک ہیں۔ وہ اکتارا بجاتا رہتا اور اپنے دکھوں کو لمحے کے لیے بھول جاتا ہے۔ وہ یہ سوچتا تھا اگر کوئی بھی دنیا کا آدمی اکتارا کو بے تو وہ اپنے درد و غم بھول جائے گا۔

افسانہ "کلائی" میں شیرو کردار بیرون بین خصوصیات کے حامل انسان ہے۔ وہ ایک بھکاری ہوتا ہے۔ جب بھی بھکاریوں کی میٹنگ ہوتی ہے۔ اس میں ڈانگ اڑانا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ وہ اب خود بھیک نہیں مانگتا ہے بلکہ اپنی الگ ٹیم بنا کر ان سے بھیک منگوتا ہے اور ان سے بھتہ وصول کرتا ہے۔ وہ شام کو سرسوں کا تیل لگاتا، داہنی کلائی میں لوہے کا کڑا اور بائیں کان میں سونے کی بالی پہنتا ہے اور اس کی چال میں عجیب لاپرواہی جھلکتی ہے۔ وہ باہر گلی محلے میں گھومتا ہے اور اپنے آپ کو شہنشاہ سمجھتا ہے۔ مندری شیرو ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ جس دن سے شیرو کو پتا لگا ہے کہ مندری اس سے محبت کرتی ہے تو وہ اس دن سے بات بے بات مسکراتا، سیٹی بجاتا اور مسکراتا نظر آتا ہے۔ شیرو کردار میں بیرون بین خصوصیات زیادہ حائل ہیں۔ جب مندری تحفہ دیتی ہے تو شیرو خوشی کے ماری اس کا گال چوم لیتا ہے اور کہتا ہے تیرے بغیر کچھ نہیں چاہیے۔ وہ اپنے جذبات کا اظہار مندری کے سامنے کرتا ہے۔

مندری کیا تو سچ مچ مجھ سے پیار کرتی ہے؟

شیرو تو نے میری آنکھیں کبھی غور سے دیکھی ہیں؟

اگر دیکھ لیتا تو یہ سوال نہ کرتا

تیری گرم سانس ہر بات بھلا دیتی ہیں۔ [۲۱]

افسانہ "مولوی قاسم بہت مصروف" ہے کا مرد کردار اندرون بین ہے۔ اس افسانے میں دو مرد کردار ہیں۔ ایک مولوی قاسم دوسرے مرد کا نام افسانہ نگار نے واضح نہیں کیا۔ دوسرا مرد کردار اندرون بین ہے۔ وہ اپنی زندگی میں بہت مصروف ہے۔ پہلے وہ مہینے میں ایک دن کھل کر رو لیتا تھا۔ لیکن اب وہ زندگی کے مسائل میں اتنا الجھا ہوا ہے کہ اس کے پاس دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے وقت نہیں ہے۔ اپنی زندگی میں انسان رونا چھوڑ دے تو اس کی زندگی اپاہج ہو جاتی ہے۔ وہ مرد کردار خود سے ہم کلامی کرتا ہے کہ موجودہ نسل مکمل طور پر اپاہج ہو چکی ہے۔ پھر وہ سوچتا ہے کہ کتنا فاصلہ ہے، اتنا فاصلہ طے کرنے کے بعد قبر تک ہی جانا ہے۔ وہ اپنے بوجھ کو ہلکا کرنے کیلئے لمحہ بھر رونا چاہتا ہے۔ افسانہ نگار آج کے انسان کی زندگی کی بھی تصویر کشی کی ہے۔ آج کے انسان کے پاس اپنے لیے بھی وقت نہیں ہے۔ مرد کردار اپنے اندر کی تنہائی اور مایوسی کو دور کرنے کیلئے مولوی قاسم کے پاس جاتا ہے۔ وہ اس سے باتیں کر کے ہلکا محسوس کرتا ہے لیکن وقت ایسا بدلا کہ مولوی قاسم کے پاس بھی وقت نہیں ہے۔ جب اس دور میں کسی کے پاس وقت نہیں ہے۔ وہ صرف ملتا ہے اور اس کو کہیں جانا ہوتا ہے۔ اس افسانے میں زندگی کی تیزی کو دیکھایا گیا ہے۔ وہ سب الجھنیں اپنے اندر رکھتا ہے اور زندگی میں الجھتا جاتا ہے۔

کبھی کبھی جب مجھے تنہائی کاٹتی یا مسائل کے کانٹے اپنے وجود سے چنتے چنتے میری پوری زخمی ہو جائیں
میں شام کے بعد مولوی قاسم کے گھر جو ٹیوب ویل کے ساتھ تھا ان سے دل کے ساتھ آنکھیں بھی اپنا
دکھ بانٹ لیں یا وضو آنکھوں سے ہم جدا ہوتے تو روح شانت اور سرشار ہوتی ہے۔ [۲۲]

افسانہ "پانچ روپے کا متروک نوٹ" میں مرد کردار عادل اندرون بین ہے۔ بچپن میں ایک لڑکی سے محبت کرتا ہے۔ وہ اس کو پانچ روپے کا نوٹ دیتی ہے۔ اس لڑکی کا شوہر اپاہج ہوتا ہے۔ وہ اپنے گھر کے اخراجات جسم بیچ کر پورا کرتی ہے۔ جب عادل اس کو رات گزارنے کا کہتا ہے تو کہتی ہے کہ میں تھکی ہوئی ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ ساری تھکن اترا دوں گا۔ وہ زیادہ پیسے دینے پر آمادہ کر لیتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ چلی جاتی ہے۔

عادل واش روم جاتا ہے واپس آتا ہے تو لڑکی سو چکی ہوتی ہے۔ وہ اس کو نہیں اٹھاتا اور اس کو رات بھر دیکھتا رہتا ہے۔ وہ بچپن کی یادیں یاد کرتا رہتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھیلتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ لیکن اس لڑکی کو وہ نہیں بتاتا اور صبح سویرے اٹھ کر وہ چلا جاتا ہے۔ وہ چوکیدار کو پانچ روپے متروک کا نوٹ دے دیتا ہے کہ اس لڑکی کو دے دینا۔ جب وہ لڑکی دیکھتی ہے تو اس کے ذہن میں سب آ جاتا ہے اور سارے منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں۔

افسانہ "نصف مکمل" میں Transition کا عمل ہے جو پوری آب وتاب سے جاری ہے لیکن پس پردہ کہیں جاری وساری ہے۔اس کا کردار قومی شکست وریخت کی وجہ سے گھیرا اضطراب کا شکار ہے۔یورنیم کی تھیم پر بنائی جانے والی پینٹنگ جو اس کی فرمائش پر بنائی جاتی ہے اور حاضرین نمائش میں حد درجہ پذیرائی حاصل کرتی ہے۔دیکھ کر یوں لگا جیسے اس کی روح کا کتھارسس ہو گیا اور اس کا نصف وجود تکمیل آشنا ہو گیا۔پھر اچانک اسے بائیں جانب درد کی ایک چیز دینے والی لہر اٹھی الیکٹرونک گھڑی دھندلا گئی اور اس کی تکمیل کی جانب بڑھنے والے سارے کھل گئے۔ تتلی نئے جنم کی رعنائیوں میں گم محو سفر ہے۔ [۴۳]

"نصف مکمل" کا نعیم کردار اندرون بین ہے۔وہ ایک الجھا ہوا اور تنہائی کا مارا ہوا شخص ہے۔اپنے اندر کے کرب وتکلیف کو دور کرنے کے لیے بے مقصد اسلام آباد کی سڑکوں پر کار چلاتا ہے اور اس کو سمجھ نہیں آتی کہ سے کس چیز سے خوشی حاصل ہو گی۔ وہ ہمیشہ اپنے اندر کی بے چینی میں الجھا رہتا ہے کہ اس کو سمجھ نہیں آتا کہ وہ خود کو کیسے خوش رکھے۔اس کو باطنی خوشی کیسے حاصل ہو گی۔وہ اپنی ہم جماعت سے کافی دیر باتیں کرتا ہے۔وہ اس کو بتاتا ہے کہ ایک لڑکی ہے مجھے نہیں پتا کہاں رہتی ہے؟وہ کیا چاہتی ہے؟میں کیا چاہتا ہوں؟بس عجیب سی بے بسی ہے۔اس کے اندر ایک یہ بھی درد ہوتا ہے کہ اس کی جس لڑکی سے شادی ہوتی ہے وہ بھی کسی اور سے محبت کرتی ہوتی ہے۔اس کی ذات کی تکمیل کبھی ہوئی ہی نہیں کیونکہ نہ اس کو اس لڑکی کی محبت ملی جس سے وہ محبت کرتا تھا۔نہ ہی کبھی نعیم کو کسی نے ٹوٹ کے چاہا چاہنے اور چاہا جانے کی دونوں خواہش پوری نہیں ہوئی۔ اس لیے اس کے اندر اتنا انتشار اور بے سکونی ہے۔وہ اپنے اندر کی تنہائی صرف اپنی ہم جماعت ثنا کو بتاتا ہے۔

"موت کھلیان" میں قاری کو مرگ نما حیرت کا جواب باآسانی مل جاتا ہے اس کا کردار ایک بااصول جرائم پیشہ شادا استاد موت کے کھیل کا حصہ ہونے کے باوجود اس دلدل کے لیے سرمایہ دارانہ نظام کو للکارتا ہے اور موت جیسی کڑوی حقیقت کا استقبال خود کرتا ہے۔انسان نہ تو مکمل طور پر اندرون بین ہو سکتا ہے اور نہ ہی بیرون بین ایک انسان میں دونوں خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ان دونوں میں سے ایک خصوصیات حاوی ہوتی ہے۔اس طرح حامد سراج کا افسانہ موت کھلیان میں مرد کردار شادا دونوں خصوصیات کا مالک ہے۔وہ قاتل ہے اور پل میں کسی کی جان کو ختم کر سکتا ہے۔وہ اس کام میں بھی جو بات کرتا ہے اس کو پورا کرتا ہے۔وہ جو بات ہو وہ سیدھی منہ پر کرتا ہے۔اسی طرح وہ اندرون بین بھی خصوصیت کا حامل ہے۔وہ دل کا بہت نرم اور دل میں دکھ رکھتا ہے۔اسے پتا ہے کہ اس کہ اس کی زندگی کا بھروسہ نہیں وہ کسی بھی وقت مر سکتا ہے۔اس لیے اپنے بیٹے کے مستقبل کیلئے فکر مند ہے اور وہ اس کو ملک سے باہر بھیجنا چاہتا ہے تاکہ اس کے غلط کاموں کی نظر کہیں اس کا بیٹا نہ ہو جائے۔اس لیے وہ اپنے بیٹے کو پاکستان سے

باہر بھیجنا چاہتا ہے۔ اندر ہی اندر اس کو فکر دیمک کی طرح کھائے جا رہی ہے۔ شادرا کسی کا انسان احسان نہیں بھولتا۔ وہ آخری ایک کام اپنے ذمے لیتا ہے۔ کسی سیاست دان سے پیسے نکلوانے ہوتے ہیں۔ جب وہ یہ کام کر لیتا ہے تو اس کو ساٹھ لاکھ ملتا ہے۔ وہ کسی حکمران کو دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کے گاؤں میں لڑکیوں کا سکول کھولا جائے تاکہ وہ کوئی اچھا کام کرنے کے بعد سکون سے مر سکے۔ شادرا احساسی اندرون بین ہے کیونکہ اس کو معاشرے کے مسائل بھی بہت احساس ہوتا ہے۔

"ہونٹ کنارے" کا کردار سلیم الرحمن اس افسانے کا مرکزی کردار ہے اور وہ بیرون بین خصوصیات کا حامل ہے۔ اس افسانے میں زندگی کی مصروفیات کو بیان کیا گیا ہے۔ وہ بیوروکریٹ ہوتا سلیم الرحمن گاؤں سے شہر تعلیم حاصل کرنے جاتا ہے اور شہر میں ہی بس گیا۔ وہ اپنی زندگی کو بہت مصروف کر لیتا ہے۔ وہ بیرون بین انسان اپنے جذبات کو اہمیت نہیں دیتا اس لیے سلیم الرحمن بھی جذبات سے عاری ہوتا ہے۔ اگر کوئی جذبات یا محسوسات ہوتے بھی ہیں تو وہ زندگی کی مصروفیات میں اتنا مگن ہوتا ہے کہ اس کو اپنے لیے وقت ہی نہیں ملتا کہ اپنے بارے میں سوچ سکے۔ اس افسانے کا نام ہونٹ کنارے بھی ہونٹ کنارے پر تل اس میں یاد کی علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ سلیم الرحمن نے جس سے محبت کی کرتا ہے اس کو وقت کی دھول نے بھلا دیا ہے۔ جس پر وہ کبھی مرتا تھا۔ جب سلیم الرحمن کی بہن کی وفات ہوتی ہے اور وہ اپنے آبائی گاؤں جاتا ہے تو وہاں زیتون نامی لڑکی اس کی زندگی کی کتاب کے صفحات میں ایک خوش نما صفحہ تھی۔ سلیم الرحمن اسے زندگی کی مصروفیات کی نظر کر دیا تھا۔ لیکن جب وہ سلیم کو بہن کی وفات کا افسوس کرتی ہے تو وہ اپنی زندگی میں اتنا بڑھ چکا ہوتا ہے کہ اسے چاہ کر بھی نہیں بولا سکتا۔ کیونکہ اب وہ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھ سکتا۔ اس کردار کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے جیسے پچھلے کسی جنم کی سزا ملی ہے اور وہ زیست کی چکی پیتے پیتے بیوروکریسی کی فائلوں کے انبار میں یوں غرق ہوتا ہے۔ کہ اسے وصال یار نصیب ہوتا ہے اور نہ ہی نیا جنم ملتا ہے۔

"افسانہ ایک اور داؤ" کا کردار محمد شکیل اندرون بین اور بیرون بین دونوں خصوصیات کے حامل انسان ہے۔ محمد شکیل کو پیار سے مٹھو بھی کہتے ہیں۔ وہ کھیتوں میں بھی کام کرتا ہے اور کبڈی بھی کھیلتا ہے۔ ایک توتی پہلوان کا مٹھو کے ساتھ مقابلہ ہوتا ہے تو شمائلہ اپنے باپ کو کہتی ہے اس گاؤں کی روایت سے ہٹ کر پہلی دفعہ عورتیں کبڈی دیکھنے آتی ہیں۔ اس دن شمائلہ کو مٹھو سے محبت ہو جاتی اور وہ اس کو خط لکھتی ہے۔ شکیل اندرون بین ہے شمائلہ کے بلانے پر سوچتا ہے اور شرماتا ہے پھر اس سے ملنے جاتا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ بے باک ہو جاتا ہے۔ جب شمائلہ شہر جاتی ہے تو اس سے ملنے جاتا ہے اور گاؤں میں بھی اس کے گھر چھپ چھپ کر جاتا ہے۔

> تمہیں یہاں آتے ہوئے ڈر تو نہیں لگا۔۔۔ شمائلہ بولی ڈر؟۔۔۔ وہ کیا ہوتا ہے ڈر تو ملنے کا لطف ستیاناس کر دیتا ہے۔ [۲۴]

افسانہ مجموعہ برادہ کا افسانہ "کنواریاں" کا مرد کردار گڈریا اندرون بین ہے۔ گڈریا علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جیسے گڈریا بھیڑ بکریوں کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح گاوں کا گڈریا لڑکیوں کی عزت حفاظت کرتا ہے۔ یہ اندرون بین کردار ہے۔ اس نے ایک لڑکی کی عزت کو بچاتا ہے۔ عزت لوٹنے والوں کو حامد سراج نے بھڑیے کا نام دیا ہے۔ بھڑیے کو جیسے موقع ملتا ہے وہ بھیڑوں کو کھانے آنکلتا ہے۔ اسی طرح مردوں کو بھی جیسے موقع ملتا ہے۔ وہ عزت لوٹنے کے لیے آنکلتے ہیں۔ وہ لڑکی سرپٹ بھاگی خودرو جھاڑیوں سے الجھتی ہانپتی کانپتی بھاگی چلی جارہی ہوتی ہے۔ بھیڑے تعداد میں تین ہوتے ہیں۔ پہلے وہ لڑکی کپاس چون رہی ہوتی جب بھڑیوں کو دیکھا تو اپنی جوانی کی نرم کپاس بچانے کیلئے وہ ہرنی کی طرح بھاگی۔ جب اس لڑکی نے گڈریا کو دیکھا تو اس لڑکی کو حوصلہ آیا ہے اور اس نے اس لڑکی کو بھڑیوں سے بچاتا ہے۔ وہ اس لڑکی عزت دوبار بچاتا ہے۔ پھر اس لڑکی سے محبت ہو جاتی ہے اور لڑکی بھی محبت کرنے لگتی ہے کیونکہ اس نے ایسا مرد بھی دیکھا جو عزت لوٹنے کی بجائے عزت کار کھوالا بنا ہوا ہے۔ اس لڑکی کی شادی کسی اور مرد سے ہو جاتی ہے۔ جب اس کا شوہر کمرئے میں آتا ہے۔ وہ اسے دیکھ کر بھاگنے لگتی ہے اور بھیڑیا بھیڑیا چلاتی جاتی ہے۔ اس کا شوہر اس حرکت کو اپنی بے عزتی سمجھتا ہے اور اس کو مارنے کے لیے اس لڑکی کے پیچھے بھاگتا ہے۔ وہ لڑکی گاوں میں بھاگ جاتی ہے اور گڈریا کے پیچھے چھپ جاتی ہے۔ اس شوہر اس لڑکی کو کلہاڑی مارتا ہے تو گڈریا اس لڑکی کے آگے آجاتا ہے اور اس گڈریا کو کلہاڑی لگ جاتی ہے اور وہ گڈریا مر جاتا ہے۔ آخر میں گڈریا کے ڈانٹنے کی آوازیں آتی تھی اور گاؤں کی نوجوان لڑکیاں چین کی نیند سوتی تھی۔

افسانہ "مرگزیدہ" میں مرد کردار بیرون بین انسان ہے۔ اس میں تین مرکزی کردار ہیں۔ دو لڑکے اور ایک لڑکی۔ لڑکی نے جب سے ہوش سنبھالا ہے زندگی کے تلخ لمحات میں جی رہی ہے۔ اس کی اپنی خوشی نہ کوئی خواہش ہے۔ وہ بیزاری کی زندگی گزار رہی ہے۔ تب ہی اس کے موبائل پر کسی نئے نمبر سے میسج آنے لگتے ہیں۔ کوئی لڑکا کیپٹن لکھ کر روز میسج کرتا ہے۔ وہ تنگ آکر پوچھتی ہے کہ کیا مصیبت ہے اور کیا چاہتے ہو؟ اس لڑکے نے آگے جواب دیا کہ میں آپ کو چاہتا ہوں۔ اسی طرح آہستہ آہستہ ان دونوں میں دوستی ہو جاتی ہے۔ وہ اس لڑکی کو کہتا ہے کہ میں مل اونر کا بیٹا ہوں۔ تمہیں ہر گز دھوکا نہیں دوں گا۔ وہ آہستہ آہستہ اس پر اعتبار کرتی گئی۔ ایک دن ملاقات کا طے ہوا۔ جب وہ گھر سے رکشہ پر نکلی تو آگے گاڑی لے کر آجاتا ہے۔ اس کو گاڑی میں بیٹھا کر اپنے گھر لے جاتا ہے اور اس کا دوست بھی اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ دونوں گھر جا کر اس کی اپنی ماں کو کہتے ہیں کہ یہ لڑکی میرے دوست کی بیوی ہے اور یہ ایک پاگل لڑکی ہے۔ اس کو پاگل پن کے دورے پڑھتے ہیں۔ اس لیے یہ چیخیں مارتی رہتی ہے۔ وہ لڑکا اور اس کا دوست اس لڑکی کی عزت مٹی میں ملادیتے ہیں۔ جب اس کو کمرے میں بند کرتے ہیں اور اس کے ساتھ زیادتی کرتے

ہیں تو وہ لڑکی چیختی ہے تو اس لڑکے کی ماں بھاگ کر آتی ہے اور پوچھتی ہے کہ یہ لڑکی کیوں رو رہی ہے چیخیں مار رہی ہے۔ وہ ماں کو کہتا ہے کہ اس کی بیوی پاگل ہے اور اس لیے اس کو پاگل پن کے دورے پڑھ رہے ہیں۔

> ماں جی۔۔۔ کہا تو ہے دوست کی بیوی کو پاگل پن کا دورہ پڑا ہے آپ سکون سے سو جائیں۔ ڈرائنگ روم میں بھیڑیے دانت نکوستے اور گوشت بھنبھوڑتے رہے وہ بے ہوش ہو گی جانے کون سی گھڑی تھی اسے منہ پر پانی کی چھینٹوں کا احساس ہوا آنکھ کھلی تو وہ موجد نہیں تھی۔ وہاں ایک لاش رکھی تھی بھنبھوری ہوئی جس سے خون ابھی تک رس رہا تھا۔[۲۵]

افسانہ "پھر وہی دشت ستم" میں دو کردار ہیں ایک اندرون بین ہے اور دوسرا بیرون بین ہے۔ حامد سراج نے اکثر کرداروں کے نام سے واضح نہیں کیے۔ اکثر افسانوں میں کردار بے نام ہیں۔ اس افسانے میں بھی دو مرد بے نام ہیں۔ ایک مرد ملک کے حالات سے ڈر کر دوسرے ملک چلا جاتا ہے۔ یہ افسانہ سیاسی نوعیت کا ہے۔ اس میں مرد کے ذہن میں جنرل کا خوف بیٹھا جاتا ہے۔ اس نے انسانوں کے ساتھ ظالم ہوتے دیکھا ہے۔ اس لیے وہ کسی کو بتائے بغیر اپنی محبوبہ کو بھی چھوڑ کر کسی اور ملک چلا جاتا ہے۔ ایک کال کوٹھڑی میں اکیلا رہتا ہے اور کسی کے ساتھ نہ بولتا ہے نہ ہی آس پاس کے لوگوں سے تعلق رکھتا ہے۔ بس دیواروں سے باتیں کرتا ہے۔ دو کپ چائے کا بناتا ہے اور جو خود کھاتا پیتا ہے۔ وہی اس محبوبہ کی یاد میں ساتھ رکھتا ہے۔ اس کردار پر اندرون بین خصوصیات زیادہ تر حاوی ہیں۔ اسی طرح دوسرا مرد بیرون بین ہے۔ وہ اندرون بین مرد کو دیکھتا ہے کہ وہ اکیلا رہتا ہے اور کسی کے ساتھ لین دین اور بول چال نہیں ہے تو اس کو بھی عجیب لگتا ہے۔ وہ دونوں ایک ہی ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ اس کی زندگی کے بارے میں جاننا چاہتا ہے اور کہتا ہے تم ملک واپس آ جاؤ۔ وہ جواب دیتا ہے کہ اس ملک میں وہاں سے اس لیے میں چھوڑ آیا ہوں کہ وہاں ظلم بہت ہے۔ بیرون بین اس کو قائل کرتا رہتا ہے۔ اس کے گھر کے کام کرتا ہے اور اس کی زندگی میں دلچسپی لیتا ہے۔ اس کو اپنے ملک واپس لانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ بیرون بین انسان ہی دوسروں کی زندگی میں دلچسپی لیتے ہیں اور دوسروں کے ساتھ تعلق رکھنے کی خواہش رکھتا ہے۔

افسانہ "موچی جوتے پالش کر رہا تھا" میں مرد کردار اندرون بین ہے۔ وہ اپنے سوالوں میں الجھا ہوا ہے۔ اس کو ان کے جوابات کسی سے نہیں ملتے وہ یہ سب باتوں کو اپنے اندر ہی رکھتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ یہ تنہائی کہاں سے آئی ہے۔ وہ ایک ایسی جگہ پر گیا جہاں اڈے کے مکینک، مستری لوہار، الیکٹریشن، گاڑیوں سائیلنسر ویلڈر کرنے والے چنگ چی ڈرائیور، سبزی بیچنے والے، موچی، نائی، پان فروش، ہوٹل کا چھوٹا اپنے کرتے سے دیگچے کو مانجھتا سب ٹالی کے نیچے جمع ہوتے ہیں۔ وہ سوچتا ہے کہ یہاں کے چند لوگ ہی مجھے جانتے ہیں کہ میں مصور ہوں۔ باقی اتنی دنیا میں لوگ رہتے

ہیں وہ تو میری قابلیت سے آشنا نہیں۔ میں وہ یہ سوچتا جارہا ہوتا ہے کہ ایک گاڑی اس کو کچلتی ہوئی جانکلتی اور وہ ادھر ہی دم توڑ دیتا ہے۔

افسانہ "خناس " میں مرد کرار بظاہر تو اندرون بین ہے لیکن اصل میں بیرون بین ہے۔ وہ لوگوں کو اندرون بین ظاہر کرتا ہے۔ اس کو دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی زندگی کو واقف کیے ہوئے ہے۔ پانچ وقت کی نماز ادا کرتا ہے۔ وہ تہجد ادا کرتا ہے لیکن اندر سے عورتوں سے دلچسپی لیتا ہے۔ وہ دنیا کی زندگی میں دلچسپی لیتا ہے۔ وہ عورتوں کے ساتھ تعلقات رکھتا ہے۔ وہ گھر میں کیبل لگواتا ہے تو اس محلے والے پوچھتے ہیں کہ یہ تو شیطانی عمل ہے تو وہ کہتا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت سنتا ہوں اور روز اسلامی چینل دیکھتا ہے لیکن وہ اصل میں فلمیں دیکھتا ہے۔

افسانہ "ہوٹل" میں مرد کردار اندرون بین ہے۔ اس کا ایک بیٹا ہوتا ہے۔ وہ باپ کو گھر سے نکال دیتا ہے۔ وہ بوڑھا آدمی اکیلا ادھر ادھر گھومتا رہتا ہے اور اس کو بھوک لگی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ اپنے اندر سارے دکھ برداشت کرتا رہتا ہے۔ وہ ایک ہوٹل میں جاتا ہے اور پیٹ کی آگ کو ٹھنڈا کرتا ہے لیکن اس کے پاس پیسے نہیں ہوتے ہیں۔ وہ ہوٹل کے مالک سے مار کھاتا ہے اور ادھر ہی رکنے کا کہتا ہے۔ اسی طرح وہ ہوٹل میں کام کرنے لگ جاتا ہے۔ وہ بوڑھا آدمی بہت ذہین ہوتا ہے۔ اس لیے ہوٹل کے مالک محمد شیر کو نفع آنا شروع ہو جاتا ہے۔ وہ چپ چاپ دل لگا کر محنت سے کام کرتا ہے۔ وہ کسی کو اپنا حال نہیں بتاتا۔ اس کا مالک اسے ایک دن پوچھتا ہے کہ تمہارا گھر کہاں ہے؟ تمہارے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے؟ وہ بس اتنا جواب دیتا ہے کہ یہ ہوٹل ہی میرا گھر ہے، باقی وہ ساری زندگی اسی ہوٹل میں گزار دیتا ہے اور وہ اپنے بیٹے کی بھی شکایت نہیں کرتا۔ وہ بس اپنے اندر ہر درد کو محسوس کرتا ہے اور چپ رہتا ہے۔

> دکھوں کی جمع تفریق نہیں ہوتی۔ دکھ بس دکھ ہوتے ہیں انسان کے اندر اپنا زہر قطرہ قطرہ ٹپکاتے رہتے
> اور جان لے کر جان چھوڑتے ہیں انسان کو اپنی سانس ہر حال میں پوری کرنا ہوتی ہیں بڑی لمبی کہانی ہے
> پوری عمر کو ایک منٹ گھنٹے یارات میں تو بیان نہیں کر سکتا نا بس رہنے دو مجھے تم نے چھت دے دی۔
> اللہ تمہیں اور تیری آنے والی نسلوں کو ہر دکھ سے بچائے۔[۲۶]

افسانہ "اندر رج" میں مرد کردار عادل اندرون بین ہے۔ وہ اپنے جذبات کا اظہار کھل کر نہیں کرتا۔ عادل سے اس کی کزن ثوبیہ محبت تو بہت کرتی ہے لیکن وہ اس کو سمجھ نہیں سکا کہ کیا کرے کیونکہ ثوبیہ بہت بے باک ہوتی ہے۔ خود ہی آ کے عادل کو بغل گیر ہو جاتی ہے۔ وہ حیران ہو جاتا ہے کہ یہ کیسی لڑکی ہے۔ اس میں شرم و حیا نہیں جو کام لڑکے کرتے ہیں۔ وہ یہ لڑکی کر رہی ہے۔ اسی طرح ایک اور کزن جو ثوبیہ کی بہن ہوتی ہے۔ اس کا موبائل عادل کے ساتھ تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کے موبائل میں ٹیوڈ کلپ دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے اور اسکا دماغ الجھ جاتا ہے۔ عادل کی ماں کہتی ہے کہ وہ نفیسہ سے شادی کرے لیکن وہ نفیسہ سے شادی نہیں کرتا بلکہ وہ گھر سے بھاگ جاتا ہے۔ وہ اپنی ماں کو بھی

انکار کی وجہ نہیں بتا سکتا۔ عادل پر اندرون بین کی خصوصیات زیادہ حاوی ہیں۔ وہ اندر ہی اندر کڑتا اور غم ناک ہوتا رہتا ہے۔

ناولٹ "آشوب گاہ" میں ایک بوڑھا کردار جو بے نام ہے اور اندرون بین ہے۔ وہ اپنے اندر دکھ رکھتا ہے۔ اس کہانی میں دو مرکزی کردار ہیں۔ ایک خلجی اور دوسرا مدیحہ، خلجی اسٹیشن ماسٹر ہوتا ہے اور پہاڑی علاقے میں ملازمت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ٹوکن میں اور ضرورت مند ہوتے ہیں۔ جو اس کی خدمت کرتے ہیں ایک دن ٹوکن میں بھاگتا آتا ہے اور کہتا ہے صاحب ایک شخص کی لاش پڑی ہے۔ میں اکیلا تھا گھبرا گیا جب وہ تینوں، خلجی، ٹوکن میں اور ضرورت مند اسٹیشن پر جاتے ہیں تو دیکھتے ہیں ایک بوڑھا آدمی رسیوں سے باندھا پڑا ہے۔ اور درد سے آوازیں نکال رہا ہے۔ وہ اتنے میں اس کو کھولتے ہیں اور خلجی اپنے دفتر میں لے جاتا ہے۔ اس کو چائے پلاتے ہیں اور تسلی دیتے ہیں۔ وہ زندہ بچ گیا ہے۔ خلجی پوچھتا ہے کہ آپ خودکشی کر رہے تھے؟ بوڑھا آدمی رو رو کر اپنا دکھ بھری داستان بیان کرتا ہے کہ اس کا بیٹا شہر میں روزی کمانے گیا ہوا ہے۔ اس کی بیوہ اور دو بچے میرے گھر میں رہتے ہیں ایک دن میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میری بہو بچوں کے پاس نہیں سوئی پڑی ہوتی ہے۔ جب میں باہر نکلا تو دیکھا وہ دوسرے مرد کے کے ساتھ ایک کمرئے میں بند ہوتی ہے۔ اس بوڑھے نے دروازے پر ضرور سے دستک دی۔ دروازہ کھلنے تک وہ مرد کھڑکی سے جا چکا تھا۔ اس کی بہو نے اس بوڑھے کو چھری سے ڈراتی ہے کہ اگر کسی کے آگے نام لیا تو وہ جان سے مار دے گی۔ اس کے بعد وہ مرد روز اس کی بہو کے پاس رات کو آتا ہے اور سورج نکلنے سے پہلے واپس لوٹ جاتا ہے۔ وہ خود کو سمجھتا ہے، جیسا وہ اپنی بہو کا بھڑوا ہوں۔ جس دن اس کے بیٹے نے گھر آنا ہوتا ہے۔ اس دن اس کی بہو اور اس کا عاشق بوڑھے کو رسی باندھ کر ریلوے لائن پر رکھ دیتے ہیں۔ صبح خبر آئی کہ اس بوڑھے کا بیٹا قتل ہو گیا ہے۔ اس کی بہو اپنے عاشق کے ساتھ بھاگ جاتی ہے۔ وہ روتا رہتا ہے اور اپنے دکھ درد کو اپنے اندر لیے ہوتے ہیں۔

ناولٹ آشوب گاہ کا ایک اور مرد کردار عمر جہاں داد خان بھی اندرون بین خصوصیات کا مالک شخص ہے۔ عمر جہاں داد خان اور نور بی بی ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے ہوتے ہیں۔ جب نور بی بی پنگھٹ پر ناریاں پانی بھرنے کو آئی تھی تو ان کی جوانیاں پانی کی گاگروں کی طرح بریز جھلکتی تھیں۔ عمر جہاں داد خان ایک بار گھوڑے پر گزرا اور اپنے حواس کھو بیٹھا۔ نور بی بی بھی اپنی الہڑ جوانی سنبھال نہ پائی اور اس لڑکے پر مر مٹی یہ بات پورے گاؤں میں پھیل گئی۔ عمر جہاں داد خان نور بی بی کو کہتا ہے کہ وہ اس کا رشتہ مانگنا چاہتا ہے۔ وہ اس کو منع کر دیتی ہے کہ میرے گھر والے رشتہ نہیں دیں گے اور میں یہ دکھ برداشت نہیں کر سکتی کہ آپ کو نہ ہو۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے رہیں گے۔ ہم جیے مرئے گے تو اکٹھے مرے گے۔ نور بی بی اندرون بین شخصیت کی مالک ہے۔ وہ اپنی ماں کو اپنی

پسند کا نہیں بتا سکتی کیونکہ وہ جذبات کا اظہار کھل کر نہیں کر سکتی تھی۔ عمر جہاں داد کے ایک دوست کو شرارت سوجی وہ نور بی بی کے گھر گیا تب وہ جھاڑو لگا رہی تھی۔ اس نے نور بی بی کی ماں سے کہا عمر جہاں داد خان گھڑ دوڑ میں گھوڑے سے گرا اور دم توڑ گیا ہے۔ نور بی بی کے ہاتھ اور جھاڑ و دونوں منجمد ہو گئے۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں گو میں اور وہ وہیں ڈھیر ہو گی۔ ادھر ہی اس کا دم نکل گیا اور مر گئی۔ گھر میں کہرام مچ گیا۔ دوست نے یہ کیفیت دیکھی تو الٹے پاؤں عمر جہاں داد خان کی طرف بھاگ گیا۔ وہ اپنا حقہ گڑ گڑا رہا تھا۔ اس نے دوست کے حواس باختہ دیکھ کر پوچھا خیریت ہے۔ اس کے دوست نے جواب دیا کہ نور بی بی مر گئی ہے۔ عمر جہاں داد خان یہ بات سن کر کٹے ہوئے شہتیر کی طرح گرا اور مر گیا۔ دونوں کا جنازہ اٹھا تو گاؤں کا انسان تو انسان در و دیوار بھی دھاڑیں مار مار کر روئے۔

ناولٹ آشوب گاہ ایک اور مرد کردار، جس کا نام حامد سراج نے واضح نہیں کیا لیکن غلجی اس کردار کو ساحر بولا تا ہے۔ جب خدیجہ اپنی پھوپھو کے گھر جاتی ہے تو غلجی خدیجہ کو خدا حافظ کرنے ریلوے اسٹیشن آتا ہے۔ پلیٹ فارم پر اس کی ملاقات اس اجنبی سے ہوتی ہے۔ وہ بعد میں اس کو سحر کے نام سے پکارتا ہے۔ وہ اجنبی غلجی کو بتاتا ہے کہ وہ کتبے جمع کرتا ہے۔ وہ پہلی ملاقات میں ہی اس کو خدیجہ کا کتبہ دیکھتا ہے۔ غلجی سمجھتا ہے کہ یہ کوئی جادوگر ہے تب ہی اس کا نام ساحر رکھ دیتا ہے۔ ساحر اندرون بین انسان ہے۔ وہ اپنے دکھوں کو کتبے کا نام دیتا ہے۔ اس کی ایک محبوبہ ہوتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ اس لڑکی کے ماں باپ کسی اور جگہ شادی کر دیتے ہیں۔ وہ روز اپنے دکھوں کے کتبے لیے ریلوے اسٹیشن جاتا ہے۔ وہ خیالوں میں اس کو روز ریل گاڑی پر جاتا دیکھتا ہے۔ وہ اجنبی جب اپنے دکھ برداشت کرتے کرتے تھک جاتا ہے تو اپنے دکھ درد غلجی کو بتاتا ہے۔ وہ اجنبی کہتا ہے کہ کتبوں والا پلندہ مجھ سے لے لو اور میرے مرنے کے بعد سنگ مرمر کی تختی پر سونے کے پانی سے میرا کتبہ لکھ لینا۔ا

اس ناول کے آخر میں وہ مقام آتا ہے جب وقت اپنی سمت سے ہٹ کر کسی اور جہاں کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ یہاں کچھ علمی تبدیلیوں، سامراجی جارحیت، جنگوں (افغانستان اور عراق)، بحری بیڑوں سے اترتے جنگی جہاز، انسانوں پر بمباری، موت، دہشت گردی اور دیگر المیوں کا ذکر ہوتا ہے۔ کیوں کہ وقت کا پیمانہ بدل چکا ہے۔ سامری اندر دن بین ہے وہ غلجی کو بتاتا ہے کہ زمین کا رنگ بدل گیا ہے۔ اب زمین کا رنگ سرخ دیکھائی دیتا ہے۔ یہ سرخ رنگ انسانی خون ہے جو خشکی سے پھیل کر سمندر میں تحلیل ہو گیا ہے۔ اس پورے کرہ ارض کو سرخ رنگ میں بدل دیا ہے۔ سامری غلجی کو کہتا ہے کہ تم اب بھی زمین پر جانا پسند کرو گے تو وہ کہتا ہے کہ ہاں وہاں میری خدیجہ رہتی ہے۔ وہ اپنی بات کی واضاحت ان الفاظ میں کرتا ہے۔

> سحر جب تک زمین پر خدیجائیں ہیں، بارود کے ساتھ پھول بھی کھلتے رہیں گے۔ ابھی زمین پر نابینا کا ہاتھ تھام کر سڑک پار کرانے والے موجود ہیں۔ ابھی دکھ کے موسم میں خون دینے والوں کی قطار شمار میں

نہیں آتی۔ ابھی زمین کروٹ لے اور لاکھوں لوگوں کو نگل لے تو لاکھوں لوگ ان کی اشک شوئی کرنے کے لیے اپنا آرام تج کر تن من اور دھن لگا دیتے ہیں۔ [۳۷]

اس ناولٹ میں ایک بے نام کردار اندرون بین انسان ہے۔ جب خلجی کافی عرصے بعد اپنے گاوں آتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ٹی سٹال پر بوڑھے کو نہ دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔ اس کی جگہ ایک نوجوان لڑکا کھڑا ہوتا ہے۔ وہ لڑکا اپنے کام میں مصروف ہوتا ہے۔ خلجی اس سے پوچھتا ہے کہ باباجی کہاں ہے؟ وہ کہتا ہے کہ وہ مر گیا۔ وہ جواب دیتا ہے کہ بندہ کیسے مرتا ہے جب اس کا وقت پورا ہو گیا مر گیا۔ پھر خلجی کیا تمہارا باپ بیمار تھا؟ وہ جواب میں باپ کے مرنے کی تفصیل کسی کو نہیں بتاتا ہے اور دکھی ہو جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسوں آگئے۔ اس نے بہت گہری بات کر دی کہ بابو جی۔۔۔ ایک دن آپ مر جائے گے، میں بھی مر جاوں گا۔ یہ ٹی سٹال اور پکوڑوں والی ریڑھی، وہ سامنے چھولے نان بیچنے والا مر جائے گا لیکن ٹی سٹال پر چائے پھر بھی بنتی رہے گی۔ اللہ میاں اپنا نظام نہیں روکتے۔ وہ خلجی کو اپنے دکھ میں شامل نہیں کرتا اور اپنے اندر ہی باپ کی موت کے درد کو کسی کو نہیں بتاتا۔

اس ناولٹ کا مرکزی کردار خلجی اندرون بین خصوصیات کے حامل کرار ہے۔ خلجی خدیجہ سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ جب خدیجہ گرمیوں کی چھٹیاں اپنی پھوپھو کے گھر گزارنے جاتی ہے تو خلجی ریلوے اسٹیشن پر آبیٹھتا ہے تا کہ وہ خدیجہ کو جاتا دیکھ سکے۔ وہ روز آ کر بیٹھتا ہے کہ شاہد آج خدیجہ روانہ ہو جب وہ نہیں آتی تو وہ خود سے ہم کلامی کرتا ہے کہ وہ اس سے بات کرئے گا کہ وہ پھوپھو کے گھر نہ جائے۔ وہ دل ہی دل میں سوچتا ہے کہ جب خدیجہ ٹرین میں سوار ہو گی تو وہ گاڑی کے ڈرائیور کی گردن مڑور دے گا تا کہ وہ خدیجہ کو نہ لے کے جائے۔ ایک دن خدیجہ چلی جاتی ہے وہ بے بس دیکھتا رہتا ہے اور اس کی جدائی میں تڑپتا رہتا ہے۔ خلجی احساسی اندرون بین ہے۔ اس کے جذبات شدت تو بہت پائی جاتی ہے لیکن وہ کچھ کر نہیں پاتا ہے۔

وہ خدیجہ کی یاد میں روز پلیٹ فارم پر جاتا ہے۔ اس کو لگتا ہے جیسے وہ پلیٹ فارم پر پیدا ہوا ہو یا ادھر ہی کا باسی ہو۔ خدیجہ اپنی پھوپھو کے گھر جا کر آگے کالج میں داخلہ لے لیتی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو خط و کتابت کے ذریعے اپنا حال احوال لیتے رہتے ہیں۔ خلجی کسی کو خدیجہ کے بارے میں نہیں بتاتا اور دل ہی دل میں یاد کرتا رہتا ہے ایک دفعہ خدیجہ تنگ آ کر خلجی کو کہتی ہے کہ آو بھاگ کر شادی کر لیں لیکن خلجی منع کر دیتا ہے۔ وہ خدیجہ کے لیے سارے جذبات اپنے اندر رکھتا ہے اور کسی کو کان و کان خبر نہیں ہونے دیتا۔ وہ اپنے گھر والوں کے آگے ذکر کرتا ہے۔ خلجی پر اندرون بین خصوصیات زیادہ حاوی ہیں اس حوالے سے اقتباس ملاحظہ ہو۔

> خلجی کو محسوس ہوا وہ اسی پلیٹ فارم پر پیدا ہوا یہیں کا باسی ہے۔ وہ سارے منظر بھول گیا بس خدیجہ اس کی آنکھوں میں بیٹھی تھی۔۔۔ اس نے اپنے آپ کو ٹٹولا۔۔۔ اس کے تن پر سرخ کوٹ تھا۔ وہ زندگی

کے دکھ ڈھو رہا ہے۔اس کے سر پر دکھوں کا صندوق، جدائی کا بستر، کندھے پر لٹکتا خوف کا تھیلا اور ہاتھ

میں بوسیدہ اخبار۔۔۔۔۔!۲۸

اس پلیٹ فارم پر خلجی کو ایک اجنبی شخص ملتا ہے۔ جس کا کام کتبے اکٹھے کرنا ہوتا ہے۔ وہ خلجی کو خدیجہ کا کتبہ دیکھاتا ہے۔ خلجی دیکھ کر بہت خوف ذدہ ہوتا ہے کہ خدیجہ ابھی اٹھارہ سال کی ہے تو اس کا بھی کتبہ کیسے اس کے پاس آگیا۔ وہ چپ چاپ یہ دکھ بھی برداشت کرتا ہے۔ وہ خدیجہ کو بھی نہیں بتاتا ہے۔ خلجی کے اندر ایک درد کی دنیا بسی ہوتی ہے۔ وہ اس میں کسی کو داخل نہیں ہونے دیتا۔ وہ اپنے دکھوں کا اکیلا ہی ولی وارث ہوتا ہے۔

خلجی اور خدیجہ کی آپس میں خط و کتابت ہوتی رہتی ہے۔ خلجی روز ڈاک خانے آکر پتا کرتا کہیں خدیجہ کا خط تو نہیں آیا۔ جس دن خدیجہ کا خط آتا ہے اس دن خلجی کی سانس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ وہ خدیجہ سے پوچھتا ہے کہ پھپھی کے گھر اس کی یاد آتی ہے کہ نہیں۔ وہ جواب دیتی ہے کہ جب کالج جانے کے لیے آئینے کے سامنے کھڑی ہوتی ہوں تو وہاں مجھے اپنا عکس تو نہیں دکھائی دیتا بلکہ وہاں میں نہیں خلجی تم ہوتے ہو۔

خدیجہ ابھی پڑھ رہی ہوتی ہے اور خلجی کو ملازمت مل جاتی ہے۔ وہ اسٹیشن ماسٹر لگ جاتا ہے۔ وہ یہ سوچتا ہے کہ ملازمت کے لیے کوئی اور دھندا ڈھونڈ لیتا ریلوے اسٹیشن پر سلگتے رہوں گا کیوں کہ ہر گاڑی میں اسے خدیجہ کی جھلک نظر آئے گی۔ خلجی کی پوسٹنگ کسی پہاڑی اسٹیشن پر ہو جاتی ہے۔ وہاں جا کر وہ مزید تنہائی کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ وہاں خدیجہ کو یاد کرتا رہتا ہے اور خط و کتابت ان کے درمیان رہتی ہے۔ وہ اکثر سوچتا ہے کہ خدیجہ سے شادی کر لے لیکن وہ گھر کی ذمہ داریوں کی وجہ سے مجبور ہوتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ وہ خدیجہ سے شادی کے لیے وہ عدالت سے رجوع کر لے لیکن اس کے سامنے اس کی بہن آجاتی ہے۔ اس کی بہن شادی ہو جاتی ہے لیکن اس کا بہنوئی ایک خود کش بم دھماکے میں زندگی ہار جاتا ہے۔ بہن کی روبہ زوال صحت بھی اس کے گھر کا ایک مسئلہ ہوتا ہے۔ وہ چاہا کر بھی خدیجہ سے شادی نہیں کر سکتا۔ ایسا رویہ احساسی اندرون بین کا ہوتا ہے۔ خلجی بھی احساسی اندرون بین ہے اس کے جذبات میں شدت تو ہے لیکن وہ کر کچھ نہیں سکتا۔

وہ پہاڑی علاقے میں رہتا ہے اور خدیجہ کو یاد کرتا رہتا ہے۔ وہ بچپن کی یادوں میں جھانک کر دیکھتا ہے کہ بچپن میں خدیجہ کو ایک بار موچ آگئی تھی جب وہ اس کے گھر صحن میں سٹاپو کھیل رہی تھی۔ خلجی نے تڑپ کر خدیجہ کے پاوں کو سہارا دیا تھا اور ماں کو آواز دی تھی۔ ماں جلدی سے لیری بنائی اور خدیجہ کے پاوں پر پٹی باندھ دی۔ اس دن خلجی کو بہت درد ہوا تھا۔ خلجی کی ماں خدیجہ کو کھانے پر بلاتی ہے۔ خدیجہ خلجی کی ماں کو کہتی ہے کہ اس کا بچپن کہی کھو گیا ہے، وہ ڈھونڈ دو۔ وہ ہنستی ہے اور کہتی ہے کہ وقت تو گزر گیا۔

خلجی اس سے پوچھتا ہے کہ کیسی ہو تو وہ جواب دیتی ہے کہ سانس آ جا رہی ہے میں نے مستقبل کی ناؤ کو وقت کے سمندر میں چھوڑ دیا ہے۔ خلجی اس کو کہتا ہے کہ تم کسی سے شادی کر لو وہ بہت حیرانی سے اس کی طرف دیکھتی ہے کہ تم وہی خلجی ہو کہیں تبدیل تو نہیں ہو گئے۔ ایسے الفاظ تم خود مجھے اپنے منہ سے کہہ رہے ہو ایسا کبھی نہیں ہو گا وہ خلجی کو کہتی ہے کہ میں صرف تمہاری ہی ہوں یہاں پر اس کے دکھ درد کا احساس ہوتا ہے کہ اس نے تنہا زندگی گزار دی۔ وہ جس مرد کا ساری زندگی انتظار کرتی رہی وہی مرد اس کو کہتا ہے۔ کہ شادی کر لو اگر شادی کسی اور سے کرنی ہی تھی تو اتنی جدائی کی اذیت برداشت کیوں کروائی؟ وہ خود میں ہی الجھ گئی۔ خلجی اس کو کہتا ہے کہ وہ شوہر ہو گا تمہارا وہ آگے سے جواب دیتی ہے کوئی تیرے سوا میرا شوہر ہو سکتا ہے۔ جب تم نہیں تو دنیا میں کوئی نہیں۔ وہ خلجی کو کہتی ہے کہ تمہیں sex کا خوف ہے نہ sex تو زندگی کا ایک ٹکڑا ہے اور باقی ننانوے ٹکڑے ہیں۔ اس ایک ٹکڑے کو میں زندگی کی تھوڑی سی کمی تو مان سکتی ہوں لیکن ایسی کمی نہیں جو جینے بھی نہ دے۔

ناول ٹرین کی پٹڑی کی طرح ہموار اور سیدھے پلاٹ پر سادگی سے رواں ہے۔ چھوٹے چھوٹے ارد گرد ہوتے واقعات کا بیان دلچسپی کے ذائقے بدلنے کی خاطر آتے ہیں اور یوں پیچھے رہ جاتے ہیں جیسے ریل گاڑی کی کھڑکی سے کھیت، کھلیان، درخت، آدمی، پہاڑ اور دیگر اشیاء۔

آخری ملاقات پر وہ کسی حتمی نتیجے تک پہنچے بغیر جدا ہو جاتے ہیں۔ جدائی کے عذاب کے از سر نو سلسلے جاری رہتے ہیں۔ ایسی سماجی رکاوٹ، جواز، واقعہ یا بات جو ان دونوں کو ایک ہونے نہیں دیتے ہوں۔ اس کا ذکر موجود نہیں، سراسر اختیاری اور بغیر کسی اعلان کے یہ محرومی اختیار کر لی جاتی ہے۔ خلجی کی نوکری کا آخری برس آ گیا اور وہ خدیجہ کے خطوط پڑھتا ہوا بوڑھا ہو گیا ہے۔ اس نے جیتے جی اپنی قبر کا کتبہ تیار کرتا ہے۔ اپنی لاش اپنے کاندھے پر اٹھائے موت کے انتظار کے سوا کوئی کام نہیں تھا اور یہاں تک پہنچ کر خبر ہی نہیں ہوتی کہ کہانی کب ختم ہوئی اور تشنگی کیوں باقی رہ گئی۔ اس حوالے سے اقتباس درج ذیل ہے۔

> تمام لفافوں میں سے اس نے خدیجہ کا نیلے رنگ کا لفافہ الگ کیا۔ کمرے میں آنسو بکھرے تھے۔ سامنے میز پر آنسو، گل دان کے مرجھائے پھولوں میں آنسو، دروازے کی درزوں سے درد دل کہتے آنسو، سٹوو پر دھری پتیلی میں بچی چائے میں آنسو۔۔۔ خلجی پوری عمر کا حساب جوڑنا چاہتا تھا لیکن آنسو سب بہالے جاتے تھے۔ زندگی نے اس کے حصے میں ہجر کا صحرا لکھا تھا۔ [۲۹]

خلجی اندرون بین خصوصیات کے حامل کردار ہے۔ اندروں بین شخص شرمیلا ہوتا ہے، ہچکچاہٹ کا شکار ہوتا ہے۔ وہ نئے ماحول میں اجنبیت محسوس کرتے ہیں۔ وہ نئی اشیا کا سامنا بھی بہت محتاط ہو کر تا ہے۔ بعض اوقات اس میں

خوف بھی شامل ہوتا ہے۔ایسا شخص اکیلا کھیلنا زیادہ پسند کرتا ہے۔دوست بھی کم بناتا ہے وہ تنہائی پسند شخص ہوتا ہے۔یہ سب خصوصیات خلجی میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

محمد حامد سراج کے افسانوی مرد کرداروں کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو آپ کے افسانوی مرد کردار مختلف نوعیت کے ہیں۔مندرجہ بالا سبق میں افسانوی مرد کرداوں کا نفسیاتی تجزیہ کارل گستاژونگ کے نظریہ تحلیل نفسی کے ذریعے کیا گیا ہے۔ آپ کے افسانوی مرد کرداروں میں تحلیل نفسی کے عناصر موجود ہیں۔آپ کے پہلے افسانوی مجموعے "وقت کی فصیل "کے افسانہ "اندر "میں مرد کردار نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہے۔ وہ روزمرہ کی زندگی اور دنیاوی مشکلات اور مصائب کا سامنا کرتے کرتے تھک گیا ہے اس کو ایسا لگتا ہے کہ اس کے اندر کچھ ٹوٹ گیا ہے۔اس افسانے میں آج کی تیز ترین زندگی میں پیسے اور دنیا کے پیچھے بھگنا انسان کا شیوہ ہے۔انسان کو خدا بھول گیا ہے۔آج کا انسان خدا کی بجائے لوگوں پر انحصار کرتا ہے۔ جس وجہ سے مرد کردار انتشار کی حالت میں ہے۔وہ ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے کچھ اخراجات کو کم کرتا ہے اور ضروری چیزیں خریدتا ہے۔اس کا ذہن الجھتا جاتا ہے کہ باقی کے اخراجات کیسے پورے کروں اور وہ دنیا کے مسائل میں الجھا رہتا ہے۔

اس کے علاوہ بعض افسانوں میں حامد سراج خود بھی الجھاو کا شکار نظر آتے ہیں۔افسانہ'' دہاڑی '' میں لفظ دہاڑی خود کئی طرح کے الجھاؤ کو ظاہر کر رہا ہے۔اس افسانے کا مرکزی کردار افسانہ نگار خود ہے۔سب سے پہلے وہ خود الجھاؤ کو محسوس کرتا ہے۔وہ بے بسی محسوس کرتا ہے۔اس کا دل چاہا رہا ہوتا ہے کہ وہ کچھ تخلیق کرے۔کوئی نیا موضوع ہو جو ہو مگر وہ الجھاؤ کا شکار ہے کہ کس موضوع کا انتخاب کرے۔وہ یہ سوچتا رہا کہ پرندوں کے بیان کردہ قصوں سے کہانی تخلیق کرے یا پھر وہ خود کسی اور موضوع کو لکھنے لگے۔دوسرا الجھاؤ تب سامنے آتا ہے جب چاہتے ہوئے بھی وہ اپنے ذہن میں آئے چنگیز بیچنے والی کی مدد کے خیالات اور اس پر عمل نہ کر سکنے پر دہ الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔اس عورت کے بارے میں سوچتا جاتا ہے کہ بھوک اصل محرک ہے یا کھانا خود محرک ہے کہ کوئی چنگیز بیچنے یا اس کو خریدے۔آخری الجھاؤ تب پیدا ہوا جب ایک پٹھان مزدور اور اس کہانی کار کی ملاقات ہوئی اور مزدور کی بات سن کر کہانی کار حیرت زدہ رہ گیا کہ تعویز سے مسائل کا حل کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔آخری الجھاؤ نقش یا تعویز کو لے اڑنے والے کوے کی۔اس حرکت نے پیدا کیا کہ پیٹ یا بھوک بہت ظالم شے ہے کہ بے تکی چیزوں کو چن لیا جاتا ہے چاہے وہ بھوک مٹا سکیں بھی کہ نہیں۔

اجتماعی لاشعور ژونگ کے نظریے تحلیل نفسی میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔بچہ جب پیدا ہوتا ہے۔اس وقت بچے کو جسمانی خصوصیات کے نفسیاتی خصوصیات بھی ورثہ میں ملتی ہیں۔محمد حامد سراج کے افسانوی مرد کرداروں

میں اجتماعی لاشعور کے احساسی نقوش موجود ہیں۔ ہر کردار میں احساسی نقش ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ مثال کے طور پر آپ کا افسانہ "کیڑا" میں مرد کردار شہباز میں اجتماعی لاشعور کا عنصر سایہ موجود ہے۔ اس میں شہباز اپنی جنسی بھوک گھر کی نوکرانیوں سے پوری کرتا ہے۔ بظاہر وہ ایک شریف انسان ہے لیکن وہ اپنی منفی سوچ اور افعال کو بھی سر انجام دیتا ہے۔ وہ ہر وقت شکار کی تلاش میں ہوتا ہے کہ کوئی اس نوکرانی اس کے چکر میں آ جائے۔ وہ اپنی حواس کو پورا کرواس میں سایہ کے عنصر نمایاں ہے۔ اسی طرح محمد حامد سراج کے تیسرے مجموعے چوب دار کا افسانہ "لرزیدہ لمحوں کا تاوان" کے مرد کردار میں اجتماعی لاشعور کے احساسی نقش نقاب کا عنصر پایا جاتا ہے۔ اس میں ایک بوڑھا آدمی کا کردار ہوتا ہے جس کو ایک عورت فون کرتی ہے اور کہتی ہے کہ بچپن میں اسے فرد کو خط دیا تھا اور تم مجھے بھول گئے ہو۔ وہ کہتی ہے کہ میں نے اس کی کتاب میں خط رکھا تھا۔ وہ خط ڈھونڈتا ہے اور اپنے بیٹے کو کہتا ہے کہ وہ پرانی کتابیں ڈھونڈ رہا ہے۔ وہ خط کمرہ بند کر کے ڈھونڈتا ہے۔ اس میں احساسی نقش نقاب نمایاں نظر آتا ہے۔

ہر مرد کے اندر ایک تکمیلی عورت ہوتی ہے اور ر عورت کے اندر ایک تکمیلی مرد عنصر موجود ہوتا ہے۔ ژونگ باترتیب ان کو اینیما اور اینی مس کا نام دیتا ہے نہ تو کوئی مرد مکمل طور پر مرد ہوتا ہے نہ ہی کوئی عورت مکمل طور پر عورت ہوتی ہے۔ ہم ایک ہی فرد میں زنانہ اور مردانہ خواص صاف دیکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح آشوب گاہ کے کردار خلجی میں زنانہ خواص موجود ہیں۔ وہ شرمیلا ہوتا ہے اور ساری زندگی خدیجہ کی جدائی میں گزار دیتا ہے لیکن اس سے شادی کرنے کا حتمی فیصلہ نہیں کر پاتا۔ اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے محمد حامد سراج کے مرد کرداروں میں احساسی نقوش میں سے احساسی نقش سایہ کرداروں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔

آپ کے افسانوی مرد کردار نفسیاتی خصوصیات کے لحاظ سے دو طرح کے ہیں۔ آپ کے مرد کردار اندرون بیں بھی ہیں اور بیرون بین بھی، اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اندرون بین زیادہ ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ احتشام حسین، روایت اور بغاوت(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز۱۹۷۴ء)، ص۱۱۵۔

۲۔ محمد حامد سراج، مجوعہ محمد حامد سراج(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص۴۰۰۔

۳۔ محمد حامد سراج، مجوعہ محمد حامد سراج، ص۴۹۳۔

۴۔ محمد حامد سراج، مجوعہ محمد حامد سراج، ص۵۱۳۔

۵۔ محمد حامد سراج، بخیہ گری(راولپنڈی: الفتح پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص۷۹۔

۶۔ محمد حامد سراج، مجوعہ محمد حامد سراج، ص۵٦۷۔

۷۔ محمد حامد سراج، مجوعہ محمد حامد سراج، ص۵۵٦۔

۸۔ محمد حامد سراج، برادہ(لاہور: بی پی ایچ پرنٹرز۲۰۱۸ء)، ص٦۵۔

۹۔ محمد حامد سراج، بخیہ گری، ص۸۵۔

۱۰۔ محمد حامد سراج، مجوعہ محمد حامد سراج، ص٦٦۳۔

۱۱۔ محمد حامد سراج، مجوعہ محمد حامد سراج، ص٦۱۳۔

۱۲۔ محمد حامد سراج، بخیہ گری، ص۱۳۷۔

۱۳۔ محمد حامد سراج، مجوعہ محمد حامد سراج، ص٦۱۹۔

۱۴۔ خالد قیوم تنولی، محمد حامد سراج: درد کا ہمدرد قصہ گو(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص۳۸۔

۱۵۔ محمد حامد سراج، مجوعہ محمد حامد سراج، ص۱۱۷۔

۱٦۔ خالد قیوم تنولی، محمد حامد سراج: درد کا ہمدرد قصہ گو، ص۲۳۔

۱۷۔ محمد حامد سراج، مجوعہ محمد حامد سراج، ص۴۷۳۔

۱۸۔ ایضاً، ص۵۱۹۔

۱۹۔ محمد حامد سراج، برادہ(لاہور: بی پی ایچ پرنٹرز)، ص۵۲۔

۲۰۔ محمد حامد سراج، بخیہ گری، ص۱۴۵۔

۲۱۔ ایضاً، ص۱۵۳۔

۲۲۔ ایضاً، ص۱۱۴۔

۲۳۔ مظہر حسین، بخیہ گری میں آوا گنیت کی تلاش(بہاول پور: دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور)، ص۷۔

۲۴۔ محمد حامد سراج، بخیہ گری، ص۳۵۔

۲۵۔ محمد حامد سراج، برادہ، ص۴۹۔

۲٦۔ ایضاً، ص۱۴۔

۲۷۔ محمد حامد سراج،مجوعہ محمد حامد سراج،ص۲۵۷۔

۲۸۔ محمد حامد سراج،مجوعہ محمد حامد سراج،ص۵۸۳۔

۲۹۔ محمد حامد سراج،مجوعہ محمد حامد سراج،ص۲۶۶۔

ماحصل

ماحصل

اردو ادب اور نفسیات کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ ادب اور نفسیات کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ادب کی تخلیق اور مطالعہ میں ایک نفسیاتی کیفیات موجود ہوتی ہے۔ ہم افسانوی ادب کا مطالعہ اس لیے کرتے ہیں کہ ہم اپنی نفسانی ضرورتوں کا توازن قائم کر سکیں۔ ادب کے مطالعہ سے اس حالت کی تلافی ہوتی ہے جس میں متضاد خواہشات کسی بھی شکل میں مفاہمت نہیں پا سکتیں۔ ادب کے مطالعہ میں کتھارسس کا عمل جاری رہتا ہے کیوں کہ اس سے انسان کی بنیادی جبلتوں کو کسی نہ کسی حد تک تسکین دی جاتی ہے۔ ادب میں جذبات کا اظہار کھل کر کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس عملی زندگی میں ایسے جذبات کا کھل عام تذکرہ معیوب سمجھا جاتا ہے۔ ادب کے مطالعے کے دوران قاری اپنی خواہشات کو کرداروں کے ذریعے مکمل ہوتا محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح شعوری اور لاشعوری سطح پر انسان اپنی جنسی خواہشات کی تسکین کرتا ہے۔ بہت سے ماہر نفسیات کے نظریے کے مطابق، فنی تخلیقات لاشعور کی ایجاد ہیں۔ ادیب اپنی تخلیقات میں اپنے تجربات کو کم لیکن اپنی دبی ہوئی خواہشات کو زیادہ پیش کرتا ہے۔

مندرجہ بالا تفصیلات سے ثابت ہوتا ہے کہ اردو ادب میں نفسیاتی الجھنوں کو پیش کیا جارہا ہے کیونکہ ادب اور نفسیات کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ادب کا مطالعہ ایک طرح سے حقیقی تسکین کا باعث بنتا ہے ادب کی تخلیق اور مطالعے میں ایک قسم کی ہی نفسیاتی کیفیات موجود رہتی ہیں ہم افسانوی ادب کا مطالعہ بھی اس لیے کرتے ہیں کہ اپنی نفسی ضرورتوں کا توازن قائم کر سکیں مصنفین اپنی تخلیقات کو کم اور اپنی دی ہوئی خواہشات کا اظہار اپنی کہانیوں میں کرتے ہیں۔ اردو ادب کے افسانہ نگاروں نے بھی انسان کی تیزی سے بدلتی ہوئی زندگی میں پیدا ہونے والے ذہنی الجھنوں کو اپنے افسانوں میں بیان کیا ہے۔ بیسیویں صدی کے پانچویں اور چھٹے عشرے میں عرفان ذات کا چرچا ہوا اور نفسیاتی شعور افسانے تحریر ہوئے ہیں۔ ہمارے ہاں باضمیر ادیب کیلئے علامت کا پیچیدہ نظام جذباتی گھٹن کے تزکیے کا وسیلہ ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح اکیسویں صدی کے افسانہ نگار انسان کی ذہنی الجھن کو اپنے افسانوں میں بیان کر رہے ہیں۔

اگر ہم اردو کے افسانوی ادب کا جائزہ لیں تو سب سے پہلے کہانی کی شکل داستان میں ملتی ہے۔ داستان میں انسانی زندگی کے ابتدائی دور سے لے کر نشاۃ ثانیہ تک کے انسانوں کی خارجی اور داخلی زندگی کی عکاسی ملتی ہے۔ داستان میں ہیرو کی مہمات میں زندگی کی ساری کشمکش نظر آتی ہے۔ اسی طرح جن، بھوت، چڑیل، اور دیو کا ذکر صرف خارجی نہیں بلکہ داخلی بھی ہے۔ ان کرداروں کے ذریعے انسان کی داخلی ذات کے وسوسوں اور اندیشوں کا پتہ چلتا ہے۔ اسی طر

ح جمالیاتی حس کی تسکین کے لیے خوبصورت مناظر، حسن وعشق کے موضوعات، شہزادیوں کا سراپا حسن و جمال، اور عیش وعشرت کو دکھایا جاتا ہے۔

داستان کے بعد ناول ہمارے سامنے آتا ہے۔ناول داستان کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ داستان کے بر عکس ناول انسانی زندگی کے قریب اور اس کا ترجمان نظر آتا ہے۔اردو ناول نگاری اپنی طویل روایات کے باعث مختلف ادبی تحریکوں سے متاثر ہوتی آئی ہے۔ناول کو اہم تحریک تحلیل نفسی نے بہت متاثر کیا۔اس تحریک نے لاشعور اور اجتماعی لاشعور کی اہمیت کو اُجاگر کر کے لاشعوری محرکات کی تلاش کو کردار نگاری میں اہم درجہ دیا۔ساتھ ہی کردار نگاری کے ڈھب کو بدل ڈالا۔تاکہ اس تحریک کے زیر اثر بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر پہلے اور بعد کے ناول نگار کے اندر کردار نگاری میں فرق نظر آتا ہے۔

افسانہ ادب میں مقبول صنف سخن ہے۔اردو ادب میں افسانے کی عمر کچھ زیادہ نہیں ہے لیکن مختصر عرصے میں گراں قدر اور متنوع اضافہ ہوا ہے۔افسانہ اور ناول میں فرق محض طوالت اور اختصار کا نہیں بلکہ اصل فرق نفسیاتی پس منظر اور تجسس کا بھی ہے۔دونوں میں معاشرے اور فرد کے تصادم اور آج کے عہد کے فکری آشوب اور سماجی شکست وریخت سے جنم لیا ہے۔ان کا امتیازی فرق یہ ہے کہ ناول کا موضوع سماجی شکست وریخت ہے اور افسانے کا داخلی شکست وریخت ہے۔اردو افسانے میں بھی اس شکست وریخت کی صدر صاف سنائی دیتی ہے۔دور جدید میں افسانہ اس لیے بھی مقبول ہے کیوں کہ آج کے مصروف انسان کو وقت کی قلت کی وجہ سے مطالعے کا زیادہ وقت درکار نہیں ہے۔اس لیے آج کل زیادہ تر افراد افسانے کے مطالعے کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں کیوں کہ افسانہ ایک ہی نشست میں پڑھا جا سکتا ہے۔

افسانے کی تخلیق میں بہت سے ادبا نے قلم اٹھائی ہے۔ان میں محمد حامد سراج کا نام بھی قابل ذکر ہے آپ کے یہاں حقیقت نگاری مختلف صورتوں میں نظر آئی ہے۔آپ کی حقیقت نگاری نے فرد کی زندگی کے نازک گوشوں کو بے نقاب کیا ہے۔آپ نے انسانی زندگی میں دلچسپی اور اس کے اندر خیر کے عنصر کو اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔اگر آپ کے افسانوی کرداروں کا جائزہ لیں تو اس میں تنوع اور حیرت انگیز رنگارنگی ملتی ہے۔محمد حامد سراج اپنے افسانوں میں خود بھی موجود ہیں لیکن کرداروں کے قول و فعل میں دخل نہیں دیتے۔آپ اپنی ذات کو کردار پر مسلط نہیں کرتے وہ موجود ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو نمایاں نہیں کرتے اس لیے آپ کے افسانوں قاری ان کے کرداروں سے کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔آپ کے کردار جیتے جاگتے معلوم ہوتے ہیں۔یہ افسانوی کردار اپنے قاری سے ذہنی ہم آہنگی رکھتے ہوئے اس کے اندر حالات کو بدلنے اور اعلیٰ اقدار کو اپنا کی خواہش پیدا کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا تحقیقی مقالے میں محمد حامد سراج کے افسانوی کرداروں کا نفسیاتی جائزہ کارل کستاژونگ کے نظریے تحلیل نفسی کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔

کارل کستاژونگ فرائڈ کے شاگرد تھے لیکن بعد میں کچھ اختلاف کی وجہ سے الگ ہو کے اور تحلیل نفسی کا الگ نظریہ پیش کیا۔ ژونگ نے انسان کی نفسیات کو سمجھنے کے لیے نظریہ تحلیل نفسی پیش کیا ہے۔ جس میں آپ نے ذاتی لاشعور، الجھاؤ، نفسیاتی خصوصیات کے حوالے سے دو گروہ، ا۔اندرون بین،

محمد حامد سراج کے افسانوی نسائی کرداروں کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو آپ کے افسانوی نسائی کردار مختلف نوعیت کے ہیں۔ آپ کے افسانوی نسائی کرداروں میں تحلیل نفسی کے عناصر موجود ہیں آپ کے افسانوی نسائی کرداروں میں الجھاؤ موجود ہے اور ہر کردار کا الجھاؤ مختلف ہے۔ ہر نسائی کردار کی ذہنی کیفیت مختلف ہے۔ مثال کے طور پر افسانہ "سناٹا کہاں گیا" کا نسائی کردار اور افسانہ "چائے کی پیالی" کا نسائی کردار کے الجھاؤ میں فرق ہے۔ سناٹا کہاں گیا میں عورت الجھاؤ کا شکار ہے۔ جس لڑکے سے وہ محبت کرتی ہے وہ اس قابل ہے کہ اپنا سب کچھ لوٹا دوں۔ وہ اسی الجھن میں پھنسی رہتی ہے اور اس لڑکے سے دور ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس افسانہ چائے کی پیالی کا نسائی کردار ارینہ اپنے شوہر کے بجا شک کی وجہ سے الجھاؤ کا شکار ہے۔ اس کے شوہر کے مطابق وہ بہت خوب صورت ہے اور کوئی بھی مرد ارینہ کو دیکھے گا تو وہ دل ہار جائے گا۔ وہ اس الجھن میں رہتی ہے کہ اس میں اس کا کیا قصور ہے۔ وہ یہ سوچتی ہے کہ کاش میں خوب صورت نہ ہوتی اور اس کا شوہر اس کی سیرت کو دیکھتا، وہ اسی الجھاؤ میں اپنے اندر کردار تخلیق کر لیتی ہے اور اس سے بات کرتی ہے۔ تحلیل نفسی کا عنصر اجتماعی لاشعور کے مختلف اساسی نقوش بھی حامد سراج کے افسانوی نسائی کرداروں میں موجود ہیں۔ آپ کے افسانوی نسائی کرداروں میں اجتماعی لاشعور کی نوعیت مختلف ہے۔ کسی کردار میں سایہ موجود ہے تو کسی میں نقاب اور کسی میں تصویر مرد و زن موجود ہیں۔ نفسیاتی لحاظ سے انسان کے کردار کو دو گرہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ا۔اندرون بین ۲۔بیرون بین، حامد سراج کے افسانوی نسائی کرداروں میں دونوں خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ کچھ کردار دونوں خصوصیات کے مالک ہوتے ہیں۔ اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو زیادہ تر حد حامد سراج کے افسانوی نسائی کردار اندرون بین ہیں۔ محمد حامد سراج نے مختلف کرداروں کے ذریعے انسان کی نفسیات سے پردہ اٹھایا ہے اس لیے ہر کردار کی نوعیت مختلف ہے۔

افسانوی مرد کرداروں میں تحلیل نفسی کے عناصر موجود ہیں۔ آپ کے افسانوی مرد کرداروں میں الجھاؤ موجود ہے اور ہر کردار کا الجھاؤ مختلف ہے۔ ہر مرد کردار کی ذہنی کیفیت مختلف ہے۔ آپ کے پہلے افسانوی مجموعے "وقت کی فصیل" کے افسانہ "اندر" میں مرد کردار نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہے۔ وہ روز مرہ کی زندگی اور

دنیاوی مشکلات اور مصائب کا سامنا کرتے کرتے تھک گیا ہے اس کو ایسا لگتا ہے کہ اس کے اندر کچھ ٹوٹ گیا ہے۔اس افسانے میں آج کی تیز ترین زندگی میں پیسے اور دنیا کے پیچھے بھگنا انسان کا شیوہ ہے۔انسان کو خدا بھول گیا ہے۔آج کا انسان خدا کی بجائے لوگوں پر انحصار کرتا ہے۔جس وجہ سے مرد کردار انتشار کی حالت میں ہے۔وہ ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے کچھ اخراجات کو کم کرتا ہے ااور ضروری چیزیں خریدتا ہے۔اس کا ذہن الجھتا جاتا ہے کہ باقی کے اخراجات کیسے پورے کروں اور وہ دنیا کے مسائل میں الجھار ہتا ہے۔

اس کے علاوہ بعض افسانوں میں حامد سراج خود بھی الجھاو کا شکار نظر آتے ہیں۔افسانہ ''دہاڑی'' میں لفظ دہاڑی خود کئی طرح کے الجھاؤ کو ظاہر کر رہا ہے۔اس افسانے کا مرکزی کردار افسانہ نگار خود ہے۔سب سے پہلے وہ خود الجھاؤ کو محسوس کرتا ہے۔وہ بے بسی محسوس کرتا ہے۔اس کا دل چاہار ہا ہوتا ہے کہ وہ کچھ تخلیق کرے۔کوئی نیا موضوع ہو جو ہو مگر وہ الجھاؤ کا شکار ہے کہ کس موضوع کا انتخاب کرئے۔وہ یہ سوچتا رہا کہ پرندوں کے بیان کردہ قصوں سے کہانی تخلیق کرے یا پھر وہ خود کسی اور موضوع کو لکھنے لگے۔دوسرا الجھاو تب سامنے آتا ہے جب چاہتے ہوئے بھی وہ اپنے ذہن میں آئے چنگیز بیچنے والی کی مدد کے خیالات اور اس پر عمل نہ کر سکنے پر وہ الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔اس عورت کے بارے میں سوچتا جاتا ہے کہ بھوک اصل محرک ہے یا کھانا خود محرک ہے کہ کوئی چنگیز بیچنے یا اس کو خریدے۔آخری الجھاؤ تب پیدا ہوا جب ایک پٹھان مزدور اور اس کہانی کار کی ملاقات ہوئی اور مزدور کی بات سن کر کہانی کار حیرت زدہ رہ گیا کہ تعویز سے مسائل کا حل کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔آخری الجھاؤ نقش یا تعویز کو لے اڑنے والے کوے کی۔اس حرکت نے پیدا کیا کہ پیٹ یا بھوک بہت ظالم شے ہے کہ بے تکی چیزوں کو چن لیا جاتا ہے چاہے وہ بھوک مٹا سکیں بھی کہ نہیں۔

اجتماعی لاشعور ژونگ کے نظریے تحلیل نفسی میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔بچہ جب پیدا ہوتا ہے۔اس وقت بچے کو جسمانی خصوصیات کے نفسیاتی خصوصیات بھی ورثہ میں ملتی ہیں۔محمد حامد سراج کے افسانوی مرد کرداروں میں اجتماعی لاشعور کے احساسی نقوش موجود ہیں۔ہر کردار میں احساسی نقش ایک دوسرے سے مختلف ہے۔مثال کے طور پر آپ کا افسانہ "کیڑا" میں مرد کردار شہباز میں اجتماعی لاشعور کا عنصر سایہ موجود ہے۔اس میں شہباز اپنی جنسی بھوک گھر کی نوکرانیوں سے پوری کرتا ہے۔باظاہر وہ ایک شریف انسان ہے لیکن وہ اپنی منفی سوچ اور افعال کو بھی سر انجام دیتا ہے۔وہ ہر وقت شکار کی تلاش میں ہوتا ہے کہ کوئی اس نوکرانی اس کے چکر میں آجائے۔وہ اپنی حواس کو پورا کر واس میں سایہ کے عنصر نمایاں ہے۔اسی طرح محمد حامد سراج کے تیسرے مجموعے چوب دار کا افسانہ "لرزیدہ لمحوں کا تاوان" کے مرد کردار میں اجتماعی لاشعور کے احساسی نقش نقاب کا عنصر پایا جاتا ہے۔اس میں ایک بوڑھا آدمی کا

کردار ہوتا ہے جس کو ایک عورت فون کرتی ہے اور کہتی ہے کہ بچپن میں اسے فرد کو خط دیا تھا اور تم مجھے بھول گئے ہو۔ وہ کہتی ہے کہ میں نے اس کی کتاب میں خط رکھا تھا۔ وہ خط ڈھونڈتا ہے اور اپنے بیٹے کو کہتا ہے کہ وہ پرانی کتابیں ڈھونڈ رہا ہے۔ وہ خط کمرہ بند کر کے ڈھونڈتا ہے۔ اس میں احساسی نقش نقاب نمایاں نظر آتا ہے۔

ہر مرد کے اندر ایک تکمیلی عورت ہوتی ہے اور ہر عورت کے اندر ایک تکمیلی مرد عنصر موجود ہوتا ہے۔ ژونگ باترتیب ان کو اینیما اور اینی مس کا نام دیتا ہے نہ تو کوئی مرد مکمل طور پر مرد ہوتا ہے نہ ہی کوئی عورت مکمل طور پر عورت ہوتی ہے۔ ہم ایک ہی فرد میں زنانہ اور مردانہ خواص صاف دیکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح آشوب گاہ کے کردار خلجی میں زنانہ خواص موجود ہیں۔ وہ شرمیلا ہوتا ہے اور ساری زندگی خدیجہ کی جدائی میں گزار دیتا ہے لیکن اس سے شادی کرنے کا حتمی فیصلہ نہیں کر پاتا۔ اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے محمد حامد سراج کے مرد کرداروں میں احساسی نقوش میں سے احساسی نقش سایہ کرداروں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔

آپ کے افسانوی مرد کردار نفسیاتی خصوصیات کے لحاظ سے دو طرح کے ہیں۔ آپ کے مرد کردار اندرون بیں بھی ہیں اور بیرون بین بھی، اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اندرون بین زیادہ ہیں۔ یہ تحقیق آنے والے وقت میں نئے محقق کے لیے مفید ثابت ہو گی اور اس مزید راہ نکل سکتی ہے۔ محمد حامد سراج کا نام اردو ادب کے افسانوی دنیا میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔

کتابیات

کتابیات

اختر، سلیم۔ تین بڑے نفسیات دان۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز۱۹۹۴ء۔

اختر، سلیم۔مجموعہ سلیم اختر۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز۲۰۰۶ء۔

احمد، منیر۔حامد سراج بطور حیات نگار۔غیر مطبوعہ و مملوکہ حامد سراج۲۰۰۴۔

احمد، شہزاد۔ ژونگ نفسیات اور مخفی علوم۔لاہور:سنگ میل پبلی۱۹۹۷ء۔

اشر، ویونیدر۔ادب اور نفسیات۔دہلی:یونین پریس۱۹۲۳ء۔

انور، فردوس قاضی۔اردو افسانہ نگاری کے رجحانات۔لاہور:ایف ڈی پرنٹر۱۹۹۹ء۔

امجد، رشید۔بیزاد آدم کے بیٹے۔راولپنڈی:دستاویز پبلیشرز۔

احمد، انوار۔اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ ۔ملتان:کتاب نگر۲۰۱۷ء۔

احتشام، منزہ گوندل۔آئینہ گھر۔جہلم:بک کاونٹر۲۰۱۷ء۔

ارم، صائمہ۔شالوش۔کراچی:آج کی کتابیں۲۰۱۲ء۔

بابر، ظہیر۔اپنی آگ کی تلاش۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز۱۹۹۹ء۔

جینون رینی(Guenon Rene)۔ *Symbols Fandamentaux De Le science* ۔ Pair

Gallimad،۱۹۶۲ء۔

چندر، کرشن۔نظارے ، نظارے۔جہلم:بک کارنر۱۹۷۸ء۔

چند، گوپی نارنگ۔بیدی کے فن کی استعاراتی اور اساطیری جڑیں اور افسانہ روایت اور مسائل۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز۱۹۸۴ء۔

حامد، محمد سراج۔میا۔فیصل آباد:مثال پبلشرز۲۰۰۷ء۔

حامد، محمد سراج۔مجموعہ محمد حامد سراج۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز۲۰۱۴ء۔

حامد، محمد سراج۔ بخیہ گری۔راولپنڈی:الفتح پبلی کیشنز،۲۰۱۴ء۔

حامد محمد سراج۔برادہ۔لاہور:بی پی ایچ پرنٹرز۲۰۱۸ء۔

حسن، فاطمہ۔ کہانیاں گم ہو جاتی ہیں۔کراچی:شہزاد پرنٹرز۲۰۰۰ء۔

حسن، سعادت منٹو۔"افسانہ نگار اور جنسی مسائل سویرا (لاہور:۱۹۴۹ء)۔

حسن، سعادت منٹو، چند(بمبئی: نیا ادارہ۱۹۴۷ء)، ص۲۵۔

حسن، سعادت منٹو۔ چند۔بمبئی:نیا ادارہ۱۹۴۷ء۔

حفیظ، فریدہ۔آنچل کی آگ۔اسلام آباد:نیشنل بک فاونڈیشن۲۰۰۱ء۔

حسین،مظہر۔بخیہ گری میں آوا گنیت کی تلاش۔بہاول پور:دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور۔

حسین،احتشام۔روایت اور بغاوت۔لاہور:ادارہ فروغ اردو۱۹۷۴ء۔

غلام عباس،،آنندی،(لاہور،مکتبہ جدید،۱۹۴۸ء)ص۴۵۔

عثمان،علی قاسمی،" توجہ کی طالب پر ایک نظر"معاصر،شمارہ۱۰جلد۱ (۲۰۰۱ء)۔

کنول،ابن۔،"عصمت چغتائی کی افسانہ نگاری"،اردو ریسرچ جرنل،شمارہ۱۰ (جون۲۰۱۷)۔

گستاؤ ونگ،کارل۔الجھاؤ۔دسمبر،۲۰۱۹ء،۱۰:۲(https://en.m wikipedia.org/wiki/complex_psychology)

قدسیہ،بانو۔"عصمت چغتائی کی افسانہ نگاری"،اردو ریسرچ جرنل،شمارہ۱۰ (جون۲۰۱۷)۔

قیوم،خالد تنولی۔محمد حامد سراج: درد کا ہمدرد قصہ گو۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۴ء۔

مفتی،ممتاز۔ مضشیاقے۔لاہور فیروز سنز۱۹۸۹ء۔

مشتاق،صباحت۔سات کہانیاں۔لاہور:فکشن ہاوس۱۹۹۷ء۔

مریم،مہرینہ۔محمدحامد سراج سے ذاتی انٹرویو۔خانقاسراجیہ میانوالی۲۰۱۸ء۔

مریم،مہرینہ۔قدامہ احمد سے ذاتی انٹرویو۔خانقاسراجیہ میانوالی۲۰۱۸ء۔

ہاشمی،حمیرا،رفیق جعفر،ناصرہ فاروق،عبدالحمید۔نفسیات بنیادی موضوعات، اخلاقی موضوعات ۔لاہور:اردو سائنس بورڈ،۲۰۱۳ء۔

ہاشمی،ارم۔محمد حامد سراج کے ساتھ گفتگو۔ماہنامہ تمام۔میانوالی(فروری۲۰۰۹ء)۔

International Islamic Univ. ISLAMABAD